حیاتِ ظہور

حضرت چوہدری ظہور احمد

مؤلفہ: احمد طاہر مرزا

ظہور احمد

حیاتِ ظہور

حضرت چوہدری ظہور احمد

مؤلفہ: احمد طاہر مرزا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

ظہور احمد زماں ہے

موضع درشن سنگھ قادیان سے قریبا پچیس کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔اور بٹالہ سے آٹھ کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔اس مقام سے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کئی جان نثار صحابہ پیدا ہوئے۔حضرت چوہدری ظہور احمد سابق آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ وسابق ناظر دیوان حضرت منشی امام الدین پٹواری رضی اللہ عنہ کے فرزند تھے جنہیں حضرت اقدس علیہ السلام کے صحابی ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔

حضرت چوہدری ظہور احمد صاحب کو برصغیر ہندو پاک میں سالہا سال تک خدمات بجالانے کی سعادت حاصل ہوئی۔خلافت ثالثہ میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ؒ کی ہدایت کے مطابق مختلف نظارتوں میں کام کی توفیق ملی۔اسی طرح مجلس شوریٰ میں نمائندگی کی سعادت ملی اوراپنی تجاویز وآراء پیش کرنی کی توفیق ملی۔نیشنل لیگ،احمدیہ کوراور کئی دیگر اہم کاموں میں گراں قدر خدمات کی توفیق ملی۔

خبارات ورسائل میں آپ کو بیسیوں علمی،تربیتی اور دینی مضامین شائع کرنے کی توفیق ملی۔آپ کے حالات زندگی کے ساتھ بعض دیگر احباب خاندان کا بھی اجمالی تعارف پیش کیا جارہا ہے۔جن کا کسی نہ کسی رنگ میں آپ کے خاندان سے تعلق ہے۔

حضرت چوہدری ظہور احمد صاحب سابق ناظر دیوان سلسلہ احمدیہ کی ایک معروف شخصیت تھی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کئی میدانوں میں جماعت احمدیہ کی خدمت کی توفیق بخشی۔آپ کی زندگی کی ایک اہم پہچان آپ کی کشمیر اور اہل کشمیر کیلئے بے لوث خدمات ہیں۔جن کا تذکرہ آپ نے کئی تحاریر و تقاریب میں کیا۔اور بالآخر سلسلہ احمدیہ کے کئی بزرگان کی پرزور تحریک اور کئی دیگر نامور شخصیات کی مسلسل توجہ دلانے پر آپ نے اسے پہلے مضامین کی شکل میں رسالہ ہفتہ وار لاہور کے لئے سپرد قلم کیا اور پھر کشمیر کی کہانی کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع کردیا۔

سلسلہ احمدیہ کی کشمیر کیلئے خدمات کا ایک طویل اور درخشندہ باب ہے جس میں صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی سرکردگی میں اور سیکرٹری آل انڈیا کشمیر کمیٹی حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد کی مسلسل محنت اور سلسلہ کی کئی دیگر نامور ہستیوں کی بے غرضانہ اور بے لوث خدمات کے پیش نظر کشمیریوں میں آزادی کی نئی روح پیدا کر دی۔ کاش آج بھی کشمیر کمیٹی سا وہ جذبہ زندہ ہوتا تو کشمیریوں کو ان کے حقوق مل چکے ہوتے۔

اکیسویں صدی میں بالعموم قارئین مختصر کتب و تحریرات میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں تاہم سوانح نگاری میں جب تک کسی قدر تفصیل نہ ہو تو پورے طور پر مافی الضمیر قاری اخذ نہیں کر پاتا۔ اسی لئے قدرے تفصیل دینا بھی ناگزیر ہوتا ہے تا سوانح نگاری کا مقصد پورا ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تفصیل کو پسند فرماتے تھے جیسا کہ آپ علیہ السلام نے سوانحی نگاری کے بارہ میں فرمایا ہے کہ:

"یہ بات ظاہر ہے کہ جب تک کسی شخص کے سوانح کا پورا نقشہ کھینچ کر نہ دکھلایا جائے تب تک چند سطریں جو اجمالی طور پر ہوں کچھ بھی فائدہ پبلک کو نہیں پہنچا سکتیں اور ان کے لکھنے سے کوئی نتیجہ معتدبہ پیدا نہیں ہوتا۔ سوانح نویسی سے اصل مطلب تو یہ ہے کہ تا اس زمانے کے لوگ یا آنے والی نسلیں، ان لوگوں کے واقعات زندگی پر غور کر کے کچھ نمونہ ان کے اخلاق یا ہمت یا زہد و تقویٰ یا علم و معرفت یا تائید دین یا ہمدردئ نوع انسان یا کسی اور قسم کی قابل تعریف ترقی کا اپنے لئے حاصل کریں اور کم سے کم یہ کہ قوم کے اولوالعزم لوگوں کے حالات معلوم کر کے اس شوکت اور شان کے قابل ہو جائیں، جو اسلام کے عمائد میں ہمیشہ سے پائی جاتی رہی ہے تا اس کو حمایت قوم میں مخالفین کے سامنے پیش کر سکیں اور یا یہ کہ ان لوگوں کے مرتبت یا صدق اور کذب کی نسبت کچھ رائے قائم کر سکیں اور ظاہر ہے کہ ایسے امور کے لئے کسی قدر مفصل واقعات کے جاننے کی ہر ایک کو ضرورت ہوتی ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک نامور انسان کے واقعات پڑھنے کے وقت نہایت شوق سے اس شخص کے سوانح کو پڑھنا شروع کرتا ہے اور دل میں جوش رکھتا ہے کہ اس کے کامل حالات پر اطلاع پا کر اس سے کچھ فائدہ اٹھائے۔

تب اگر ایسا اتفاق ہو کہ سوانح نویس نے نہایت اجمال پر کفایت کی ہو اور لائف کے نقشہ کو صفائی سے نہ دکھلایا ہو تو یہ شخص نہایت ملول خاطر اور منقبض ہو جاتا ہے اور بسا اوقات اپنے

دل میں ایسے سوانح نویس پر اعتراض بھی کرتا ہے اور درحقیقت وہ اس اعتراض کا حق بھی رکھتا ہے کیونکہ اس وقت نہایت اشتیاق کی وجہ سے اس کی مثال ایسی ہوتی ہے کہ جیسے ایک بھوکے کے آگے خوان نعمت رکھا جائے اور معاً ایک لقمہ اٹھانے کے ساتھ ہی اس خوان کو اٹھالیا جائے۔اس لئے ان بزرگوں کا یہ فرض ہے جو سوانح نویسی کے لئے قلم اٹھاویں کہ اپنی کتاب کو مفید عام اور ہر دل عزیز اور مقبول انام بنانے کے لئے ، نامور انسانوں کے سوانح کو صبر اور فراخ حوصلگی کے ساتھ اس قدر بسط سے لکھیں اور ان کی لائف کو ایسے طور سے مکمل کر کے دکھلاویں کہ اس کا پڑھنا ان کی ملاقات کا قائم مقام ہو جائے تا اگر ایسی خوش بیانی سے کسی کا وقت خوش ہو تو اس سوانح نویس کی دنیا اور آخرت کی بہبودی کے لئے دعا بھی کرے اور صفحات تاریخ پر نظر ڈالنے والے خوب جانتے ہیں کہ جن بزرگ محققوں نے نیک نیتی اور افادہ عام کے لئے قوم کے ممتاز شخصوں کے تذکرے لکھے ہیں، انہوں نے ایسا ہی کیا ہے''۔

(کتاب البریہ، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 159-160)

اس غرض کے پیش نظر حضرت چوہدری ظہور صاحب موصوف کے کارہائے زندگی کو تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبولیت کا شرف بخشے اور آپ کی یہ سوانح حیات بہتوں کیلئے خدمات دینیہ کے عزائم کو بلند سے بلند تر کرنے کا باعث ہو۔اللّٰہ تعالیٰ اسے نافع الناس بنائے۔آمین۔

خاکسار

احمد طاہر مرزا بدوملہوی

ربوہ

27 مئی 2018ء

فہرست مضامین

باب......دوم

تعارف بزرگانِ خاندان

حضرت چوہدری نثار احمد صاحبؓ

صفحہ

مجاہد جاوا حضرت مولانا رحمت علی صاحبؓ

مندرجات صفحہ

باب......سوم

سوانحِ ظہور پر ایک نظر

مضامین وتقاریر وخطوط

مندرجات صفحہ

سیرت وسوانح حضرت مصلح موعودؓ

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ

وفات

باب......ششم

سیرت و تاثرات

بزرگان کے سوانح کی اہمیت

اس کائنات میں اربوں انسان پیدا ہوئے اور گزر گئے۔ بہت کم ایسے ہیں جن کے سوانح اور حالات زندگی محفوظ کئے گئے ہوں اور اُن میں سے بھاری اکثریت سیاسی، سماجی یا عام دنیوی امور سے تعلق رکھنے والے افراد کی ہے۔ مذہبی دُنیا کے بہت کم لوگ ایسے ہیں جن کے حالات محفوظ کئے گئے۔ سوال یہ ہے کہ ان دنیاوی شخصیات کے احوال نے کتنے افراد کی زندگی میں انقلاب آفرین تبدیلی پیدا کی؟ مہاتما گاندھی، ہٹلر، کارل مارکس، لینن، ونسٹن چرچل اور قائداعظم جیسی عالمگیر شخصیات پر ہزاروں کتابیں ضبط تحریر میں لائی گئیں۔ ان ہزاروں سوانح عمریوں کے نتیجہ میں کتنے افراد کی طبائع میں انقلابی تبدیلی پیدا ہوئی؟ اس کا جواب تلاش کرنا شاید اتنا آسان نہیں ہے جتنا بظاہر نظر آتا ہے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ روحانیت کے سرتاج بادشاہوں کے سوانح عمریوں و افکار و حالات کے مطالعہ سے واقعی طبائع میں ایک عظیم الشان تغیّر رونما ہوتا ہے۔

حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے عاشقین کاملین کے سیرت و سوانح پڑھنے سے یقیناً ایک پاک تبدیلی واقع ہوتی ہے اور یہی سوانح اکٹھا کرنے کا مقصد ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِیْ الْأُمِّیِّیْنَ رَسُولاً مِّنْهُمْ یَتْلُو عَلَیْهِمْ آیَاتِهِ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ ○ وَآخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِیْزُ

الْحَكِيْمُ ○ (الجمعہ:3-4)

وہی وہ ذات ہے جس نے ایک ان پڑھ قوم کی طرف اسی میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا جو (باوجود ان پڑھ ہونے کے) ان کو اللہ کے احکام سناتا ہے، اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ گو یا وہ اس سے پہلے بڑی بھول میں تھے اور ان کے سوا ایک دوسری قوم میں بھی وہ اس (رسول) کو بھیجے گا جو ابھی تک ان سے ملی نہیں اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

ان آیات قرآنیہ میں جو پیشگوئیاں مضمر ہیں اس پر اکثر علماء قدیم اور بزرگان سلف کا اتفاق ہے کہ ھذا عند نزول المھدی۔ یعنی ان تمام امور کا واقع ہونا امام مہدی کے نزول سے وابستہ ہے۔ سورۃ الجمعہ کی ان ابتدائی آیات میں لفظ اٰخَرِیْنَ کے متعلق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے استفسار پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:

لَوْ كَانَ الإِيمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهُ رِجَالٌ أَوْ رَجُلٌ مِنْ هَؤُلاَءِ

(بخاری کتاب التفسیر سورۃ الجمعہ زیر آیت وآخرین)

یعنی اگر ایمان ثریا ستارے پر بھی پہنچ جائے، تو ضرور ان لوگوں میں سے بعض رجال یا ایک شخص اسے ثریا سے واپس لے آئے گا۔ یعنی ابنائے فارس میں سے ایک مرد یا ایک سے زائد اشخاص ایمان کو ثریا ستارے سے واپس لے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں آخرین کو بھی ایک خاص مرتبہ عطا فرمایا ہے اور ان آخرین میں رفقاء واصحابِ امام مہدیؑ بھی شامل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امام مہدی کے اصحاب کا کئی مواقع پر مرتبہ بیان فرمایا ہے۔ ایک موقع پر فرمایا:

”عِصَابَتَانِ مِنْ أُمَّتِي أَحْرَزَهُمَا اللَّهُ مِنَ النَّارِ عِصَابَةٌ تَغْزُو الْهِنْدَ وَعِصَابَةٌ تَكُونُ مَعَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِمَا السَّلاَمُ

(سنن نسائی کتاب الجہاد حدیث نمبر 3188)

یعنی میری امت کی دو جماعتیں ایسی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے آگ سے محفوظ قرار دیا ہے۔ پہلی جماعت وہ ہے جو ہندوستان میں جہاد کرے گی اور دوسری جماعت وہ لوگ ہیں جو عیسیٰ ابن مریم کے ساتھ ہوں گے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت لاکھوں اصحاب حضرت امام مہدی علیہ السلام کے وجود کی صورت میں پوری ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو لاکھوں جان نثار عطا فرمائے اور مسیح موعود کی شان مسیحی وقوت قدسی کی برکت سے لاکھوں روحانی مردے زندہ ہوگئے۔ آپؑ کے رفقاء ہمارے لئے نور کے مینار اور روشن ستارے ہیں۔ عالم روحانی میں ہمارے لئے اتنے خزائن ہیں کہ اس پر جتنا بھی شکر خداوندی بجالا یا جائے کم ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں:

''لیکن ایک بات بڑی غور طلب ہے کہ صحابہ ؓ کی جماعت اتنی ہی نہ سمجھو، جو پہلے گزر چکے بلکہ ایک اور گروہ بھی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ذکر کیا ہے۔ وہ بھی صحابہ میں داخل ہے جو احمدؐ کے بروز کے ساتھ ہوں گے، چنانچہ آپ نے فرمایا: وَ آخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعہ:4) یعنی صحابہ ؓ کی جماعت کو اسی قدر نہ سمجھو، بلکہ مسیح موعودؑ کے زمانہ کی جماعت بھی صحابہ ہی ہوگی۔''

(ملفوظات جلد اول، طبع جدید، ص 431)

اولین اور آخرین

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''وَ آخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ یعنی آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک اور فرقہ ہے جو ابھی ظاہر نہیں ہوا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اصحاب وہی کہلاتے ہیں جو نبی کے وقت میں ہوں اور ایمان کی حالت میں اس کی صحبت سے مشرّف ہوں اور اس سے تعلیم وتربیت پاویں۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنے والی قوم میں

ایک نبی ہوگا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز ہوگا اس لیے اس کے اصحاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کہلائیں گے اور جس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے رنگ میں خدا تعالیٰ کی راہ میں دینی خدمتیں ادا کی تھیں وہ اپنے رنگ میں ادا کریں گے۔'' (تتمہ حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 ص 502)

اپنی جماعت کے وہ لوگ جو انتقال کر گئے

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

'' دنیا کی دولت اور سلطنت رشک کا مقام نہیں مگر رشک کا مقام دعا ہے۔میں نے اپنے احباب حاضرین اور غیر حاضرین کیلئے جن کے نام یاد آئے یا شکل یاد آئی، آج بہت دعا کی اور اتنی دعا کی اگر خشک لکڑی پر کی جاتی تو سرسبز ہو جاتی۔ ہمارے احباب کیلئے یہ بڑی نشانی ہے۔ رمضان کا مہینہ الحمدللہ گزر گیا۔عافیت اور تندرستی سے یہ دن حاصل رہے۔ پھر اگلا سال خدا جانے کس کو آئے گا۔کس کو معلوم ہے کہ اگلے سال کون ہوگا۔ پھر کس قدر افسوس کا مقام ہوگا اگر اپنی جماعت کے ان لوگوں کو فراموش کر دیا جائے جو انتقال کر گئے ہیں۔(یہ ایسے وقت میں فرمایا کہ جب فہرست میں زندوں کے نام ثبت ہو رہے تھے۔)''

(الحکم قادیان 6 مارچ 1898 ص 2)

مبارک وہ جو اب ایمان لایا

پھر آپ فرماتے ہیں:

''اسی وجہ سے اللہ جلّ شانہٗ نے اس آخری گروہ کو مِنْھُمْ کے لفظ سے پکارا تا یہ اشارہ کرے کہ معائنہ معجزات میں وہ بھی صحابہ کے رنگ میں ہی ہیں۔سوچ کر دیکھو کہ تیرہ سو برس میں ایسا زمانہ منہاج نبوت کا اور کس نے پایا۔اس زمانہ میں

جس میں ہماری جماعت پیدا کی گئی ہے کئی وجوہ سے اس جماعت کو صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشابہت ہے۔ وہ معجزات اور نشانوں کو دیکھتے ہیں جیسا کہ صحابہؓ نے دیکھا۔ وہ خدا تعالیٰ کے نشانوں اور تازہ بتازہ تائیدات سے نور اور یقین پاتے ہیں جیسا کہ صحابہؓ نے پایا۔ وہ خدا کی راہ میں لوگوں کے ٹھٹھے اور ہنسی اور لعن طعن اور طرح طرح کی دلآزاری اور بدزبانی اور قطع رحمی وغیرہ کا صدمہ اٹھا رہے ہیں جیسا کہ صحابہؓ نے اٹھایا۔ وہ خدا کے کھلے کھلے نشانوں اور آسمانی مددوں اور حکمت کی تعلیم سے پاک زندگی حاصل کرتے جاتے ہیں جیسا کہ صحابہؓ نے حاصل کی۔ بہتیرے اُن میں سے ہیں کہ نماز میں روتے اور سجدہ گاہوں کو آنسوؤں سے تر کرتے ہیں جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم روتے تھے۔ بہتیرے اُن میں ایسے ہیں جن کو سچی خوابیں آتی ہیں اور الہام الٰہی سے مشرف ہوتے ہیں جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہوتے تھے۔ بہتیرے اُن میں ایسے ہیں کہ اپنے محنت سے کمائے ہوئے مالوں کو محض خدا تعالیٰ کی مرضات کے لیے ہمارے سلسلہ میں خرچ کرتے ہیں جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم خرچ کرتے تھے۔ اُن میں ایسے لوگ کئی پاؤ گے کہ جو موت کو یاد رکھتے اور دلوں کے نرم اور سچی تقویٰ پر قدم مار رہے ہیں جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت تھی۔ وہ خدا کا گروہ ہے جن کو خدا آپ سنبھال رہا ہے اور دن بدن اُن کے دلوں کو پاک کر رہا ہے اور ان کے سینوں کو ایمانی حکمتوں سے بھر رہا ہے اور آسمانی نشانوں سے اُن کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے جیسا کہ صحابہؓ کو کھینچتا تھا۔ غرض اس جماعت میں وہ ساری علامتیں پائی جاتی ہیں جو اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ کے لفظ سے مفہوم ہو رہی ہیں اور ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ کا فرمودہ ایک دن پورا ہوتا۔''

(ایام الصلح، روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 306,307)

مبارک ہیں وہ لوگ ......

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ فرماتے ہیں:

''......اور خداتعالیٰ کے اس احسان کو یاد کرو کہ اس نے آدم کو پیدا کیا اور اس سے بہت مخلوق پھیلائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام والبرکات پر اس کا خاص فضل ہوا اور ابراہیم کو اس قدر اولاد دی گئی کہ اس کی قوم آج تک گنی نہیں جاتی اور ہماری خوش قسمتی ہے کہ خداتعالیٰ نے ہمارے امام کو بھی آدم کہا اور بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا کی آیت ظاہر کرتی ہے کہ اس آدم کی اولاد بھی دنیا میں اس طرح پھیلنے والی ہے۔ میرا ایمان ہے کہ بڑے خوش قسمت وہ لوگ ہیں جن کے تعلّقات اس آدم کے ساتھ ہوں گے کیونکہ اس کی اولاد میں اس قسم کے رجال اور نساء پیدا ہونے والے ہیں جو خداتعالیٰ کے حضور میں خاص طور پر منتخب ہوکر اُس کے مکالمات سے مشرّف ہوں گے، مبارک ہیں وہ لوگ......'' (حقائق الفرقان جلد دوم صفحہ 4)

ہزاروں نشانات کا چلتا پھرتا ریکارڈ

حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلویؓ یکے از اصحاب تین صد تیرہ، کے وصال پر سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے ایک بصیرت افروز خطاب فرمایا جو سیرت بزرگان سلسلہ پر کام کرنے کے لئے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں:

''وہ لوگ جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ابتدائی زمانہ میں خدمات کی ہیں ایسی ہستیاں ہیں جو دنیا کے کیلئے تعویذ اور حفاظت کا ذریعہ ہیں۔ یہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہزاروں نشانات کا چلتا پھرتا ریکارڈ تھے۔ نمعلوم لوگوں نے کس حد تک ان ریکارڈوں کو محفوظ کیا ہے مگر بہر حال خداتعالیٰ کے ہزاروں نشانات کے وہ چشم دید گواہ تھے......ان ہزاروں نشانات کے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کے ہاتھ اور آپ کی زبان، اور آپ کے کان، اور آپ کے پاؤں وغیرہ کے ذریعے ظاہر ہوئے......ایک ایک صحابی جو فوت ہوتا ہے وہ ہمارے ریکارڈ کا ایک رجسٹر ہوتا ہے......اگر ہم نے ان رجسٹروں کی نقلیں کر لی ہیں تو ہمارے لئے خوشی کا مقام ہے اور اگر ہم نے ان کی نقلیں نہیں کیں تو یہ ہماری بدقسمتی کی علامت ہے۔''

(خطبہ جمعہ، از الفضل قادیان 28/ اگست 1941ء)

برکات کا زمانہ

اسی طرح سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے صحابہ حضرت اقدس علیہ السلام کی قدر ومنزلت اور برکات خلافت کے بارہ میں 12 جنوری 1944ء میں خطبہ جمعہ میں فرمایا:

''اب اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زمانہ ہمیں ملا ہے اور ہمارے لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کیا ہم وقت پر اس چیز کی اہمیت کو سمجھتے ہیں جس اہمیت کا سمجھنا ہمارے لئے دینی اور دنیوی برکات کا موجب ہوسکتا ہے؟ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ تو گزر گیا۔ اب آپ کے خلفاء اور صحابہ کا زمانہ ہے مگر یاد رکھو کچھ عرصہ کے بعد ایک ایسا زمانہ آئے گا جب چین سے لے کر یورپ کے کناروں تک لوگ سفر کریں گے اس تلاش اور جستجو میں اور اس دھن میں کہ کوئی شخص انہیں ایسا مل جائے جس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بات کی ہو مگر انہیں کوئی ایسا شخص نہیں ملے گا۔ پھر وہ کوشش کریں گے کہ کوئی شخص انہیں ایسا مل جائے جس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بات نہ کی ہو صرف مصافحہ کیا ہو مگر انہیں کوئی ایسا شخص نہیں ملے گا۔ پھر وہ کوشش کریں گے کہ کوئی شخص انہیں ایسا مل جائے جس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بات نہ کی ہو مصافحہ نہ کیا ہو صرف اس نے آپ کو دیکھا ہو مگر انہیں ایسا بھی کوئی شخص نہیں ملے گا۔ پھر وہ تلاش کریں گے کہ کاش کہ کوئی شخص

انہیں ایسا مل جائے جس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بات نہ کی ہو مصافحہ نہ کیا ہو۔ آپ کو دیکھا نہ ہو مگر کم از کم وہ اس وقت اتنا چھوٹا بچہ ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو دیکھا ہو مگر انہیں ایسا بھی کوئی شخص نہیں ملے گا۔

لیکن آج ہماری جماعت کے لئے موقع ہے کہ وہ ان برکات کو حاصل کرے۔ آج کے بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے وہ دروازہ کھلا ہے جس میں وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کی قریب ترین برکات جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کی برکات سے دوسرے نمبر پر ہیں، بڑی آسانی سے حاصل کر سکتے ہیں مگر کتنے ہیں جو اس چیز کی اہمیت کو سمجھتے ہیں۔ وہ اسی دھن میں رہتے ہیں کہ افسوس انہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ نہ ملا۔ افسوس وہ ان برکات سے محروم رہ گئے اور اس حسرت اور افسوس میں وہ دوسری برکت جو ان کو حاصل ہوئی ہے اور جس سے فائدہ اٹھانا ان کے امکان میں ہوتا ہے وہ بھی ان کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ رسّہ کھنچا چلا جاتا ہے۔ وقت گزرتا چلا جاتا ہے۔ فائدہ اٹھانے کا زمانہ ختم ہونے کے قریب پہنچ جاتا ہے مگر وہ پہلی برکت نہ ملنے پر ہی افسوس کرتے رہتے ہیں اور موجودہ برکت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتے۔''

(الفضل قادیان 15/اپریل 1944ء)

بزرگان کی تاریخ اکٹھا کرنے کی مبارک تحریک

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ اگست/ستمبر 1988ء کو مشرقی افریقہ کے تاریخی دورہ پر تشریف لے گئے۔ اس دورہ کے دوران اور اس کے بعد بھی کئی مواقع پر آپ نے احباب جماعت احمدیہ کو بزرگان کے حالات زندگی اکٹھا کرنے کی تحریک فرمائی۔

چنانچہ پہلی صدی کے آخری خطبہ جمعہ فرمودہ 17/ مارچ 1989ء میں آپ نے اپنے خاندان کے بزرگوں کے حالات اوران کے احسانات کو جمع کرنے کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا:

''اس امر کی طرف بھی متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ سمندر کی تہہ میں بغیر مقصد کے اپنی لاشیں بچھانے والے گھونگوں کی پہلی نسل اس بات کی ضمانت دیتی ہے کہ اس کی آئندہ نسلیں ضرور فتح یاب ہونگی اور وہ نسل سب سے بڑی فتح پانے والی ہے جو سب سے پہلے ترقی کے سلیقے سکھاتی ہے۔ پس اپنے ان بزرگوں کے احسانات کو نہ بھولیں جو خدا کی راہ میں اپنی جانیں بچھاتے رہے۔ جن پر احمدیت کی بلند و بالا عمارتیں تعمیر ہوئیں اور یہ عظیم الشان جزیرے اُبھرے۔ وہ لوگ ہماری دعاؤں کے خاص حق دار ہیں۔ اگر آپ اپنے پرانے بزرگوں کو ان عظمتوں کے وقت یاد رکھیں گے جو آپ کو خدا کے فضل عطا کرتے ہیں تو آپ کو حقیقی انکساری کا عرفان نصیب ہوگا۔ تب آپ جان لیں گے کہ آپ اپنی ذات میں کوئی بھی حقیقت نہیں رکھتے۔

میں نے افریقہ کے دورہ میں ایک یہ ہدایت دی تھی کہ اپنے بزرگوں کی نیکیوں اور احسانات کو یادرکھ کے ان کیلئے دعائیں کرنا یہ ایک ایسا اچھا خلق ہے کہ اس خلق کو ہمیں اجتماعی طور پر نہیں بلکہ ہر گھر میں رائج کرنا چاہئے۔ ان کے حالات کو زندہ رکھنا تمہارا فرض ہے ورنہ تم زندہ نہیں رہ سکو گے۔ اس سلسلہ میں مَیں نے ایک ملک غالباً کینیا میں ایک کمیٹی مقرر کی تھی۔ چنانچہ اس کمیٹی نے بڑا اچھا کام کیا اور ایک عرصہ تک ان کا میرے ساتھ رابطہ رہا اور بعض ایسے بزرگوں کے حالات اکٹھے کئے گئے جو نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے۔ اس لئے ہر خاندان کو اپنے بزرگوں کی تاریخ اکٹھا کرنے کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ ان کی بڑائی کیلئے شائع

کرنے کی خاطر نہیں بلکہ اپنے آپ کو بڑائی عطا کرنے کیلئے، ان کی مثالوں کو زندہ کرنے کیلئے ان کے واقعات کو محفوظ کریں اور پھر اپنی نسلوں کو بتایا کریں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو تمہارے آباواجداد تھے اور کس طرح وہ لوگ دین کی خدمت کیا کرتے تھے۔

بعض ایسے بھی ہونگے جن کو یہ استطاعت ہوگی کہ وہ ان واقعات کو کتابی صورت میں چھپوادیں...... میں امید رکھتا ہوں کہ اگر اس نسل میں ایسے ذکر زندہ ہونگے تو اللہ تعالیٰ آپ کے ذکر کو بھی بلند کرے گا اور آپ یاد رکھیں گے کہ اگلی نسلیں اسی طرح پیار اور محبّت سے اپنے سر آپ کے احسان کے سامنے جھکاتے ہوئے آپ کا مقدس ذکر کیا کریں گی اور آپ کی نیکیوں کو ہمیشہ زندہ رکھیں گی''۔

(روزنامہ الفضل ربوہ 27 مارچ 1989ء)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ایک مرتبہ مجلس سوال وجواب میں فرمایا:

''(بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے کا) الہام تو کئی رنگ میں پورا ہوا ہے...... دوسری بات کپڑوں سے مراد صحابہ ہیں۔ قرآن کریم کے محاورہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے متعلق بھی کپڑوں کا لفظ آیا ہے جو پاس رہے ہیں۔ کپڑے لپٹے رہتے ہیں نا ہر وقت انسان کے۔ تو مراد یہ ہے کہ اب تو تجھے نظر انداز کررہے ہیں۔ لیکن ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ دوڑ دوڑ کر تیرے صحابہ کے پاس حاضر ہوا کریں گے ان سے ہاتھ ملانا ہی وہ سمجھیں گے کہ برکت کا موجب ہے چنانچہ ایسا بڑی کثرت سے ہوا کرتا تھا اور ابھی تک ہورہا ہے۔''

(روزنامہ الفضل ربوہ 9/ اپریل 2001ء ص 5,6)

اس میں شبہ نہیں کہ بہت سے احمدی خاندانوں کے پاس اپنے بزرگوں روایات یا

واقعات موجود ہیں انہیں کوشش کرنی چاہئے کہ ایسی روایات کو تصدیق کے بعد جماعتی اخبارات ورسائل کتابی صورت میں شائع کرانا چاہئے۔تاکہ آئندہ نسلوں کے لئے بزرگان احمدیت کے حالات محفوظ کئے جاسکیں۔

پہلے بھی توجہ دلائی ہوئی ہے کہ اپنی تاریخ کو، اپنی خاندانی تاریخ کو یاد رکھنے کی کوشش کریں اور جو صحابہ ہیں ......ان کے بارے میں لکھا جانا چاہئے

23/اکتوبر 2015ء کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے صاحبزادہ مرزا اظہر احمد صاحب کی وفات کا اعلان کرتے ہوئے پھر ہمیں سلسلہ احمدیہ کی تاریخ محفوظ کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ چنانچہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

''حضرت مصلح موعود کہتے ہیں کہ افسوس ہے کہ ہماری جماعت اپنی تاریخ کے یاد رکھنے میں نہایت سست واقع ہوئی ہے۔شاید ہی کوئی اور قوم ایسی ہو جو اپنی تاریخ کو یاد رکھنے میں اتنی سست ہو جتنی ہماری جماعت ہے۔عیسائیوں کو لے لو انہوں نے اپنی تاریخ کے یاد رکھنے میں اتنی سستی سے کام نہیں لیا اور مسلمانوں نے تو صحابہ رضوان اللہ علیہم کے حالات کو اس تفصیل سے بیان کیا ہے کہ اس موضوع پر بعض کتابیں کئی کئی ہزار صفحات پر مشتمل ہیں لیکن ہماری جماعت باوجود اس کے کہ ایک علمی زمانے میں پیدا ہوئی ہے اپنی تاریخ کے یاد رکھنے میں سخت غفلت سے کام لے رہی ہے۔پس اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔لوگوں کو توجہ دینی چاہئے۔ پہلے بھی توجہ دلائی ہوئی ہے کہ اپنی تاریخ کو، اپنی خاندانی تاریخ کو یاد رکھنے کی کوشش کریں اور جو صحابہ ہیں ان کا ذکر ہونا چاہئے۔ان کے بارے میں لکھا جانا چاہئے۔''

(خطبہ جمعہ 23/اکتوبر 2015ء بمقام بیت الفتوح مورڈن)

اِن ارشادات سے یہ بخوبی واضح ہوگیا کہ ہمارے بزرگان سلسلہ جنہوں نے دین کیلئے اپنی زندگیاں وقف رکھیں تھیں اور جنہوں دراصل دین کو دنیا پر مقدم رکھا ان کے حالات سے

نئی نسلوں کو باخبر کرنا نہایت ضروری امر ہے۔ پس اس امر کی ضرورت ہے کہ احباب جماعت جو اکناف عالم میں پھیلے ہوئے ہیں، اپنے اپنے خاندان کے بزرگان کے حالات زندگی جمع کرنے کی کوشش کریں یا کم ازکم ان احباب کو مواد و مسودات اور معلومات فراہم کرنے کی کوشش کریں جو اس عظیم مہم میں کوشاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان نیک اور اہم مقاصد عالیہ کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

⌘ ❍ ❖ ❍ ⌘

باب......اول

حضرت منشی امام الدین صاحبؓ
پٹواری

درشن سنگھ تحصیل بٹالہ

حضرت چوہدری ظہور احمد صاحب سابق ناظر دیوان کے والد ماجد حضرت منشی امام الدین صاحب مرحوم ریٹائرڈ پٹواری مہاجر محلّہ دارالرحمت قادیان ولد میاں حکم الدین صاحب کا آبائی مسکن قلعہ درشن سنگھ تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور تھا جہاں آپ 1863ء میں پیدا ہوئے۔ یہ گاؤں بٹالہ سے قریباً چار میل کے فاصلہ پر اور گورداسپور جانے والی سڑک پر واقع ہے۔ جدید نقشہ کے مطابق یہ گاؤں بٹالہ سے ساڑھے آٹھ کلومیٹر کے فاصلہ پر امرتسر جلندھر روڈ پر واقعہ ہے اور بٹالہ سے بیس منٹ کا فاصلہ ہے۔

آپؓ نے ابتدائی تعلیم موضع دیال گڑھ ضلع گورداسپور میں پائی اور پرائمری کا امتحان پاس کر کے مزید تعلیم کے لئے گورداسپور بھجوائے گئے۔ کچھ عرصہ وہاں تعلیم حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد محکمانہ امتحان پاس کر کے بطور پٹواری ملازم ہو گئے اور قریباً پینتیس سال تک بہت نیک نامی کے ساتھ یہ ملازمت کرنے کے بعد سبکدوش ہوئے۔

بیعت

ریکارڈ کے مطابق آپ نے 1888ء میں سیدنا مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کی اور 1894ء میں بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ بعدہ آپ نے محلّہ دارالرحمت

قادیان میں رہائش اختیار کر لی۔

(رجسٹر روایات صحابہ جلد 11 ص)

چنانچہ حضرت منشی صاحب اپنی بیعت کے بارہ میں بیان کرتے ہیں:

''میں نے 1894ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک پر بیعت کی۔ شام کی نماز کا وقت تھا۔ اخویم منشی عبدالعزیز صاحب اوجلوی اور بھائی جمال الدین صاحب سیکھوانی مرحوم بھی میرے ساتھ تھے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد منشی صاحب موصوف نے میری طرف اشارہ کر کے عرض کیا۔ حضور ان کی بیعت لے لیں۔ حضور نے فرمایا۔ اندر ہی آ جائیں۔ جب میں اکیلا بیت الفکر کے اندر گیا۔ تو حضور ایک چارپائی کی پائنتی کی طرف بیٹھ گئے اور مجھے چارپائی کے سرہانے بیٹھنے کا ارشاد فرمایا۔ پہلے تو میں جھجکا مگر حضور نے بیعت لے لی۔ حضور کا یہ برتاؤ دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ کہ کہاں وہ پیر جن کے برابر کوئی بیٹھ نہیں سکتا۔ اور کہاں یہ پیر جسے اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود بنا کر بھیجا۔ اپنے ایک ناچیز خادم کو چارپائی کے سرہانے بٹھاتا ہے اور خود پائنتی پر بیٹھتا ہے اخویم منشی عبدالعزیز صاحب گو گول کمرہ کے اندر تو داخل نہیں ہوئے تھے لیکن باہر سے یہ نظارہ دیکھ رہے تھے۔ ان کو بھی یہ واقعہ ابھی تک یاد ہے۔''

(رجسٹر روایات صحابہ جلد 11 ص)

قادیان میں بودوباش

آپ ملازمت سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد 1926ء میں باقاعدہ ہجرت کر کے قادیان آ گئے اور یہیں مستقل رہائش شروع کر دی۔ کئی خاندان ان کی تبلیغ سے احمدیت میں داخل

ہوئے۔ تین جگہ ان کی کوششوں سے جماعتیں قائم ہوئیں۔ یعنی تلونڈی جھنگلاں، قلعہ گلانوالی، لوہ چپ۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ خاص محبت تھی۔ حضرت اماں جانؓ، حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ (خلیفہ ہونے سے قبل) اور دیگر افراد خاندان نبوت گاؤں میں ان کے ہاں تشریف لے جاتے رہے۔

(رجسٹر روایات صحابہ جلد 11 ص)

اسی سلسلہ میں مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب سابق آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ اپنے والد صاحب کے بارہ میں بیان کرتے ہیں:

(حضرت منشی امام الدین صاحب مرحوم) 1863ء میں اپنے آبائی گاؤں قلعہ درشن سنگھ تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور میں پیدا ہوئے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد محکمہ مال میں بطور پٹواری ملازم ہوئے۔ 1894ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کا شرف حاصل کیا۔ ملازمت سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد 1926ء میں باقاعدہ ہجرت کر کے قادیان آ گئے۔ اور یہیں مستقل رہائش شروع کر دی۔ کئی خاندان ان کی تبلیغ سے احمدیت میں داخل ہوئے۔ تین جگہ ان کی کوششوں سے جماعتیں قائم ہوئیں۔ یعنی تلونڈی جھنگلاں، قلعہ گلانوالی، لوہ چپ۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ خاص محبت تھی۔ حضرت ام المومنین، حضرت امیر المومنین (خلیفہ ہونے سے قبل) اور دیگر افراد خاندان گاؤں میں ان کے ہاں تشریف لے جاتے رہے۔

حضرت اقدسؑ کے دست مبارک پر بیعت

حضرت منشی صاحب 1894ء میں بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ چنانچہ آپ بیان کرتے ہیں:

''میں نے 1894ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک پر بیعت کی۔شام کی نماز کا وقت تھا۔اخویم منشی عبدالعزیز صاحب اوجلوی اور بھائی جمال الدین صاحب سیکھوانی مرحوم بھی میرے ساتھ تھے۔نماز سے فارغ ہونے کے بعد منشی صاحب موصوف نے میری طرف اشارہ کر کے عرض کیا۔حضور ان کی بیعت لے لیں۔حضور نے فرمایا۔اندر ہی آ جائیں۔جب میں اکیلا بیت الفکر کے اندر گیا۔تو حضور ایک چارپائی کی پائنتی کی طرف بیٹھ گئے اور مجھے چارپائی کے سرہانے بیٹھنے کا ارشاد فرمایا۔پہلے تو میں جھجکا مگر حضور نے بیعت لے لی۔حضور کا یہ برتاؤ دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔کہ کہاں وہ پیر جن کے برابر کوئی بیٹھ نہیں سکتا۔اور کہاں یہ پیر جسے اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود بنا کر بھیجا۔اپنے ایک ناچیز خادم کو چارپائی کے سرہانے بٹھاتا ہے۔اور خود پائنتی پر بیٹھتا ہے اخویم منشی عبدالعزیز صاحب گو گول کمرہ کے اندر تو داخل نہیں ہوئے تھے لیکن باہر سے یہ نظارہ دیکھ رہے تھے۔ان کو بھی یہ واقعہ ابھی تک یاد ہے۔

کیا حضرت مولوی نورالدین صاحب مہدی ہیں۔میرے دل میں ایسے ہی خیالات آ رہے تھے۔کہ حضور نے مسیح اور مہدی پر ہی تقریر شروع فرما دی۔جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کی ہدایت کے لئے مجھے مسیح اور مہدی بنا کر بھیجا ہے۔یعنی حضور مسلمانوں کے لئے آنحضرت ﷺ کے بروز میں مسیح موعود ہو کر آئے ہیں۔اور مسیح ناصری کے بروز میں مسیح موعود ہو کر ظاہر ہوئے ہیں۔حضرت اقدس نے یہ مسئلہ اس قدر وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا کہ میرے تمام شکوک رفع ہو گئے اور حضور کی مسیحیت اور مہدویت میخ کی طرح دل میں گڑ گئی۔

(رجسٹر روایات جلد 11،روایات حضرت منشی امام الدین صاحب پٹواری)

ظہور احمد کی پیدائش

آپ مزید بیان کرتے ہیں:

حضرت مسیح موعود کی وفات سے چند ماہ پہلے جب میرے لڑکے عزیز ظہور احمد کی پیدائش ہوئی تو میں موضع لوہ چپ سے جہاں میں ملازمت کے سلسلہ میں رہتا تھا۔ قادیان آیا تا کہ بچہ کا نام رکھاؤں۔ نماز کے بعد حضرت اقدس جلد ہی اندر تشریف لے گئے۔ میں نے شیخ حامد علی صاحب مرحوم سے کہا۔ کہ میں اس غرض سے آیا ہوں انہوں نے فرمایا میں ابھی حضور کو اطلاع کرتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے حضور کو اطلاع کر دی۔ اس اثنا میں مَیں نے دل میں خیال کیا کہ حضرت اقدس عام طور پر باپ کے نام پر بچہ کا نام رکھتے ہیں کیا ہی اچھا ہو کہ حضور اس بچہ کا نام میرے بڑے لڑکے نثار احمد کے نام پر تجویز فرماویں۔ میں اس خیال میں تھا اور اس کا ذکر دوستوں سے بھی کیا مگر انہوں نے بھی یہی کہا کہ حضور باپ کے نام پر لڑکے کا نام رکھتے ہیں۔ حافظ حامد علی صاحب نے حضور کو اطلاع دی حضور مسکراتے ہوئے باہر تشریف لائے اور مجھے لڑکے کی مبارکباد دی۔ میں نے پانچ روپے بطور نذرانہ پیش کئے۔ حضور نے فرمایا بچہ کا نام ظہور احمد رکھیں۔ مجھے اس سے بہت خوشی ہوئی اور خیال کیا کہ کس طرح اہل اللہ کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے صاف بنایا ہے کہ لوگوں کے دلوں کے خیالات ان پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ (رجسٹر روایات جلد 11، روایات حضرت منشی امام الدین صاحب پٹواری)

مقدمہ دیوار کی گواہی

ایک دفعہ کا ذکر ہے جب مرزا نظام الدین اور مرزا امام الدین نے مسجد مبارک کے نیچے دیوار کھینچ کر راستہ بند کر دیا۔ تو احمدیوں کو اس سے بہت تکلیف پیدا ہوگئی۔ جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عدالت میں چارہ جوئی کا ارشاد فرمایا۔ اس موقع پر مجھے اور اخویم منشی

عبدالعزیز صاحب اوجلوی کو بھی ارشاد فرمایا۔ کہ تم اپنے حلقوں میں سے ایسے ذی عزت لوگوں کی شہادتیں دلواؤ۔ جو دیوار کے گزرنے سے پہلے اس راستہ سے گزرتے ہوں۔ چنانچہ میں اپنے حلقہ سے فقیر نمبردار لوہ چپ کو قادیان لایا۔ کیونکہ یہاں ہی جیوری آئی ہوئی تھی۔ چنانچہ اس نے شہادت دی کہ بندوبست کے دنوں میں ہم یہاں آتے رہے ہیں اور اس راستہ سے گزرتے رہے ہیں۔ بعض دفعہ گھوڑوں پر سوار ہوا کرتے تھے۔ مرزا نظام الدین نے اس سے شہادت سے پہلے دریافت کیا کہ تم شہادت کے لئے آئے ہو۔ فقیر نمبردار نے جواب دیا ہاں۔ اس پر مرزا نظام الدین نے اس سے سخت کلامی کی جس کے جواب میں فقیر نے کہا کہ مرزا صاحب اگر آپ مجھے گالیاں دیں گے تو جب آپ ہمارے علاقہ میں شکار کے لئے نکلیں گے تو ہم اس سے بھی زیادہ سختی آپ سے کریں گے۔ جس پر وہ خاموش ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد مرزا نظام الدین جو کہ میرے پہلے سے واقف تھے۔ بوجہ ناراضگی ایک سال تک نہ بولے۔ ایک سال کے بعد میں اتفاقاً گورداسپور گیا ہوا تھا۔ اور عدالت کے باہر ایک عرضی نویس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں مرزا نظام الدین بھی آ گئے اور کہنے لگے۔ منشی صاحب آپ مجھ سے ناراض کیوں ہیں اور بولتے کیوں نہیں۔ میں نے کہا۔ میں آپ کے ساتھ اگر بات کروں اور آپ ہمارے آقا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان میں سخت کلامی کریں تو مجھے تکلیف ہوگی۔ کہنے لگے میں ان کو بزرگ سمجھتا ہوں ان کی وجہ سے مجھے بہت فائدہ پہنچا ہے۔ میں نے اپنے باغ کی لکڑی ہزاروں روپے میں فروخت کی ہے اور اب سبزی سے ہزاروں روپے کی آمد ہوتی ہے۔ ان کے یہ بھی الفاظ تھے کہ اب مجھے ولایت کی طرح آمد ہوتی ہے۔ میں نے کہا اگر آپ حضرت مسیح موعود کو بزرگ سمجھیں تو کب ناراضگی ہوسکتی ہے۔

(رجسٹر روایات جلد 11، روایات حضرت منشی امام الدین صاحب پٹواری)

سفر میں روزہ جائز نہیں

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف ایک مقدمہ زیر دفعہ 107 چلایا گیا۔ اس کی پیشی دھاریوال میں .D.C کی عدالت میں جو دورہ پر تھا۔ حضور علیہ السلام کا قیام کھنڈا متصل دہاریوال میں تھا جہاں حضور نمبردارنی ایشور کور کی درخواست پر ان کے ہاں مہمان تھے۔ میں جس وقت پہنچا حضور نے فرمایا میاں امام الدین آپ آ گئے۔ اچھا کھانا کھا لیں۔ میں نے عرض کی حضور میں روزہ سے ہوں حضور نے ارشاد فرمایا سفر میں روزہ جائز نہیں۔ روزہ کھول دیں۔ چنانچہ میں نے اسی وقت روزہ کھول دیا۔

(رجسٹر روایات جلد 11، روایات حضرت منشی امام الدین صاحب پٹواری)

مقدمہ دھاریوال

اس مقدمہ کی پیشی کے بعد جب حضور واپس قادیان تشریف لانے لگے تو حضور نے سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراسی کو ارشاد فرمایا۔ کہ آپ پالکی میں سوار ہو جائیں انہوں نے عرض کی حضور میں یکہ میں جاؤں گا۔ حضور پالکی میں تشریف لے جائیں۔ اس پر دوبارہ حضور نے فرمایا۔ سیٹھ صاحب آپ کو تکلیف ہو گی۔ آپ پالکی میں سوار ہو جائیں۔ مگر سیٹھ صاحب نے پھر وہی جواب دیا حضور کے تیسری بار ارشاد فرمانے پر سیٹھ صاحب نے پھر عرض کی۔ کہ حضور مجھے بالکل تکلیف نہ ہو گی حضور ہی پالکی میں تشریف لے جائیں حضور پالکی میں سوار ہو گئے۔ میں حضور کی پالکی کے ہمراہ تھا اور حضور سے گفتگو کا شرف حاصل کر رہا تھا۔ میں نے عرض کی حضور میاں محمد بخش تھانیدار (جس کے ایما اور رپورٹ پر مقدمہ چلا تھا) کہتا ہے کہ۔ مرزا اب میرا ہاتھ دیکھے گا۔ حضور نے فرمایا۔ امام الدین اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔
اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد جبکہ مجھے حضور کی اس گفتگو کا خیال بھی نہ رہا تھا۔ موضع بھا گی

ننگل میں ایک احمدی دوست کے ہاں چوری ہوگئی وہ میرے پاس آئے تا کہ پولیس کی معرفت چوری کا سراغ لگایا جائے۔ چنانچہ میں وڈالہ گرنتھیاں جہاں محمد بخش تھانیدار آیا ہوا تھا۔ گیا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ چند آدمی لوہا گرم کر کر کے پانی میں ٹھنڈا کر رہے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا کیا جا رہا ہے۔ محمد بخش صاحب نے جواب دیا کہ منشی صاحب میرے ہاتھ میں سخت درد ہو رہا ہے گو بظاہر زخم وغیرہ کوئی نہیں کسی نے کہا ہے کہ اگر ایسا پانی پیو گے تو آرام آ جائے گا ان کی یہ تکلیف اس قدر بڑھی کہ ان کو موت تک لے گئی۔ یہ واقعہ میں نے ان کے فرزند ارجمند سے جو خدا کے فضل سے مخلص احمدی ہیں اور جن کو حضرت مسیح موعود کا صحابی ہونے کا فخر حاصل ہے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا۔ کہ جب ان کے والد کی تکلیف بہت بڑھ گئی تو ڈاکٹروں نے مشورہ دیا تھا کہ ان کا ہاتھ کٹوا دیا جائے۔ مگر میں نے اس کی مخالفت کی اگر مجھے اس بات کا علم ہوتا تو میں ضرور ان کا ہاتھ کٹوا دیتا اور شاید وہ اس صورت میں بچ بھی جاتے۔

(رجسٹر روایات جلد 11، روایات حضرت منشی امام الدین صاحب پٹواری)

محکمہ پولیس اور محکمہ مال کے ملازمین

مجھے بیعت کئے ہوئے تقریباً ایک سال ہی ہوا تھا کہ اخویم منشی عبدالعزیز صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے کسی نے کہا۔ کہ محکمہ پولیس اور محکمہ مال کے تمام ملازمین بہت برے ہوتے ہیں۔ یعنی پبلک کو تنگ کرتے رہتے ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ ایسا نہیں کہنا چاہئے سارے کے سارے نہ ملازمین پولیس ایسے ہوتے ہیں۔ آخر میاں عبدالعزیز۔ میاں امام الدین اور میاں محمد الدین بھی محکمہ مال میں ہیں اور چوہدری رستم علی اور ایک اور دوست کا نام لیا۔ وہ محکمہ پولیس میں ہیں۔

(رجسٹر روایات جلد 11، روایات حضرت منشی امام الدین صاحب پٹواری)

حضرت اقدسؑ کی خدمت میں بکرا بھجوانا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں نے حضرت مسیح موعود کی خدمت میں بمقام لوہ چپ سے ایک بکرا چوکیدار کو دیکر بھیجا اس نے لا کر خادم کے سپرد کر دیا۔ اور وہ حضرت اقدس کے پاس لے گیا۔ چوکیدار خادم کے حوالہ کر کے بازار میں آ بیٹھا۔ حضرت صاحب کے حضور جب بکرا پہنچایا گیا تو حضور نے دریافت فرمایا۔ کون شخص لایا ہے۔ اور کس کی طرف سے۔ خادم نے کہا۔ لانیوالا شخص تو جا چکا ہے۔ حضور نے فرمایا اسے تلاش کرو۔ خادم تلاش کر کے چوکیدار کو حضرت صاحب کے پاس لے گیا۔ حضرت صاحب نے دریافت فرمایا۔ تو چوکیدار نے کہا لوہ چپ کے پٹواری صاحب نے بکرا بھیجا ہے۔ حضور نے یہ معلوم کر کے فرمایا۔ ہاں ہم انہیں خوب جانتے ہیں بکرا رکھ لیا جائے۔

(رجسٹر روایات جلد 11، روایات حضرت منشی امام الدین صاحب پٹواری)

حضرت اقدسؑ کی خدمت میں گھی پیش کرنا

میں عموماً گھر میں ایک دو بھینس ضرور رکھا کرتا تھا اور جب وہ دودھ دینا شروع کرتی تھیں تو پہلے چند دنوں کا گھی جمع کر کے برکت کے لئے قادیان لا کر حضور کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ زلزلہ کے دنوں میں جب حضور باغ میں تشریف رکھتے تھے۔ میں گھی لے کر آیا۔ حضور نے دریافت فرمایا۔ کون لایا ہے۔ عرض کیا گیا۔ منشی امام الدین لائے ہیں ۔حضور نے فرمایا ہم انہیں خوب جانتے ہیں گھی ایک مٹی کے برتن میں تھا۔ حضرت ام المومنین نے کہلا بھیجا کہ منشی امام الدین کو کہو کہ یہ برتن ہمیں پسند ہے اور ہم نے رکھ لیا ہے۔

(رجسٹر روایات جلد 11، روایات حضرت منشی امام الدین صاحب پٹواری)

جنازہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ اس مکان میں جو بڑے باغ میں ہے رکھا گیا تھا۔ وہاں حضور کا شبیہ مبارک بھی دکھایا گیا ایک دروازہ سے لوگ آتے اور دوسرے دروازہ سے گزرتے تھے۔ حضور کا جنازہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے بڑے باغ میں پڑھایا۔

(رجسٹر روایات جلد 11، روایات حضرت منشی امام الدین صاحب پٹواری)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے منشی امام دین صاحبؓ کو حضرت مولوی عبدالمغنی خان صاحب کا نائب فرمایا اور منشی صاحب کئی ماہ تک سارا سارا دن پیدل سفر کر کے تندہی سے کام کرتے رہے۔ (اصحاب احمد جلد اول صفحہ 104)

وفات حضرت منشی امام الدین صاحب

حضرت منشی صاحب جسمانی لحاظ سے خوب توانا اور مضبوط تھے۔ تمام دانت محفوظ تھے۔ عینک صرف پڑھتے وقت استعمال کرتے تھے۔ کئی کئی میل تک پیدل سفر کر لیتے تھے۔ آخر وقت تک باوجود بڑھاپے کے رمضان المبارک کے روزوں کے علاوہ نفلی روزے بھی رکھتے رہے۔ چنانچہ آپؓ نے اپنی زندگی کے آخری رمضان مبارک کے روزے بھی رکھے۔ وفات سے تین سال قبل آپ کو پیٹھ پر بڑا خطرناک کاربنکل ہوا۔ آپریشن ہونا تھا۔ آپ نے اس امر کو پسند کیا کہ بغیر کلوروفارم کے آپریشن کر دیا جائے۔ چنانچہ بڑی ہمت سے بغیر کلوروفارم کے آپریشن کرایا اور بیماری کا اچھی طرح سے مقابلہ کیا۔ آپ اس بیماری سے تو صحت یاب ہو گئے، لیکن اس کے بعد عام صحت اچھی نہ رہی۔ مرض الموت میں آپ

کے متعلق اخبار الفضل نے لکھا:

''منشی امام الدین صاحب مہاجر متوطن اوجلہ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی ہیں سخت بیمار ہیں۔دعائے صحت کی جائے۔''

(الفضل قادیان 27 جولائی 1939ء)

وفات سے قبل اکثر لوگ عیادت کے لئے آتے۔ ہر ایک سے یہی کہتے کہ اب کوئی خواہش نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام خوشیاں دکھائیں۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ خاتمہ بالخیر کرے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے انجام بخیر کیا۔ پہلے عام قطعہ صحابہ میں دفن کرنے کی تجویز تھی۔قبر تیار تھی اور میت کو قبر میں اُتارا جارہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک پرانے صحابی مکرم بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی (درویش) کے دل میں تحریک پیدا کی کہ چونکہ منشی صاحب قدیم صحابہ میں سے ہیں،اس لئے قطعہ خاص میں جگہ ملنی چاہئے۔ چنانچہ بھائی جی کے ذکر کرنے پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب دام فیضہم نے بعض اور پرانے صحابہؓ سے بھی شہادتیں لے کر پوری تحقیق کرنے کے بعد حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں دھرمسالہ تار دلوایا اور منظوری آنے پر قطعہ خاص صحابہ میں دفن کئے گئے۔

جنازہ میں تقریباً تمام بزرگان سلسلہ جو قادیان میں موجود تھے شامل ہوئے۔حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے میت کو کندھا دیا اور دفن کرنے کے بعد دُعا بھی کرائی۔

آپ کی وفات پر ذیل کا نوٹ 26 جولائی 1939ء کو اخبار الفضل میں شائع ہوا۔

''افسوس منشی امام الدین صاحب مہاجر وفات پا گئے۔انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور مرحوم مقبرہ بہشتی کے قطعہ صحابہ میں دفن کئے گئے۔احباب بلندی درجات کے لئے دعا کریں۔''

حضرت منشی صاحب کی اہلی زندگی

حضرت منشی صاحب کی شادی محترمہ کریم بی بی صاحبہ بنت میاں امام الدین صاحب قوم ارائیں سکنہ اوجلہ (ضلع گورداسپور) سے ہوئی تھی۔ جنہوں نے اپنے خاوند کی تبلیغ سے ان کے چھ سات ماہ بعد 1894ء میں ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کی تھی۔ جیسا کہ بیان کا جاچکا ہے کہ آپ کے بیٹے نثار احمد اور ظہور احمد کا نام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رکھا تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے تحریر فرماتے ہیں:

''منشی امام الدین صاحب سابق پٹواری حال محلّہ دارالرحمت قادیان نے مجھ سے بذریعہ تحریر بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فراست دی گئی تھی کہ حضور علیہ السلام کو بعض دفعہ دوسرے شخص کی دل کی بات کا علم ہو جایا کرتا تھا۔ جس وقت میرا لڑکا ظہور احمد پیدا ہؤا تو میں قادیان آیا۔ مسجد مبارک میں چند دوست بیٹھے تھے۔ میں نے ان سے ذکر کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے لڑکے کا نام حضور میرے بڑے لڑکے نثار احمد کے نام پر رکھیں۔ لیکن میرا بھی یہی خیال تھا اور دوسرے احباب نے بھی کہا کہ حضورؑ عموماً والد کے نام پر بچہ کا نام رکھتے ہیں اس لئے غالباً اب بھی حضورؑ ایسا ہی کریں گے۔ حافظ حامد علی صاحب نے حضورؑ کو میرے آنے کی اطلاع دی اور بچہ کی پیدائش کا بھی ذکر کیا۔ حضورؑ مسکراتے ہوئے باہر تشریف لائے اور مجھے مبارکباد دی اور فرمایا کہ اس کا نام ظہور احمد رکھیں۔''

(سیرت المہدی حصہ سوم روایت: 506)

آپ کے اوصافِ حمیدہ:

والدہ چوہدری ظہور احمد صاحب کی زندگی کا بڑا حصہ دیہات میں ہی گذرا،اس وجہ سے آپ نے بہت سادہ طبیعت پائی تھی۔لیکن دوخوبیاں بہت نمایاں تھیں۔ایک صفائی کا خیال اور دوسرے مہمان نوازی۔آپ گھر بار کی صفائی کا بہت خیال رکھتیں۔گاؤں کی مستورات بوجہ احترام روزانہ گھر کا کام کاج کر جاتیں۔لیکن اس کے باوجود آپ گھر کی صفائی بسا اوقات اپنے ہاتھ سے بھی کرتیں۔گھر کی تمام چیزیں ایک قرینہ سے رکھی ہوتیں۔برتن خوب صاف کر کے اور چمکا کر لائینوں میں قرینہ سے رکھے جاتے اور دوسرا سامان بھی مقررہ جگہوں پر ہوتا۔

مہمان بڑی کثرت سے آتے رہتے تھےاوران کے شایانِ شان خاطر ومدارات کرتیں۔ عموماً گھر میں بھینس رکھی ہوتی تھی۔دودھ اور گھی ہر وقت موجود رہتا تھا۔گھر میں مرغیاں بھی پالی جاتیں،اس طرح انڈے اور مرغ بھی موجود ہوتے۔اورآنے والے مہمانوں کی حسب حیثیت انہی چیزوں سے خاطر مدارات کی جاتی۔اورمہمانوں کے وقت بے وقت آنے سے نہ کبھی گھبراہٹ ہوتی اور نہ غیر معمولی خرچ کرنا پڑتا۔

دیہات میں یہ طریق رائج ہے کہ مہمان اپنا بستر ساتھ نہیں لے جاتے۔صاحب خانہ کا فرض ہوتا ہے کہ تمام مہمانوں کے لئے حسب حیثیت بستر مہیا کرے۔اس لئے تمام دیہاتی شرفاءاس کا اہتمام رکھتے ہیں۔آپ کے ہاں بھی بڑی تعداد میں زائد بستر موجود رہتے تھے۔ جن میں اضافہ ہوتا رہتا۔سارا سال آپ اور دیگر گھر میں آنے والی دیہاتی مستورات گھر میں چرخے پر سُوت کات کر تیار کر کےان سے لحاف اورتوشک کا کپڑا،دوتہیاں اور کھیس تیار کراتی رہتیں اوراس طرح بغیر کسی زیادہ خرچ کے نئے بستر تیار ہوتے رہتے اور شادیوں وغیرہ کے مواقع پر یہی چیزیں تحائف کےطور پر بھی استعمال میں لائی جاتیں۔

میاں بیوی دونوں کا اخلاص:

منشی صاحب اور آپ کے اہلبیت دونوں کو خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت محبت اور اخلاص تھا۔ اور اس خاندان کی طرف سے بھی ان پر نوازشات ہوتی تھیں۔ چنانچہ لوہ چپ جہاں دورانِ ملازمت میں آپ کا قیام رہا ایک معمولی گمنام گاؤں ہے۔ خوش قسمتی دیکھئے کہ ان کو یہ شرف حاصل ہؤا کہ محض انہیں ملنے کے لئے مختلف اوقات میں حضرت ام المومنین اطال اللہ بقاء ھا، خلافت سے قبل حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ) حضرت اماں جی حرم حضرت خلیفۃ المسیحؓ الاوّل، حضرت سیدہ ام ناصر احمد صاحب اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض دیگر افراد اور بزرگان سلسلہ ان کے گھر تشریف لائے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں نذرانہ پیش کرنا

حضرت منشی صاحب اور حضرت مولوی رحیم بخش صاحب رضی اللہ عنہما کی کوششوں سے تلونڈی جھنگلاں میں ایک احمدیہ پرائمری سکول جاری ہؤا۔ منشی صاحب اس وقت سکول کے مینیجر تھے۔ خلافتِ اولیٰ کے زمانہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز) سکول کے معائنہ کے لئے تلونڈی جھنگلاں تشریف لے گئے۔ واپسی پر حضورؓ نے یہ پسند نہ فرمایا کہ راستہ میں ان کا ایک خادم رہتا ہو اور حضور اُسے اپنی تشریف آوری سے نہ نوازیں۔ چنانچہ حضور موضع لوہ چپ میں منشی صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے۔ منشی صاحب کے اہل بیت بیان کرتے تھے کہ حضور کی تشریف آوری کا علم نہ تھا۔ منشی صاحب گھر پر موجود نہ تھے۔ میں نے حضور کو کچھ نذرانہ پیش کرنا چاہا لیکن اتفاقاً گھر میں کوئی نقدی موجود نہ تھی۔ میں نے گوارا نہ کیا کہ حضور اپنے خادم کے گھر

تشریف لائیں اور وہ اپنی محبت اور اخلاص کا ثبوت نہ دے۔ ہمارے گھر میں چاندی کے زیور اور چیزیں موجود تھیں میں نے اُن میں سے ایک چیز چاندی کی حضور کے پیش کر دی اور حضور نے اُسے قبول فرما لیا۔

حضرت اماں جان والدہ چوہدری ظہور احمد صاحب کو جلدی جلدی قادیان آنے کی تاکید فرماتیں۔ چنانچہ آپ اس کی تعمیل کرتیں۔ جب قادیان جاتیں حضرت اماں جان بڑی محبت اور شفقت سے گلے لگا کر ملتیں۔ ان کے قیام وطعام کا انتظام بھی الدار میں ہی ہوتا۔ آپ بیان کرتی تھیں کہ ایک دفعہ میں قادیان گئی ہوئی تھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام صحن میں ایک چارپائی پر بیٹھے تصنیف میں مصروف تھے۔ میرا بیٹا نثار احمد اس وقت بالکل چھوٹا تھا اور پاس ہی فرش پر کھیل رہا تھا۔ اسی اثناء میں حضورؑ کے لئے وہیں کھانا لایا گیا۔ حضورؑ نے نہایت شفقت سے اُسے بُلا کر اپنے پاس بٹھالیا' اور اپنے ہاتھ سے اپنے کھانے میں سے اُسے بھی کھانا دیا۔

آپ کا یہ طریق تھا کہ کچھ گھی صاف تیار کر کے اُسے مٹی کے برتن میں ڈال کر حضرت اقدسؑ کے لئے بطور تحفہ لے جاتیں اور حضرت ام المومنین کے حضور پیش کر دیتیں۔ اسی طرح کبھی مرغیاں اور بادام پستہ وغیرہ ڈالا ہوا گُڑ بھی لے جاتیں۔ حضورؑ اُسے بڑی خوشی سے قبول فرماتے۔ قیمت کے لحاظ سے یہ چیزیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں' لیکن جس اخلاص اور محبت سے ان کا اہتمام کیا جاتا اس کا اندازہ ہر شخص نہیں کر سکتا۔

حضرت اماں جان کی طرف سے شادی میں شرکت کیلئے دعوت:

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ سلمھا اللہ تعالیٰ کی شادی کے موقعہ پر حضرت ام المومنین ؓ...... نے حجام کو (جیسا کہ پہلے شادیوں کے مواقع پر دستور ہوتا تھا۔) دعوت نامہ دیکر والدہ

چوہدری ظہور احمد صاحب کے پاس بھجوایا کہ بچوں سمیت شادی میں شریک ہوں۔ چنانچہ آپ کو اس شادی میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

خدمتِ خلق کا جذبہ:

آپ کے اندر خدمتِ خلق کا جذبہ بھی بہت نمایاں تھا۔ دیہات کی محتاج عورتوں اور غریب بچوں کی ہمیشہ امداد کرتی تھیں۔ گھر میں ایک چھوٹا سا ہسپتال کھول رکھا تھا جس کی کل کائنات صرف چند دوائیں تھیں۔ انہیں سے عورتوں اور بچوں کے امراض کا علاج کرتیں۔ آنکھوں میں ڈالنے کا لوشن، ٹنکچر آیوڈین، امرت دھارا کی قسم کی ایک دوائی، سرکہ، اجوائن، کونین کی گولیاں اور میگ سلفاس اور ایک آدھ دوائی ممکن ہے اور بھی ہوتی ہو۔ صبح سویرے ہی دیہات کی عورتیں اپنے بچوں وغیرہ کو لے کر آنا شروع ہو جاتیں۔ اور یہ شغل ایک دو گھنٹے جاری رہتا۔ عام عورتیں تو جانتی ہی تھیں کہ وہ یہ سب کچھ خدمت خلق کے جذبہ کے ماتحت کرتی ہیں' لیکن اگر کوئی ناواقف عورت کبھی دوائی کی قیمت پیش کرتی تو آپ اُسے بہت ناپسند کرتیں۔

تعلیم قرآن مجید کا انتظام

گھر میں چھوٹا سا مدرسہ بھی جاری تھا۔ گاؤں کے چھوٹے بچے اور بعض مستورات بھی قرآن مجید پڑھنے کے لئے آتیں۔ پہلے انہیں قاعدہ اور پھر قرآن مجید پڑھایا جاتا۔ یہ قاعدے اور قرآن مجید منشی صاحب کی طرف سے بلا قیمت مہیا کئے جاتے۔ لیکن جب کوئی قرآن مجید ختم کرتا' تو اُسے تاکید کی جاتی کہ قادیان سے قیمتاً قرآن مجید منگوا کر گھر میں رکھو اور پڑھتے رہو۔

چندہ میں مداومت

آپ روزانہ استعمال کے لئے کچھ نقدی کسی رومال میں باندھ کر اپنے پاس ہر وقت رکھتی تھیں۔ جب جمعہ کی نماز کے لئے گھر سے جانے لگتیں تو اس میں سے دو پیسے نکال کر اس رومال کے ایک کونے میں باندھ لیتیں۔ اور مسجد میں جا کر صندوقچی میں جو مسجد کی ضروریات کے لئے چندہ کی غرض سے مسجد میں رکھی ہوتی ہے یہ دو پیسے ڈال دیتیں۔ اور اس میں اس قدر باقاعدہ تھیں کہ درمیان میں کچھ عرصہ صندوقچی کا انتظام بند بھی ہو گیا پھر بھی وہ اپنے دو پیسے کارکنات لجنہ اماء اللہ کو ادا کر آتیں۔

جس وقت حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مسجد لنڈن کے لئے مستورات میں چندہ کی تحریک فرمائی، تو آپ کے پاس کافی زیور موجود تھے۔ آپ نے غالباً صرف ایک زیور اپنی والدہ مرحومہ کی نشانی کے طور پر رکھ کر بقیہ سارا زیور اپنی خوشی سے پیش کر دیا۔ جس وقت آپ گھر سے زیور بھجوانے لگیں تو چاندی کا زیور ترازو میں سیروں کے حساب تولا تھا۔ اور تولنے کے بعد بہت خوش ہوئیں کہ اس کا اتنا وزن ہوا ہے' اور بہت ہی خوشی سے اُسے پیش کیا۔

وصیت کی دوہری ادائیگی:

آپ موصیہ تھیں اور وصیت کے تمام چندوں کا حساب بہت اہتمام سے کر کے اپنی زندگی میں ہی ادا کر دیا تھا۔ حصہ جائیداد کی رقم ایک دفعہ ادا کی لیکن دفتر کی غلطی سے ساری رقم کسی اور مدّ میں داخل ہو گئی۔ ایک عرصہ کے بعد اس غلطی کا پتہ چلا۔ اس کا ازالہ کاغذات میں درستی کے ذریعہ بآسانی ہوسکتا تھا لیکن آپ نے اُسے پسند نہ کیا کہ اگر غلطی سے بھی دوسرے چندہ میں رقم داخل ہو گئی ہو تو اُسے وہاں سے دوسری مَد میں تبدیل کیا جائے۔ چنانچہ پھر

دوبارہ وصیت کا چندہ داخل کر دیا۔

قادیان سے ہجرت کے بعد ربوہ میں اقامت

دیگر صحابہ اور صحابیات کی طرح آپ کو بھی قادیان سے ہجرت کا بہت صدمہ تھا۔ اور باوجودیکہ آپ کی ساری اولاد کوشاں تھی کہ آپ کو ہر طرح سے آرام پہنچے۔ آپ کی صحت دن بدن گرتی گئی۔ حالانکہ آپ کے دو داماد اور ایک نواسہ ڈاکٹر ہونے کی وجہ سے آپ کو ساری طبی سہولتیں میسر تھیں۔ لیکن ہجرت کے صدمہ کی وجہ سے آپ کی کمزوری بڑھتی ہی گئی۔ جب ربوہ کا مرکز 1948ء میں قائم ہوا تو آپ کو یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ آپ کے بیٹے چوہدری ظہور احمد صاحب کو بوجہ کارکن صدر انجمن احمدیہ ہونے کے وہاں رہائش رکھنے کا موقعہ ملا ہے اور جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ موصیوں کے لئے ایک خاص قبرستان بنایا جا رہا ہے، تو آپ 1948ء میں ہی اصرار کر کے ربوہ چلی گئیں، حالانکہ وہاں آپ کو وہ سہولتیں میسر ہونے کا امکان نہ تھا جو دوسری جگہ حاصل تھیں۔

وفات

اہلیہ حضرت منشی صاحب 7 نومبر کو صبح ایک بجے کے قریب اپنے مولائے حقیقی سے جا ملیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی تاریخ ولادت محفوظ نہیں ہے۔ اندازاً آپ کی عمر بوقت وفات اسی سال تھی۔ آپ کی خواہش تھی کہ آپ کا جنازہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ العزیز پڑھائیں۔ آپ کی اس خواہش کو بھی اللہ تعالیٰ نے عجیب رنگ میں پورا کیا۔ 5 نومبر کو آپ کی طبیعت یکدم سخت خراب ہوگئی۔ اقارب کو جو چند روز پہلے ہی اس وجہ سے واپس چلے گئے تھے کہ آپ کی طبیعت رُوبصحت معلوم ہوتی تھی، تار دیئے گئے۔ حضرت

امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اس وقت لاہور میں قیام فرما تھے۔ 6 نومبر کی شام کو طبیعت پھر سنبھل گئی اور 7 نومبر کی رات کو طبیعت اچھی تھی۔ وفات سے پانچ منٹ قبل تک آپ اپنی بہو اہلیہ چوہدری ظہور احمد صاحب سے باتیں کرتی رہیں۔ 7 نومبر کو خدا تعالیٰ کی رحمت کا خاص تصرف ہوا اور عین اس وقت جب کہ آپ کا جنازہ قبرستان کے قریب پہنچا تو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ ربوہ تشریف لے آئے۔ گویا آپ کی وفات کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت تک روکے رکھا۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ ربوہ پہنچتے ہی قبرستان تشریف لے گئے اور نماز جنازہ پڑھائی۔

مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب کو سب سے پہلا تعزیتی خط حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی طرف سے موصول ہوا۔ اور ربوہ میں سب سے پہلے آپ کے مکان پر تعزیت کیلئے جو بزرگ تشریف لائے وہ بھی خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک فرد تھے۔ اسی طرح اس خاندان کے دیگر افراد نے بھی ہمدردی کا اظہار فرمایا۔

(اصحاب احمد جلد ششم صفحہ 111 تا 128 سے ماخوذ)

فصل دوم

تعارف بزرگانِ خاندان

سلسلہ احمدیہ کو یہ ایک امتیازی نشان حاصل ہے کہ کوئی بھی ایسا خاندان نہیں جس میں نہ صرف احمدیت کی برکت سے ذات پات کی رسمیں توڑی ہیں بلکہ تقویٰ کے بلند معیار بھی قائم کئے ہیں۔اور جب بھی کسی ایک بزرگ کے سوانح لکھنے کی کوشش کی جاتی ہے تو اس بزرگان کے تانے بانے کئی بزرگان سے ملتے جن کے ذکر بغیر ایک شخصیت کے سوانح مکمل نہیں ہوتے۔انہی اوصاف کے حامل حضرت چوہدری ظہور احمد صاحب اور آپ کا خاندان ہے۔حضرت مولوی امام الدین صاحب پٹواری اور حضرت چوہدری ظہور احمد صاحب کے خاندان میں کئی بزرگان سلسلہ گزرے ہیں۔ جیسے حضرت منشی عبدالعزیز صاحب اوجلویؓ، حضرت بابا حسن محمد موصی نمبر 1، حضرت مولانا رحمت علی صاحب مبلغ انڈونیشیا، حضرت مولوی محمد دین صاحب، حضرت بھائی محمود احمد صاحب اور کئی دیگر بزرگان۔

مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب کا خاندان جماعت کے مخلص اور قدیم ترین خاندانوں میں سے ہے ان کے والد اور ماموں کا ذکر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں موجود ہے۔ اسی طرح سلسلہ کی دوسری کُتب میں بھی۔ ان کے ماموں حضرت مُنشی عبدالعزیزؓ صاحب اوجلوی حضرت اقدسؑ کے 313 صحابہ سے تھے۔جیسا کہ بیان کیا گیا کہ ان کے ایک ماموں حضرت بابا حسن محمدؓ صاحب معروف صحابہ میں سے تھے جو حضرت مولوی رحمت علیؓ صاحب مبلغ انڈونیشیا کے والد تھے۔اسی طرح مولانا عبدالرحیم صاحب

دردؓ بھی ان کے عزیزوں میں سے تھے۔ان کے قریبی عزیزوں میں سے حضرت مولوی محمد دین صاحب صدر انجمن احمدیہ کے صدر رہے۔حضرت مولوی نذیر احمد صاحب مبشّر مبلغ سلسلہ اور سابق نائب وکیل التبشیر بھی آپ کے عزیزوں میں سے تھے۔

اسی طرح مکرم چوہدری احمد جان صاحب امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی (نائب وکیل المال تحریک جدید) آپ کے عزیزوں میں سے تھے۔مکرم حافظ مسعود احمد اور حضرت مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری بھی ہمیشہ سلسلہ کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔اللہ تعالیٰ ان جملہ بزرگان سلسلہ کے درجات بلند فرمائے۔ان بزرگان سلسلہ میں بعض کا تعارف پیش ہے۔

حضرت چوہدری نثار احمد صاحبؓ

آپ مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب کے بڑے بھائی تھے۔ان کا نام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے رکھا۔جیسا کہ حضرت منشی امام الدین صاحب کی بعض روایات والدہ نثار احمد'' کے نام سے بیان کی گئی ہیں۔ان سے مراد یہی ہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کا عطا کردہ تبرک کھانا

حضرت منشی امام الدین صاحبؓ بیان کرتے ہیں:

''ایک مرتبہ میری اہلیہ قادیان آئیں۔مولوی رحیم بخش صاحب مرحوم ساکن تلونڈی جھنگلاں کی اہلیہ بھی ساتھ تھیں۔واپسی پر میری اہلیہ نے مجھ سے بیان کیا۔کہ جب ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مکان پر پہنچیں اور اندر داخل ہونے لگیں تو حضرت صاحب تمام خاندان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرمار ہے تھے۔ہم جلدی سے واپس ہو گئیں۔حضرت صاحب نے دریافت فرمایا۔کون ہیں۔عرض کیا گیا کہ مولوی رحیم بخش صاحب ساکن تلونڈی کی اہلیہ ہیں اور دوسری منشی امام الدین صاحب پٹواری لوہ چپ کی اہلیہ ہیں۔حضور نے اندر بلا لیا ان دنوں میری اہلیہ کی گود میں عزیزم نثار احمد تھا۔حضور نے اپنے کھانا سے ایک برتن میں کچھ کھانا ڈال کر دیا۔میری اہلیہ کو کہا کہ لو یہ کھانا بچے کو کھلاؤ۔ایسا ہی کئی مرتبہ ہوا جب کبھی بھی اہلیہ ام کھانا پر پہنچیں حضور نے بچہ کے لئے کھانا دیا اور یہ حضور کی ذرہ نوازی تھی کہ اپنے مریدین سے ایسی شفقت

فرماتے تھے۔''

(رجسٹر روایات جلد 11، روایات حضرت منشی امام الدین صاحب پٹواری)

حضرت اقدسؑ کے جنازہ میں شمولیت

حضرت منشی امام الدین صاحبؓ بیان کرتے ہیں:

''میرا یہ قاعدہ تھا کہ فرصت کے وقت میں لوہ چپ سے نہر کے اس پل پر جو بٹالہ کی سڑک ہے آ کر بیٹھ جاتا تھا تا کہ قادیان سے آنے جانے والے دوستوں سے ملاقات ہو سکے۔ ایک دفعہ عصر کے قریب میں پل پر آ کر بیٹھا تھا کہ بٹالہ کی طرف سے ڈاک کا ہرکارہ جس کا نام بنی تھا آیا میں نے اس سے دریافت کیا کہ آج بے وقت قادیان کیوں جا رہے ہو۔ اس نے کہا۔ تار لایا ہوں۔ مرزا صاحب فوت ہو گئے ہیں۔ اس وقت میری جو حالت ہوئی۔ وہ بیان سے باہر ہے۔ میں نے اسے کہا۔ تم بکواس کرتے ہو اور اسے سخت سست بھی کہا۔ کیونکہ مجھے یقین نہ آتا تھا۔ کہ حضور فوت ہوئے ہیں لیکن اس نے مجھے تار کا لفافہ دکھایا اور حلفاً کہا کہ وہ سچ کہہ رہا ہے میں اسی وقت گھر واپس آیا میری حالت بہت خراب تھی آہستہ آہستہ گھر پہنچا اور یہ خبر سنائی سب کو سخت صدمہ ہوا۔ اس دن ہمارے ہاں نہ کھانا پکا اور نہ ہی کسی نے کچھ کھایا۔ دل میں سخت بے چینی تھی میں گھر سے نکلا اور موضع تلونڈی جھنگلاں روانہ ہو گیا جہاں خدا کے فضل سے ایک بڑی جماعت قائم ہو چکی تھی۔ وہاں دوستوں کو یہ خبر سنائی سب کو بہت صدمہ ہوا۔ دوسرے دن صبح میں پل پر جا کر جنازہ کا انتظار کرنے لگا تلونڈی کے دوست وڈالہ گرنتھیاں پہنچ چکے تھے۔ میرے گھر سے بھی پل پر گئے ہوئے تھے حضور کی وفات کا صدمہ بچوں تک کو تھا۔ میرا بڑا لڑکا نثار احمد اس وقت چھوٹا تھا جب صبح اس کی

والدہ روانہ ہوئیں تو اسے گاؤں میں ہی چھوڑ آئیں۔ جب اسے علم ہوا تو وہ باوجود چھوٹی عمر کے ننگے سر ننگے پاؤں ان کے پیچھے بھاگ آیا۔ جس وقت جنازہ آیا تو میں بھی ساتھ شامل ہو گیا۔ اور جنازہ کے ساتھ قادیان آیا لوگ بالکل دیوانہ ہو رہے تھے۔ اور کندھا دینے کے لئے ہر شخص کوشش کرتا تھا۔ اس کوشش میں پاؤں بھی زخمی ہو رہے تھے۔ مگر کسی کو اس کی پرواہ نہ تھی۔

(رجسٹر روایات جلد 11، روایات حضرت منشی امام الدین صاحب پٹواری)

خودنوشت

حضرت چوہدری نثار احمد صاحب اپنی خودنوشت میں تحریر کرتے ہیں:

یہ عاجز تقریباً ساٹھ سال قبل حضرت مسیح موعود کے ایک مخلص اور دیرینہ خادم کے گھر پیدا ہوا۔ میرے والد صاحب کا نام حضرت منشی امام الدین صاحب تھا۔ انہوں نے 1894 کے اوائل میں حضرت اقدس کی بیعت کی تھی......اور ہماری والدہ محترمہ کے حالات زندگی بھی درج ہیں۔ اور تاریخ احمدیت میں بھی 1894ء کے بیعت کرنے والوں میں بھی آپ کا نام درج ہے۔ طفولیت کے ایام اپنے گاوں جہاں پر والد صاحب سرکاری ملازمت کے سلسلے میں متعین تھے گزارے۔ بچپن میں بندہ اپنی والدہ کے ہمراہ حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور ہر جمعہ کو تو تقریباً باقاعدگی سے حاضر ہوتے۔ اور جب رات ٹھہرنا ہوتا تب بھی دیارِ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حضرت ام المومنین کے زیر سایہ ہی قیام ہوتا۔

حضرت اقدسؑ کا عطا کردہ لقمہ کھانا

حضرت والدہ محترمہ نے بھی 1894ء میں ہی بیعت کر لی تھی۔ کیونکہ ان کے بھائی یعنی

ہمارے ماموں حضرت منشی عبدالعزیز صاحبؓ جو حضرت اقدس کے خاص الخاص فدائیوں میں سے تھے، وہ غالباً 1892ء میں ہی بیعت کر چکے تھے۔ حضرت والدہ صاحبہ سنایا کرتی تھیں کہ ایک دفعہ آپ حضرت اقدس کے گھر قیام پذیر تھیں۔ حضور تصنیف کا کام کر رہے تھے۔ اس اثنا میں کھانے کا وقت ہو گیا اور آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا۔ جو آپ چار پائی پر بیٹھ کر کھا رہے تھے۔ یہ خاکسار جو اس وقت دو تین سال کا ہو گا۔ کھیلتے کھیلتے ادھر آ نکلا۔ حضور نے بڑی شفقت سے خاکسار کو پاس بلایا اور اپنے دستِ مبارک سے اپنے کھانے میں سے کھانا اس عاجز کو عطا فرمایا۔ یہ عاجز سمجھتا ہے کہ ایک امام اور نبی وقت کے ہاتھ کا دیا ہوا ایک لقمہ دنیا کے شہنشاہوں کی دی ہوئی لاکھوں بڑی بڑی نعمتوں سے بدرجہا بہتر اور افضل ہے۔

پھر حضرت والدہ صاحبہ سناتی تھیں کہ ایک دفعہ حضرت اقدس کسی مقدمہ کے سلسلہ میں گورداسپور مقیم تھے۔ میری والدہ ان دنوں اپنے گاؤں اوجلہ جو گورداسپور سے میل ڈیڑھ میل کے فاصلے پر تھا، مقیم تھیں۔ ہمارے ماموں حضرت منشی عبدالعزیز صاحب گورداسپور حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر رہتے تا حضور کی خدمت انجام دے سکیں۔ والدہ محترمہ نے غالباً ان سے اشتیاق ظاہر کیا ہو گا کہ اگر وہ گورداسپور جائیں تو حضور سے ان کی ملاقات کروا دیں۔ چنانچہ والدہ محترمہ کی روایت تھی کہ آپ ایسے وقت حضور کے کمرہ میں حاضر ہوتیں۔ جب صرف میرے ماموں صاحب حضور کو چار پائی پر لیٹے ہوئے دبا رہے ہوتے۔ حضرت والدہ صاحبہ نے اندر داخل ہو کر سلام عرض کیا اور اس خاکسار کو بھی جو اس وقت پانچ چار سال کا تھا یہ سکھایا گیا ہو گا کہ حضور کو جا کر سلام کس طرح کرنا ہے۔

مہندی جی السلام علیکم

چنانچہ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ میں نے اندار داخل ہو کر اپنی بچوں والی زبان میں ہی اونچی آواز سے حضور کو مخاطب کر کے مندرجہ ذیل الفاظ میں سلام عرض کیا۔ مہندی جی السلام علیکم۔ یعنی حضرت مہدی زمان السلام علیکم۔ اس پر حضور نے ذرا سر اٹھایا اور مسکرائے اور حضرت ماموں صاحبہ سے پوچھا کہ یہ کون بچہ ہے۔ آپ نے حضور سے عرض کیا کہ یہ بچہ میرے بہنوئی حضرت منشی امام الدین کا ہے۔ اور یہ خادمہ یعنی میری والدہ میری بہن ہیں جو حضور کی زیارت کے لیے اوجلہ سے حاضر ہوئی ہیں۔ اس پر حضور خوش ہوئے۔

اس سلسلہ میں حضرت منشی امام الدین صاحب پٹواری بیان کرتے ہیں:

حضرت منشی صاحب بیان کرتے ہیں کہ والدہ نثار احمد نے بیان کیا کہ ان دنوں میں جبکہ مارٹن کلارک والا مقدمہ گورداسپور میں چل رہا تھا۔ حضرت ام المومنین بھی گورداسپور میں تھیں۔ اوجلہ متصل گورداسپور سے چند مستورات حضور کی زیارت کے لئے آئیں۔ والدہ نثار احمد بھی ساتھ تھیں۔ عزیز نثار احمد اس وقت چھوٹا سا تھا اور اپنی والدہ کے ساتھ تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے حضور کو مخاطب کر کے کہا۔ مہدی جی۔ السلام علیکم۔ پہلی دفعہ حضور نے نہ سنا۔ دوسری بار پھر اس نے ایسا ہی کہا۔ حضور مسکرائے اور سلام کا جواب دیا۔

حضرت ام المومنین نے فرمایا۔ اس بچہ کو پتہ ہے کہ آپ مہدی ہیں حضور نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کے نبی آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو خود بخود القا کرتا ہے اور بچوں پر بھی القا کرتا ہے۔

(رجسٹر روایات جلد 11 روایات حضرت منشی صاحب)

ابتدائی تعلیم اور قادیان آمد

ابتدائی تعلیم یعنی پرائمری تک موضع تلونڈی جھنگلاں کے پرائمری سکول میں حاصل کی جو تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کی دوشاخوں میں سے ایک تھا اور جس کی ابتداء کرنے کا حضرت والد صاحب کو فخر حاصل تھا۔ اور غالبا وہی سکول کے پہلے منیجر مقرر ہوئے دوسرا پرائمری سکول جو تعلیم الاسلام ہائی سکول کا ضمیمہ تھا وہ موضع سیکھوانی میں حضرت سیکھوانی برادران کے ہاتھوں معرض وجود میں آیا تھا۔ تلونڈی جھنگلاں سے پرائمری پاس کرنے کے بعد قادیان دارالامان میں آ کر تعلیم الاسلام ہائی سکول میں داخلہ لیا ور یہیں سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ قادیان کی تعلیم کے دوران بندہ کو یہ فخر بھی حاصل ہوا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی شاگردی آٹھویں جماعت میں نصیب ہوئی اور حضرت صاحبزادہ صاحب کو اپنے شاگرد اس وقت تک یاد تھے۔

چنانچہ 1961ء کو میری بڑی لڑکی عزیزی آنسہ اپنی ساس اہلیہ چوہدری احمد جان صاحب امیر جماعت راولپنڈی کی معیت میں آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئی تو اسے نہایت مشفقانہ رنگ میں فرمانے لگے کہ تمہیں شاید علم نہ ہو میں تمہارے باپ کا استاد ہوں۔ طالب علمی کے زمانہ میں اور اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے خدمات سلسلہ کی بھی حقیر سی خدمت کی توفیق عطا فرمائی۔

1924ء کے آخر میں اور غالبا 1925ء کے وسط تک الفضل میں کچھ دیر کے لیے ایکٹنگ ایڈیٹر اور پھر اسسٹنٹ ایڈیٹر کے طور پر کام کرنے کی توفیق ملی۔ چنانچہ اس وقت کے الفضل کے پرچوں میں ایڈیٹر کا نام حافظ جمال احمد سابق مبلغ ماریشیس جو ماریشس میں ہی فوت ہوئے اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔ اور اسسٹنٹ ایڈیٹر کا نام نثار احمد دیا جاتا رہا۔ الفضل میں باقاعدہ کام کرنے کے علاوہ خاکسار کثرت سے دینی مضامین الفضل میں دیتا رہتا تھا۔

سفر یورپ کی رپورٹنگ

1924ء کے وسط میں جب حضور انگلینڈ تشریف لے گئے تو حضور کے قافلہ میں حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی اور حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانیؓ جیسے بلند پایہ رپورٹر بھی شامل تھے۔ اور حضرت بھائی صاحب نے تو خاص طور پر تازہ سے تازہ اور جلد سے جلد رپورٹیں بھیج کر جماعت کو حضور کے سفر کے حالات سے آگاہ کیا تھا۔ لیکن بمبئی سے جہاز کی روانگی کی سب سے پہلی رپورٹ جو الفضل میں شائع ہوئی تھی وہ اس خاکسار کی ارسال کردہ تھی۔ اور جماعت کے بیشتر احباب نے اس مختصر رپورٹ کو بہت پسند کیا اور سراہا۔ اور مجھے قادیان واپس آنے پر مبارک باد دی۔ بندہ ان دنوں کسی نجی کام کے سلسلہ میں بمبئی میں مقیم تھا۔ اسی وجہ سے حضور کو جہاز پر الوداع کہنے کا بھی شرف حاصل ہوا۔

اس کے علاوہ کچھ دیر کے لیے آنریری طور پر نظارت بیت المال میں بھی کام کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس وقت حضرت مولوی عبد المغنی صاحب ناظر بیت المال تھے۔ کسی تحریک کے سلسلہ میں دو چار روز کے اندر سینکڑوں چٹھیاں لکھنا مقصود تھا۔ یہ کام آپ نے اس خاکسار کے سپرد کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے دن رات ایک کر کے معینہ وقت کے اندر یہ کام پورا کر دیا جس پر حضرت مولوی صاحبؓ بہت خوش ہوئے اور خوشنودی کا ایک سٹیفکیٹ بھی اپنے ہاتھ سے لکھ کر دیا جو بطور یادگار اور تبرک قادیان سے غالباً نکلنے تک بندہ کے پاس محفوظ تھا۔

1923ء میں ملکانوں کے اندر شدھی کا چکر چلا۔ حضور نے آنریری مبلغ مانگے۔ بندہ نے غالباً تیسرے وفد میں جانے کا شرف حاصل کیا۔ بندہ کے ہمراہ چوہدری محمد احسن صاحب ریٹائرڈ ایس ڈی سی تھے چونکہ کام ابھی نیا نیا شروع ہوا تھا۔ اس کے گھر سے جو روپے خرچ کے لیے جاتے وہ پہلے مرکز میں جو اس تحریک کے سلسلہ میں آگرہ میں قائم کیا گیا تھا۔

پہنچتے۔ پھر مبلغین کا صحیح اور معین پتہ نہ ہونے کی وجہ سے روپے ارسال کرنے میں دیر لگتی۔ اسی وجہ سے ایک دفعہ روپے پہنچنے میں دیر ہو گئی اور ہمارے دونوں کے پاس خرچ کے لیے ایک پیسہ نہ رہا۔ حضور کا ارشاد تھا خواہ کچھ ہو کسی ملکانے سے مانگ کر یا اس کا ہدیہ کے طور پر دیا ہوا کھانا بھی نہیں کھانا۔ چنانچہ کئی فاقے آ گئے۔ حتیٰ کہ ہم دونوں نے درختوں کے پتے کھائے۔ حضور کو بھی اس کی اطلاع مل گئی۔ چنانچہ آپ نے افسوس کے ساتھ خوشنودی کا بھی ایک خطبے یا تقریر میں ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے مبلغ دیئے ہیں کو غیر احمدیوں کے مبلغوں کی طرح ملکانوں سے خاطریں وغیرہ نہیں کرواتے بلکہ بھوکے رہ کر اور پتے کھا کر گزارہ کرتے رہے ہیں۔

ٹیریٹوریل فوج میں ایک کمپنی میں خدمات

اس کے علاوہ جماعت کی طرف سے ٹیریٹوریل فوج میں ایک کمپنی قائم کروائی گئی۔ نوجوانوں کو اس میں بھرتی ہونے کی تحریک ہوئی۔ تو یہ خاکسار بھی بصد خوشی اس میں شامل ہوا۔ اور بطور سپاہی بھرتی ہو کر بہت جلد ترقی کر لی اور کمیشن کے لیے نمبر آ ہی گیا تھا کہ بندہ کو بعض وجوہ سے نیروبی افریقہ کے لیے روانہ ہونا پڑا۔ قریباً پندرہ سال نیروبی گزارے اور وہاں بھی بفضلہٖ تعالیٰ کچھ عرصہ کے لیے جماعت کا سیکرٹری بھی رہا اور جماعت کے تمام کاموں میں عہدہ داران سے تعاون کیا۔ چنانچہ بندہ کی نیروبی سے واپسی پر ایک رپورٹ میں جو الفضل میں شائع ہوئی نیروبی کے رئیس التبلیغ مولانا مبارک احمد صاحب کی طرف سے نہایت اچھے الفاظ میں بندہ کی خدمات کا تذکرہ ہے۔

اس کے بعد مسلسل بیماری کی وجہ سے Active پارٹ جماعت کی خدمات کے لیے ادا نہ کر سکا۔ لیکن تبلیغ جو ہر احمدی کا فرض ہے اس سے غافل نہیں رہا۔ اب بھی سلسلہ کے تقریباً

سارے اخبار یعنی الفضل، ریویو آف ریلیجنز، مصباح، تشحیذ الاذہان، انصار اللہ وغیرہ منگوا کر خود پڑھتا ہوں۔ اپنے اہل و عیال کو پڑھاتا ہوں اور پھر غیر از جماعت ہمسائیوں اور دوستوں کو پڑھواتا ہوں۔ ایسا کرنے سے سلسلہ کے اخبارات کی بھی مدد ہوتی ہے جو ہر احمدی کا فرض ہے۔ اور تبلیغ کا بھی موثر ذریعہ ہے۔ چندہ وصیت کے علاوہ تقریباً چندہ کی سب تحریکوں میں بفضلہٖ تعالیٰ حصہ لیا ہے۔ اور چندہ جلسہ سالانہ اور دیگر چندے بھی اس کی دی ہوئی توفیق سے ادا کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔

اہلیہ حضرت چوہدری نثار احمد صاحب

آپ کا نام رضیہ بیگم صاحبہ تھا۔ آپ کا تعارف کراتے ہوئے آپ کی بھانجی مکرمہ سلیمہ خاتون صاحبہ تحریر کرتی ہیں:

آج میں اپنی ممانی جان رضیہ بیگم اہلیہ چوہدری نثار احمد صاحب کی زندگی کے کچھ واقعات لکھنے جا رہی ہوں۔ ممانی جان مرحومہ پابند صوم و صلوٰۃ اور دینی شعار پر عمل کرنے والی بہت نیک فطرت خاتون تھیں۔ ممانی جان کے والد صاحب کا تعلق گجرات کے بہت متمول اور معزز گھرانے سے تھا۔ انہوں نے کینیا کے دارالخلافہ نیروبی میں تعلیم پائی۔ آپ کے والد وہاں پر ڈاکٹر عبداللہ احمدی کے نام سے مشہور تھے وہ کہتے تھے نام کے ساتھ احمدی لکھنا میرے لیے باعث صد افتخار ہے۔ یہ لفظ میرا مذہب میرا ایمان ہے اور میری پہچان ہے اور بچوں کو بھی تاکید تھی کہ وہ بھی اپنے ناموں کے آگے احمدی لگائیں۔ ممانی جان اپنا نام رضیہ احمدی لکھتیں۔ نیروبی سے کچھ فاصلے پر کراٹینا ماونٹین نامی پہاڑی تھی جس کے آگے گھنے جنگلات کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا جہاں پر شیر ببر، ارنا بھیڑ، نیل گئے، چیتا وغیرہ بکثرت پائے جاتے تھے۔ ممانی جان کے والد صاحب کو یہ جنگلات کٹوانے کا ٹھیکہ مل گیا۔

یہ ٹھیکہ انگریز اپنے ہم قوم کو دیا کرتے تھے۔ڈاکٹر احمدی بہت خوبصورت تھے اور سرخ و سفید رنگت کی وجہ سے انگریزوں کو مات کرتے تھے۔خود انگریز دھوکہ کھا گئے اور انہیں یہ کنٹریکٹ مل گیا۔ممانی جان بتایا کرتی تھیں کرائیٹنا کی وادی میں ہمیں رہائش مہیا کر دی گئی مگر اور کسی کو یہ سہولت میسر نہ تھی۔انڈیا اور دیگر مما لک سے شیر کے شکار کے لیے آنے والے روسا،نواب، راجے مہاراجے انہیں کے ہاں ٹھہرتے تھے۔انہیں میں نواب آف پنوری بھی شامل تھے۔جن کے بیٹے منصور علی خاں بنوری کرکٹ کے نامور کھلاڑی تھے ان کے ہاں تو پاکستان کے معرض وجود میں آنے تک آنا جانا لگارہا تھا اور بہت دوستی تھی۔کرائیٹنا کی وادی کے حسین مرغ زاروں میں ممانی جان کی شادی سے پہلے کا زمانہ گزرا۔دولت کی ریل پیل کے سبب خوب ناز ونعم سے پرورش ہوئی۔

ممانی جان نے بتایا کہ باواجی کو وہ اپنے والد صاحب کو باواجی کہہ کر بلاتی تھیں۔اپنے مذہب سے جنون کی حد تک پیار تھا رات کو ایک گھنٹہ کے لیے سب بچوں کو پاس بٹھا کر اپنے مذہب کی تعلیمات سے روشناس کراتے۔کہتی تھیں نیروبی میں بیت کی تعمیر کے لیے چندہ کی تحریک ہوئی تو باواجی نے سب بچوں کو اکٹھا کیا اور کہا پیارے بچو کیا تم چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ تمہارے لیے جنت میں گھر تعمیر کرے جنت و دوزخ کی اہمیت پہلے ہی گھول کے پلا چکے تھے۔سو ہم نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ضرور چاہتے ہیں تو انہوں نے کہا پھر کل سب تیار رہنا نیروبی چلیں گے۔

اس وقت انہوں نے بیت کے لیے چندہ کی افادیت پر زبردست لیکچر دیا اور کہا جس کا چندہ سب سے زیادہ ہوگا اسے میں انعام دوں گا۔اور پھر سب سے زیادہ چندہ میرا تھا۔سو باواجان نے مجھے پچاس شلنگ بطور انعام دیے اور یہ انعامی رقم بھی میں نے چندہ میں دے دی.اس خیال سے کہ جنت میں اور بھی وسیع گھر ملے میرے اس کارنامہ سے باواجی اتنے خوش ہوئے کہ بیان نہیں کرسکتی۔

اس کے بعد تحریک جدید کا اعلان ہوا تو باوا جی نے پھر پہلے والے اعلان کو دہرایا مگر اس بار بڑے بھائی صاحب انعام کے حق دار قرار پائے، میں مغموم ہوئی تو باوا جی نے کہا بیٹا تم دوسرے نمبر پر ہو۔ تمہیں بھی انعام ملے گا۔ پھر شادی ہو کر ممانی جان ماموں جان کے پاس نیروبی آ گئیں۔ کچھ والدین کی جدائی کی وجہ سے اور کچھ نیروبی میں وہ خوبصورت مناظر کہاں تھے، نہ وہ چشمے تھے اور نہ آبشار نہ جھیلیں نہ وہ برکھائیں اور نہ وہ مستانہ ہوائیں اور سر مست نظارے۔ سو نیروبی انہیں بھایا نہیں اور ماموں جان نے بھی ان کی اداسی کے پیش نظر نیروبی کو خیر آباد کہا اور قادیان آ گئے۔

ممانی جان کے والد صاحب نے سٹیشن سے چند قدم کے فاصلہ پر بڑا سا پلاٹ خرید کر بہت بڑی جدید طرز کی کوٹھی تعمیر کروائی تھی ان کا ارادہ تھا قادیان شفٹ ہونے کا تھا۔ ممانی جان نے بھی اسی کوٹھی میں رہائش اختیار کر لی۔ قادیان میں ہمارے ہاں صفائی کے لیے ایک عورت آتی تھی۔ امرتسر کے کسی نواحی گاوں سے وہ اپنے بیٹے کے لیے ایک یتیم اور لاوارث لڑکی بیاہ لائی۔ کچھ عرصہ تو اس کے ساتھ ٹھیک رہی پھر اسے مارنا پیٹنا شروع کر دیا اسے بھوکا رکھتی۔ ایک دن تو حد کر دی اسے گھر سے نکال باہر کیا۔ ذرا خوف نہیں آیا کہ وہ کدھر جائے گی وہ ہمارے گھر آ گئی اور اپنی داستان غم میری والدہ ماجدہ کو کہہ سنائی۔ امی بے حد خدا ترس انسان تھیں۔ انہوں نے ممانی جان سے جو حسن اتفاق سے ہمارے ہاں آئی ہوئی تھیں کہا کہ وہ اسے اپنے ساتھ لے جائیں۔ ممانی جان بخوشی رضا مند ہو گئیں۔ ان کے ہاں کئی سنگل روم سرونٹ کوارٹر تھے، ممانی جان نے ایک اسے دے دیا مارے تشکر کے اس لڑکی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ روتے ہوئے ممانی جان کے قدموں میں گر گئی۔ ممانی جان خفا ہوئیں اور اسے ایسا کرنے سے منع کیا وہ لڑکی کسی چرچ میں کام کر رہی تھی۔ اور جنت اور دوزخ سے واقفیت رکھتی تھی کیوں کہ اکثر کہتی کہ معلوم نہیں میری کون سی نیکی خداوند یسوع مسیح کو بھا گئی جنہوں نے مجھے زندگی میں ہی ہیون Heaven عطا کر دیا۔

ممانی جان نے کہا۔ یسوع مسیح تو نبی تھے ان سے بڑی بھی ایک طاقت خدائے وحدہ لا شریک کی ہے تم پر یہ مہربانی اس کبریا نے کی ہے۔ وہ لڑکی کچھ سمجھ دار تھی. ایک روز اس نے ممانی جان سے کہا بی بی آپ کا مذہب اختیار کرنا چاہتی ہوں . میرے خیال میں سب مذہبوں سے اچھا مذہب احمدیوں کا ہے جس کے ماننے والے اتنے خداترس ہوں۔ اس نے میرے ابا جان حضرت بھائی محمد احمد صاحب یکے از رفقاء حضرت مسیح موعود کا نام لیا کہ وہ بے حد خداترس انسان ہیں۔ ابا جان یتیم و بیسہارا لڑکی پر بے حد ترس کھاتے بیمار ہوتی تو اس کی دوا کے پیسے نہیں لیتے تھے اور پھر واقعی بیعت کر لی تھی پھر ایک روز اس کا خاوند آ گیا۔

ماموں جان نے بتایا کہ تمہاری بیوی احمدی ہو چکی ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے بھی بیعت کرا دیں۔ اس نے تمام بری عادات ترک کرنے کا وعدہ کیا وہ جوا وغیرہ کھیلتا تھا۔ اس نے بیعت کر لی او واقعی بری عادات چھوڑ دیں۔ ابا جان نے اسے شیشہ کے کارخانہ میں ملازمت دلوا دی اور ماموں جان نے بیوی کے پاس رہنے کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد پاکستان کے معرض وجود میں آنے پر ممانی جان کچھ عرصہ سیالکوٹ رہیں پھر سرگودھا آ گئیں۔

ایک بار غالباً 51ء یا 52ء کا جلسہ سالانہ تھا سب 25 دسمبر کو ربوہ چلے گئے تھے۔ ہمارا ارادہ 26 دسمبر کو صبح بذریعہ ریل جانے کا تھا۔ گاڑی میں بے پناہ رش تھا تاہم ہمیں جگہ مل گئی۔ ایک عورت کے دو بچے تھے، جگہ نہ ملنے پر بے حد پریشان تھی، ممانی جان کو ترس آ گیا۔ انہوں نے اپنے بچوں کو گود میں اٹھا لیا اور اس کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنا دی۔ جب گاڑی لالیاں سے چلی تو کسی عورت نے کہا پتہ نہیں اب کون سا سٹیشن آ رہا ہے۔ جسے ممانی جان نے جگہ دی تھی وہ احسان فراموش گالی دیتے ہوئے بولی اب مرزائیوں کا اڈا آ رہا ہے۔ حکومت نے ایسی جگہ انہیں پھینکا ہے جہاں زمین سے پانی نہیں نکل سکتا۔ کم بختوں کو ہر روز بھیڑیئے پکڑ پکڑ کر لے جاتے ہیں مگر ڈھیٹ بنے بیٹھے ہیں۔ میرا دل چاہا اس عورت کو

اتنے زور کا دھکا دوں کہ نیچے گر کر سر پھٹ جائے مگر چپ رہی۔

ممانی جان نے کہا اے نادان عورت ذرا زبان سنبھال اگر تو مسلمان ہے تو کیا تجھے اسلامی تعلیم سے روشناس نہیں کرایا گیا۔ میں تجھے گالیاں دینے پر اچھا خاصا سبق سکھا سکتی تھی مگر ہمارے مذہب میں گالی کا جواب گالی سے دینا منع ہے۔ تجھے تو شاید علم بھی نہیں ہوگا کہ سفر طائف کے موقع پر اللہ کے پیارے نبی پر ظالموں نے پتھر پھینکے انہیں زخمی کر دیا صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ ان کے لیے بد دعا کریں مگر آپ نے فرمایا اے اللہ انہیں ہدایت دے۔ یہ نہیں جانتے یہ کیا کر رہے ہیں۔ وہ عورت تو مانو گونگی اور بہری بن چکی تھی۔ اور ممانی جان کی زبان گویا پھول برسا رہی تھی۔ کچھ طوالت کے ڈر سے اور کچھ مجھے یاد نہیں رہا ورنہ ممانی جان نے اسے اچھا خاصا شرمندہ کیا تھا۔ میں زیادہ لکھ نہیں رہی۔ سب مسافر عورتوں نے ممانی جان کی حمایت کی۔ ربوہ آ گیا تھا۔نعرہ تکبیر کی روح پرور اور ایمان افروز آواز دل و دماغ کو سرشار کر رہی تھی۔ ممانی جان نے مجھ سے کہا۔ پلیٹ فارم نہیں ہے تم اتر جاؤ میں تمہیں بچے اور سامان پکڑا دوں گی۔ میں نیچے اتر گئی۔ اتنے میں دو تین مسافر عورتیں اٹھ کر آ گئیں کہنے لگی۔ بہن آپ بھی اتر جاؤ۔ ہم آپ کا سامان پکڑا دیتے ہیں میں حیران رہ گئی کتنی تاثیر تھی ممانی جان کی شیریں بیانی میں۔

چھوٹے ماموں جان چوہدری ظہور احمد صاحب کا مکان قریب تھا۔ چار پانچ منٹ میں ہم وہاں پہنچ گئیں۔ صحن میں بڑا سا خیمہ نصب تھا۔ سب مرد خیمہ میں بیٹھے تھے۔ چھوٹی ممانی جان مع والینٹئر کے کھانا لے کر گئیں ماش کی گرما گرم دال سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ اور اس کی اشتہا انگیز مہک سے دل و دماغ معطر ہو رہے تھے۔ میں نے ممانی سے کہا۔ صبح آپ کے پیٹ میں درد تھا چھوٹی ممانی سے کہہ کر آپ کے لیے کچھ اور منگواؤں۔ نہیں نہیں بڑی اماں بننے کی کوشش نہ کرو میں یہی دال کھاؤں گی۔ یہ میرے لیے اکسیر اور کیمیا ہے اور پھر بے حد رغبت سے وہ دال کھائی۔ ممانی جان کی ایک پھوپھی تھیں جو بہت امیر کبیر تھیں۔ سیالکوٹ

میں ان کے مختلف چیزوں کے کئی کارخانے تھے۔ ایک بار وہ جلسہ کے موقع پر ہمارے ہاں آئیں۔ میں نے کھانے میں نے ان کے لیے گھر کا پکا سالن رکھ دیا۔ وہ کہنے لگیں یہ اٹھا لو مجھے مسیح کے لنگر کی دال دو۔ ہمارے ہاں دال نہیں تھی۔ سو میں نے ہمسایوں سے مانگ کر انہیں کھانا کھلایا۔ ہمارے ساتھ جلسہ گاہ گئیں۔ اس روز حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے عورتوں کے اجلاس میں خطاب فرمانا تھا۔

حضور تشریف لا چکے تھے۔ حضور کو دیکھ کر یہ والہانہ طور پر سٹیج کی جانب لپکیں۔ پہرہ دینے والی لڑکیوں نے روکا تو انہیں دھکا دے کر سٹیج پر چڑھ گئیں۔ حضور ان کی اس کارروائی پر مسکرا پڑے۔ غالباً آپ پہچان گئے تھے۔ ڈاکٹر احمدی کی بہن ہیں۔ حضور نے ان کے لیے کرسی منگوائی اور کارکن خواتین کو ہدایت فرمائی کہ آئندہ انہیں سٹیج پر کرسی دی جائے۔ حضور کی اس عزت افزائی سے خوشی سے پھولے نہیں سمائیں اور فرطِ عقیدت سے حضور کے سر پر پیار کیا اور اپنا طلائی زیور اتار کر حضور کے سر پر سے وار دیا۔

اپنے سسرال کی کئی چھوٹی سی چیزوں پر بھی بہت فخر محسوس کرتیں مثلاً ہماری والدہ کا نام منارۃ المسیح پر کندہ دیکھ کر بے حد خوش ہوتیں۔ یا یہ سن کر ان کے سسرالی رشتہ داروں میں حضرت مسیح موعود کے رفقاء کی تعداد بہت زیادہ ہے، بے حد خوشی کا اظہار کرتیں۔ بتایا کرتیں تھیں کہ ہمارے ہاں یہ رواج تھا کہ جو سترہ برس کا ہو جاتا اس کی وصیت کروا دی جاتی تھی۔ ممانی جان کی وصیت بھی سترہ برس کی عمر میں ہو گئی تھی۔ میں چھوٹی تھی مگر الفضل میں شائع وصایا ضرور پڑھتی تھی۔ ممانی جان کی وصیت اخبار الفضل میں شائع ہوئی اس وقت ان کا رشتہ ماموں جان سے نہیں ہوا تھا۔ میں نے وصیت پڑھی تو بڑے جوش سے بلند آواز میں بولی میں بھی اس رضیہ نامی لڑکی کی طرح سترہ برس کی عمر میں وصیت کرلوں گی، اتفاق سے وصیت کرتے وقت میری عمر سترہ برس تھی۔

مکرم بشارت احمد کو امپورٹ اور ایکسپورٹ کے لائسنس مل گئے وہ لندن چلے گئے۔

ماموں جان بیمار (چوہدری نثار احمد صاحب) ہوئے تو ممانی جان نے ان کی خدمات میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ دونوں ماں بیٹے نے اتنی تندہی اور جان فشانی سے ان کی تیمارداری کی مثال قائم کر دی نہ دن کو دن سمجھا نہ رات کو رات نہ پیسے کو پیسہ۔ مگر جو چیز اٹل اور برحق ہو اس سے مقابلہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ ماموں جان کی وفات کے بعد بشارت احمد ممانی جان کو اپنے ساتھ لندن لے گئے۔ پھر وفات تک انہیں کے پاس رہیں۔ ماموں جان اکثر کہا کرتے تھے کہ معلوم نہیں میری کون سی خوبی تھی جو خدا تعالیٰ کو اتنی پسند آئی کہ اس نے مجھے دنیا میں ہی جنت عطا کر دی۔ اور وہ ممانی جان کے بے حد احسان مند اور معترف رہے۔ میری دعا ہے کہ نئی نسل کی بچیاں ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے گھروں کو جنت کا نمونہ بنائیں۔

اولاد

ماموں جان کے ایک بیٹا اور دو بیٹیاں امریکہ میں ہوتے ہیں اور دو بیٹے بشارت احمد صباحت احمد اور ایک بیٹی آنسہ بیگم اہلیہ میجر محمود احمد صاحب مرحوم ابن چوہدری احمد جان صاحب سابق امیر جماعت ہائے مرحوم راولپنڈی، لندن میں قیام پذیر ہیں۔

میری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ان سب کو اپنے فضلوں کے سایہ تلے رکھے اور والدین کے بعد بشارت احمد کے سایہ کو ان کے سروں پر سلامت رکھے اور انہیں لمبی پر صحت زندگی عطا فرمائے اور ہر لحظہ ہر آن ان کا حافظ و ناصر رہے۔

ان کا گھر ہو مثل باغ جنت
ہو آبادی ہمیشہ اس مکاں میں

اور آخر میں

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے

مکرمہ صفیہ اشرف صاحبہ لکھتی آپ کی اولاد کے بارہ میں تحریر کرتی ہیں:

اولاد کی شادیاں

ماموں جان مکرم چوہدری ظہور احمد مرحوم نے اپنے پانچ بیٹوں مبارک احمد، منور احمد، رفیق احمد، لئیق احمد اور انیس احمد کی شادیاں اپنی زندگی میں ہی کر دی تھیں اور اس کے لئے کسی قسم کے دنیاوی سامان کو مدّ نظر نہیں رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو دینی اور دنیاوی نعمتوں اور اولاد سے نوازا اور وہ خوشحال زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کے بچے بھی سلسلہ سے وابستہ ہو کر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ماموں جان کی اکلوتی بچی مبارکہ جسے ماموں جان نے اعلیٰ تعلیم وتربیت سے آراستہ کیا تھا جب اس کی شادی کا موقع آیا تو آپ نے ایک نہایت شریف النفس اور نیک انسان کا انتخاب کیا۔ یعنی ڈاکٹر رشید احمد صاحب کو پسند کرنے میں سب سے بڑی وجہ ان کی شرافت تھی ویسے بھی وہ ایک کامیاب ڈاکٹر (ایم بی بی ایس) تھے۔ انہوں نے ساری زندگی مبارکہ کے ساتھ بہت ہی محبت اور وفاداری کا سلوک کیا کہ ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے بچوں انور احمد، انس احمد، قمر احمد، بچی وجیہہ اور انیسہ کو ہمیشہ خوش رکھے اور والدین کے نقش قدم پر چلائے کبھی ان کا بال بھی بیکا نہ ہو اور یہ اپنے بچوں کے ساتھ خوش رہیں۔

⌘ ❍ ❖ ❍ ⌘

حضرت ڈاکٹر عبداللہ صاحب احمدیؓ آف نیروبی

گزشتہ حصہ میں حضرت چوہدری نثار احمد صاحب کی زوجہ محترمہ کا ذکر کیا گیا ہے آپ حضرت ڈاکٹر عبداللہ صاحب احمدی کی بیٹی تھیں جنہیں مشرقی افریقہ میں احمدیت کی قبولیت کی توفیق ملی۔ ایصال ثواب کی خاطر ان کا یہی ذکر خیر کیا جا رہا ہے۔

حضرت ڈاکٹر عبداللہ صاحب آف نیروبی مشرقی افریقہ کے اولین صحابہ میں سے تھے۔ آپ کا نام الحکم قادیان 10/اپریل 1901ء میں شائع شدہ ہے۔ آپ ضلع گجرات کے رہنے والے تھے اور ایک لمبے عرصہ سے نیروبی مشرقی افریقہ میں مقیم تھے۔ بلکہ نیروبی کے ابتدائی آبادکاروں میں سے تھے اور اسی بناء پر احمد بیت الذکر نیروبی کی ملحقہ ذیلی سڑک کا کا نام نیروبی میونسپلٹی نے احمدی روڈ رکھا تھا۔

حضرت داکٹر رحمت علی صاحبؓ برادر حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ یوگنڈا ریلوے کی تعمیر کے سلسلہ میں ابتدائی بھرتی میں جب مشرقی افریقہ گئے تھے ان کی تبلیغ کے طفیل جہاں اور کئی نیک روحوں کو احمدیت قبول کرنے کی سعادت حاصل ہوئی وہاں مرحوم کو بھی احمدیت قبول کرنے کی توفیق ملی۔ نیروبی کی عالی شان احمدیہ بیت الذکر کی تعمیر و چندہ جمع کرنے اور دیگر متعلقہ کاموں میں آپ نے آغاز کار ہی سے نمایاں حصہ لیا۔ علاوہ ازیں احمدیہ بیت الذکر ٹبورا کی نہایت خوبصورت عمارت کے چندہ کی فراہمی میں بھی آپ نے بڑی محنت و کاوش سے کام لیا۔ اپنی موٹر کار پر اس بڑھاپے میں جوانوں کی طرح مختلف دیہات و قصبات میں اور دوستوں کے پاس جاتے رہے اور تحریک کر کے چندہ وصول کرنے میں مدد

دیتے رہے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب ہمیشہ اپنے عزیزوں کو یہ تلقین کرتے کہ شہری زندگی کی وجہ سے اور بعض اوقات مجبوریوں کی وجہ سے بھی لوگ مہمانوں کی خدمت کما حقہ نہیں کر سکتے۔ تمہارا گھر ہمیشہ مہمانوں کے لیے کھلا رہے اور مہمانوں کی خدمت سے کبھی تمہیں گریز نہیں کرنا چاہیے۔ کانفرنسوں اور دیگر مواقع پر آپ مہمانوں کو حتی المقدور اپنے عزیزوں کے گھروں میں لے جاتے۔ باوجود بڑھاپے اور بیمارے کے خود فرش پر لیٹ جاتے اور مہمانوں کو چارپائی اور بستر ادے دیتے۔ مربیان سلسلہ سے بالخصوص محبت و پیار کا سلوک کرتے اور ان کی خدمت سے خود بھی خوش ہوتے اور اپنے بچوں بچیوں کو ان کی مہمان نوازی کی تلقین کرتے۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ سے آپ کو بے انتہاء محبت تھی اور ہمیشہ جماعت اور اپنے عزیزوں کو فتنہ پردازوں کی شرارتوں کے متعلق اصل حالات بتا کر آگاہ کر دیتے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب انقلاب ہندوستان اور ہجرت کے وقت قادیان میں مقیم تھے۔ ان دنوں ڈاکٹر صاحب کے منہ سے اکثر خدا تعالیٰ سے خطاب کرتے ہوئے یہ الفاظ نکلتے کہ یا الٰہی تو قادیان میں ہی وفات دے دے۔ لیکن جب سلسلہ کے نظام کے ماتحت آپ کو قادیان سے ہجرت کر کے پاکستان آنا پڑا تو آپ جناب الٰہی میں یہ عرض کرنے لگے کہ اگر قادیان میں میری وفات مقدر نہیں تو افریقہ کی سرزمین میں ہی لے چلیں۔ مرحوم کی یہ دعا قبول ہوئی اور آپ کی وفات نیروبی میں ہوئی اور احمدیہ قبرستان نیروبی میں سپرد خاک کئے گئے۔

حضرت ڈاکٹر صاحب موصی تھے اور مقامی اور مرکزی تحریکیوں میں سرگرم حصہ لیتے تھے۔ بہت سے نیک کام کئے۔ طبیعت میں خاص مزاح تھا نیز مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک تھے۔ بچے، جوان اور بوڑھے سبھی ان کی مجلس اور گفتگو سے حظ اٹھاتے۔ نیروبی کے ہر

قوم کے لوگ جوان کے واقف تھے، انہیں بہت عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ آپ نے 23 فروری 1950ء کو وفات پائی۔

(تاریخ احمدیت جلد 14 صفحہ 244 سے ماخوذ)

⌘ ❍ ❖ ❍ ⌘

حضرت منشی عبدالعزیز صاحب اوجلویؓ

حضرت منشی عبدالعزیز صاحب اوجلوی کسی تعارف کے محتاج نہیں۔سیکھوانی برادران کے ذریعہ سے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتب میں جہاں سیکھوانی برادران کے اخلاص و وفا کا ذکر فرمایا ہے وہاں حضرت منشی عبدالعزیز صاحب پٹواری اوجلوی کا بھی ذکر خیر فرمایا ہے۔ضمیمہ انجام آتھم میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت میاں عبدالعزیز پٹواری سیکھواں گورداسپور کو مع اہلبیت تین صد تیرہ کی تاریخی فہرست میں شامل فرمایا ہے۔آپ کو 1892ء میں بیعت کی سعادت حاصل ہوئی۔ (روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 313-314)

تعارف

حضرت میاں عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اوجلہ ضلع گورداسپور کے رہنے والے تھے۔ 1891ء میں موضع سیکھواں میں تبدیلی کروائی۔سیدنا حضرت مسیح موعودؑ نے جب تین صد تیرہ صحابہ کی فہرست مرتب کی تو سیکھواں کے برادران میاں امام الدین صاحب، میاں جمال الدین صاحب اور میاں خیر الدین صاحبان مع منشی عبدالعزیز حضرت اقدسؑ سے معلوم کرنے کے لئے حاضر ہوئے کہ کیا ان کے نام اس فہرست میں شامل ہوئے ہیں تو حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کے نام پہلے ہی درج کئے گئے ہیں۔آپ حضرت بابا حسن محمد صاحب کے چچازاد بھائی تھے۔

بیعت:

آپ نے سیکھواں میں میاں امام الدینؓ اور میاں خیر الدینؓ سے واقفیت ہونے سے پہلے ازالہ اوہام پڑھی جس سے حضرت اقدسؑ کی صداقت میخ کی طرح دل میں گڑ گئی اور 1892ء میں شرف بیعت حاصل کیا۔

خدمات سلسلہ

اگست 1898ء میں حضرت اقدسؑ نے حضرت میاں صاحب کے بارے میں فرمایا:
''اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک علم عطا کیا ہے کہ ایسی ملازمتوں میں خدا تعالیٰ نے انہیں صاف رکھا اور صالح بنایا''

حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں:

حضرت منشی عبدالعزیز صاحب پٹواری ساکن اوجلہ ضلع گورداسپور نے باوجود قلت سرمایہ کے ایک سو پندرہ روپے دیئے ہیں۔ یہ منارۃ المسیح کی تعمیر کے سلسلہ میں آپ کی قربانی تھی۔

حضرت اقدسؑ کی کتب میں ذکر:

آئینہ کمالات اسلام میں جلسہ سالانہ 1892ء میں شامل ہونے والے احباب میں آپ کا نام درج ہے۔ تحفہ قیصریہ میں جلسہ ڈائمنڈ جوبلی میں اور کتاب البریہ میں پُرامن جماعت کی فہرست میں آپ کا نام شامل ہے۔ ضمیمہ انجام آتھم میں حضرت اقدسؑ نے آپ کے ذکر میں فرمایا:

''......میاں عبدالعزیز پٹواری کے اخلاص سے بھی مجھے تعجب ہے کہ باوجود قلتِ معاش کے ایک دن سو روپیہ دے گیا کہ میں چاہتا ہوں کہ خدا کی راہ میں خرچ ہو جائے۔ وہ سو روپیہ شاید اس غریب نے کئی برسوں میں جمع کیا ہوگا مگر للّٰہی جوش نے خدا کی رضا کا جوش دلایا۔''

(روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 313-314)

آپ کی وفات 11 رمئی 1946ء کو ہوئی۔ آپ کی وصیت نمبر 118 ہے۔ آپ کی تدفین بہشتی مقبرہ قادیان قطعہ نمبر 5 حصہ نمبر 7 میں ہوئی۔ حضرت میاں عبدالعزیز صاحب اوجلویؓ مزید حالات زندگی حضرت بابا حسن محمد صاحب کے حالات میں تحریر کر دیئے گئے ہیں۔

اولاد

آپ کی اولاد چوہدری محمد شفیع صاحب ریٹائرڈ انجینئر محکمہ نہر مرحوم مدفون بہشتی مقبرہ ہیں۔ اور آپ کی چار بیٹیاں تھیں۔ محترمہ سکینہ بیگم صاحبہ اہلیہ حضرت مولوی محمد دین صاحب سابق ناظر اعلیٰ وصدر صدر انجمن احمدیہ، محترمہ عائشہ بیگم صاحبہ اہلیہ حضرت مولانا رحمت علی صاحب مبلغ انڈونیشیا جن کا تعارف اس کتاب میں شامل ہے۔ محترمہ امۃ الحمید صاحبہ اہلیہ محترم چوہدری احمد جان سابق امیر جماعت راولپنڈی، محترمہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ اہلیہ چوہدری عبدالستار صاحب اسلامیہ پارک لاہور، آپ کی ایک نواسی مکرمہ شاہدہ صاحبہ (بنت محمد عبداللہ صاحب) اہلیہ مکرم پروفیسر منور شمیم خالد سابق آڈیٹر انصار اللہ (ابن مکرم شیخ محبوب عالم خالد صاحب سابق ناظر مال آمد) ہیں۔

حضرت منشی صاحب کے مزید حالات زندگی کیلئے ذیل کے ماخذ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

(۱) آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد ۵ (۲) تحفہ قیصریہ روحانی خزائن جلد ۱۲ (۳) کتاب البریہ، روحانی خزائن جلد ۱۳ (۴) ضمیمہ انجام آتھم روحانی خزائن جلد ۱۱ (۵) ''سیرۃ المہدی'' حصہ سوم صفحہ ۱۱۳ وصفحہ ۱۳۸ (۶) ''ذکر حبیب'' صفحہ ۲۱۶ (۷) ''تاریخ احمدیت'' جلد دہم صفحہ ۶۱۴ (۸) الفضل ۱۱ رمئی ۱۹۹۰ء۔

⌘ ❍ ❖ ❍ ⌘

حضرت بابا حسن محمد صاحبؓ موصی نمبر ایک

مجاہد انڈونیشیا حضرت مولانا رحمت علی صاحب کے والد ماجد سلسلہ احمدیہ میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔آپ کا وصیت نمبر ایک ہے۔صحابی مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ساتھ یہ بھی آپ کی خاص پہچان ہے۔

حضرت حسن محمد صاحبؓ کی پیدائش 11/جولائی 1870ء بمقام اوجلہ ہے ۔اوجلہ قادیان سے سترہ میل کے فاصلہ پر شمال مشرق میں واقعہ ہے۔آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر ہی حاصل کی۔گھریلو حالات بہتر نہ ہونے کے سبب بمشکل پرائمری سکول تک تعلیم حاصل کی۔1892ءمیں آپ کی شادی ہوئی اور 1893ء میں آپ کے ہاں حضرت مولانا رحمت علی صاحبؓ کی ولادت ہوئی۔

خاندان میں احمدیت

اس کی بابت حضرت بابا حسن محمد صاحبؓ بیان کرتے ہیں:

''مَیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ابتدا میں سخت مخالف تھا۔اس وقت مَیں ڈاکخانہ میں (1889ء تا 1895ء) بحیثیت چھٹی رساں ملازم تھا ۔اپنے چچازاد بھائی حضرت منشی عبدالعزیز اوجلوی کی احمدیت کی وجہ سے سخت الفاظ کہہ دیا کرتا۔مگر حضرت اقدسؑ کی شان میں برے الفاظ نہ کہتا۔آخر ایک روز میرے دل میں خیال آیا کہ گزشتہ انبیاء کے وقت میں بھی بہت سے لوگ شک میں رہے اور ان کو قبول نہ کیا۔ایسا نہ ہو کہ حضرت

صاحب واقعی وقت کے امام ہوں اور مَیں ان کے انکار کی وجہ سے منکرین کے زمرہ میں شامل ہو جاؤں۔ اس لئے مَیں نے اس معاملہ میں خدا تعالیٰ سے رو رو کر دعائیں کرنا شروع کیں ۔مَیں قبرستان میں دعائیں کرتا تا خدا تعالیٰ میری ہدایت فرمائے۔لوگوں میں یہ چرچا شروع ہو گیا کہ رات کے وقت آج کل قبرستان میں کوئی جنّ یا چڑیل روتی رہتی ہے ۔مَیں نے دل میں سوچا کہ ایسا نہ ہو کہ لڑکے مجھے قبرستان میں جنّ یا چڑیل سمجھ کر مارنے لگ جائیں ۔اس لئے مَیں نے قبرستان میں دعا کرنا ترک کر دیا۔ اب مَیں اپنے گاؤں اوجلہ کی مسجد میں دعائیں کرتا اور روتا رہا۔ لوگ کہتے کہ مسجد میں کوئی جنّ آ گیا ہے۔ اور وہ رات کو روتا رہتا ہے............''۔

آپ بیان کرتے ہیں کہ ''جب چودہ روز مجھے اسی طرح دعائیں کرتے گزر گئے تو اس وقت چاند کی چودھویں رات تھی۔ میرے چاروں طرف میدان تھا جس میں کوئی فصل وغیرہ نہ تھی۔مَیں درود شریف پڑھ رہا تھا۔ مجھے یک دفعہ غنودگی آئی اور دائیں طرف سے مجھے آواز آئی'تیرا نام کیا ہے ۔مَیں نے کہا محمد حسن۔ پھر مَیں نے اس بلانے والے سے دریافت کیا کہ تیرا نام کیا ہے؟۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی مَیں نے اردگرد دیکھا تو کوئی آدمی نہ تھا ۔مَیں حیران ہو کر پھر درود شریف پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔ اس کے بعد پندرھویں رات مَیں نے خواب میں قادیان کی تمام زمین دیکھی اور مسجد اقصیٰ میں کثرت سے لوگ دیکھے۔ ایک شخص کو کھڑے تقریر کرتے دیکھا۔ کسی شخص نے مجھے پکڑا اور کہا یہ خلیفہ ہے۔مَیں نے اس شخص سے کہا مَیں خلیفہ نہیں پوچھتا۔مَیں اصل امام وقت پوچھتا ہوں۔ اس نے کہا ذرا ٹھہر جاؤ۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لائے اور اس شخص نے کہا کہ یہ اصل امام وقت ہے۔ مَیں حضورؑ کے سامنے جا بیٹھا اور خواب میں بیعت کرنے لگا۔ جب یہ الفاظ بیعت پڑھے رَبِّ اِنِّی ظَلَمْتُ نَفْسِی ......تو میری چیخیں نکل گئیں۔ اور لوگ کہنے لگے کہ یہ سچا ایمان لایا ہے۔ پھر میری آنکھ کھل گئی''۔

(روزنامہ الفضل لاہور 23 ستمبر 1950ء صفحہ 4)

بیعت کے لئے قادیان روانگی

آپ بیان کرتے ہیں کہ:

''مَیں اپنی خوابیں کسی کو نہ بتلایا کرتا تھا ۔ان دو خوابوں کے دیکھنے کے بعد اس روز میرے بھائی منشی عبدالعزیز صاحبؓ نے مجھے کہا کہ قادیان میں جلسہ ہے ،کیا تم چلو گے؟ مَیں نے کہا مَیں ضرور چلوں گا۔راستے میں مَیں نے ان سے پوچھا کہ کیا بیعت کے وقت رَبِّ اِنِّی ظَلَمْتُ نَفْسِی ...... پڑھاتے ہیں۔میرے بھائی نے کہا کہ تمہیں کیسے پتہ ہے ۔مَیں خاموش ہو گیا کیونکہ مَیں خوابیں نہیں بتلایا کرتا تھا۔ جب مَیں قادیان پہنچا تو جو نظارہ مَیں نے خواب میں دیکھا تھا وہی قادیان میں دیکھا۔ جب مسجد اقصیٰ میں گیا تو ایک شخص کھڑا ہو کر تبلیغ کرنے لگا۔ یہ حضرت مولوی نورالدین صاحب (خلیفۃ المسیح الاولؓ) تھے۔مَیں نے خواب میں انہی کو تقریر کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر ہم بیٹھے رہے۔تھوڑی دیر کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لائے ۔آپ کی وہی شکل تھی جو مَیں نے خواب میں دیکھی تھی۔پھر مَیں نے بیعت کر لی اور الفاظ بیعت رَبِّ اِنِّی ظَلَمْتُ نَفْسِی ......والی دعا بھی پڑھی۔ بیعت کرتے وقت میرے دل میں یہ گزرا کہ اب قادیان نہ چھوڑنا چاہیئے خواہ بھیک مانگ کر ہی گزارہ کرنا پڑے''

(روزنامہ الفضل لاہور 23 ستمبر 1950ء)

اگرچہ آپ کا قادیان سے رابطہ 1893ء سے ہو گیا تھا تاہم قادیان آپ باقاعدہ طور پر مارچ 1902ء کو ہجرت کر کے آباد ہو گئے۔

آپ کی خاص سعادتیں

آپ کی چند ایک خاص سعادتیں درج ذیل ہیں:

سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ اپنی کتاب 'نظام نو' میں نظام وصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''کیا ہی خوش قسمت اور قابل رشک ہے وہ مبارک وجود جسے اس ''نظام نو' ' (نظام وصیت) میں سب سے اوّل لبیک کہنے کا شرف حاصل ہوا اور جسے ''نظام نو'' کی بنیادی اینٹ بننے کی توفیق ملی''۔

(روزنامہ الفضل لاہور یکم اگست 1950ء صفحہ 3)

☆......1906ء میں نظام وصیت پر سب سے اول لبیک کہنے والے یعنی موصی نمبر 1۔

☆......وقف زندگی میں سب سے اولین لبیک کہنے والوں میں ۔

☆......حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنا کوٹ بطور تبرک آپ کو عنایت فرمایا۔

☆......ایک دفعہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنا پس خوردہ آپ کو عنایت فرمایا ۔

☆......حقیقۃ الوحی کی سب سے پہلی جلد سیدنا حضرت مسیح موعودؑ نے آپ کو مرحمت فرمائی۔

☆......حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ سے آپ کو عشق و وفا کا خاص تعلق تھا۔

☆......حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے 1934ء میں ''تحریک سالکین'' شروع فرمائی اس فہرست میں آپ کا نام آٹھویں نمبر پر ہے۔

☆......قیام پاکستان کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ارشاد پر آپ چنیوٹ میں مقیم رہے۔

☆......آپ نے فرقان فورس میں بھی شمولیت اختیار کی۔
☆......آپ کی ساری حیات مبارکہ درس وتدریس اور تبلیغ میں گزری۔

میں احمدی کس طرح ہُوا

مکرم چودھری عبدالستار صاحب بی اے آنرز ایل ایل بی مرحوم جو حضرت منشی عبدالعزیز صاحب اوجلویؓ کے داماد تھے، نے یہ حالات مرتب کئے ہیں۔آپ حضرت بابا حسن محمد صاحب سے روایت تحریر کرتے ہیں کہ حضرت بابا حسن محمد صاحب نے بیان کیا:

میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ابتداء میں سخت مخالف تھا۔ اُس وقت میں ڈاکخانہ میں بحیثیت چٹھی رساں ملازم تھا۔ اپنے بھائی منشی عبدالعزیز صاحب اوجلوی کو احمدیت کی وجہ سے سخت الفاظ کہہ دیا کرتا مگر حضرت اقدسؑ کی شان میں برے الفاظ نہ کہتا۔ آخر ایک روز میرے دل میں خیال آیا کہ گذشتہ انبیاء کے وقت میں بھی بہت سے لوگ شک میں رہے اور ان کو قبول نہ کیا۔ایسا نہ ہو کہ مرزا صاحب واقعی وقت کے امام ہوں اور میں ان کے انکار کی وجہ سے منکرین کے زمرہ میں شامل ہو جاؤں۔اس لئے میں نے اس معاملہ میں خدا تعالیٰ سے رو رو کر دعائیں کرنا شروع کیں میں قبرستان میں دعائیں کرتا تا خدا تعالیٰ میری ہدایت فرمائے۔لوگوں میں چرچا ہو گیا کہ رات کے وقت آج کل قبرستان میں کوئی جن یا چڑیل روتی رہتی ہے۔ میں نے دل میں سوچا کہ ایسا نہ ہو کہ لڑکے مجھے قبرستان میں جن یا چڑیل سمجھ کر مارنے لگ جائیں۔اس لئے میں نے قبرستان میں دعا کرنا ترک کر دیا۔ اب میں اپنے گاؤں اوجلہ کی مسجد میں دعائیں کرتا اور روتا۔لوگ کہتے کہ مسجد میں کوئی جن آ گیا ہے اور وہ رات کو روتا رہتا ہے۔ پھر میں نے مسجد بھی چھوڑ دی جنگل میں میری کچھ زراعتی زمین تھی اس جگہ میں نے دعائیں کرنا اور رونا شروع کیا۔ جب چودہ روز مجھے اسی طرح دعائیں کرتے گذر گئے تو اس وقت چاند کی چودھویں رات تھی ۔ میرے چاروں

طرف میدان تھا جس میں کوئی فصل وغیرہ نہ تھی۔ میں درود شریف پڑھ رہا تھا۔ مجھے یکدفعہ غنودگی آئی اور دائیں طرف سے مجھے آواز آئی۔

’’تیرا نام کیا ہے؟ میں نے کہا محمد حسن۔ پھر میں نے اُس بلانے والے سے دریافت کیا کہ تیرا نام کیا ہے۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی‘‘۔

میں نے اردگرد دیکھا تو کوئی آدمی نہ تھا۔ میں حیران ہو کر پھر درود شریف پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔ اس کے بعد پندرہویں رات میں نے خواب میں قادیان کی تمام زمین دیکھی اور مسجد اقصیٰ میں کثرت سے لوگ دیکھے۔ ایک شخص کو کھڑے تقریر کرتے دیکھا۔ کسی شخص نے مجھے پکڑا اور کہا یہ خلیفہ ہے۔ میں نے اس شخص کو کہا۔ میں خلیفہ نہیں پوچھتا میں اصل امام وقت پوچھتا ہوں۔ اس نے کہا کہ ذرا ٹھہر جاؤ۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لائے اور اس شخص نے کہا کہ یہ اصل امام وقت ہیں۔ میں حضورؑ کے سامنے جا بیٹھا اور خواب میں بیعت کرنے لگا۔ جب یہ الفاظ بیعت پڑھے:۔

رب انی ظلمت نفسی واعترفت بذنبی فاغفرلی ذنوبی فا نه لا یغفر الذنوب الا انت.

تو میری چیخیں نکل گئیں اور لوگ کہنے لگے کہ یہ سچا ایمان لایا ہے۔ پھر میری آنکھ کھل گئی ۔مگر پھر میں دوبارہ سو گیا اور دیکھا کہ:

سائیں رحمت اللہ جو ہمارے گاؤں میں خادم مسجد تھا اور فوت ہو گیا ہوا تھا۔ اُس نے مجھے خواب میں کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک جنگل میں چھوڑ گئے ہیں۔

میں اپنی خوابیں کسی کو نہ بتلایا کرتا تھا۔ ان دو خوابوں کے دیکھنے کے بعد اسی روز میرے بھائی منشی عبدالعزیز صاحب نے مجھے کہا کہ قادیان جلسہ ہے کیا تم چلو گے۔ میں نے کہا ہاں میں ضرور چلوں گا۔ راستے میں مَیں نے اُن سے پوچھا کہ کیا بیعت کے وقت رب انـــــی

ظلمت نفسی......۔ پڑھاتے ہیں میرے بھائی نے کہا تمہیں کیسے پتہ ہے۔
میں خاموش ہوگیا کیونکہ میں خوابیں نہیں بتلایا کرتا تھا۔ جب میں قادیان پہنچا تو جو نظارہ میں نے خواب میں دیکھا تھا وہی قادیان میں دیکھا۔ جب مسجد اقصیٰ میں مَیں گیا تو ایک شخص کھڑا ہو کر تبلیغ کرنے لگا۔ یہ حضرت مولوی نورالدین صاحب (خلیفۃ المسیح اوّلؓ) تھے۔ میں نے خواب میں انہی کو تقریر کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر ہم بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لائے۔ آپؑ کی وہی شکل تھی جو میں نے خواب میں دیکھی تھی۔ پھر میں نے بیعت کر لی اور الفاظ بیعت میں رب انی ظلمت نفسی والی دعا بھی پڑھی۔ بیعت کرتے ہی میرے دل میں یہ گذرا کہ اب قادیان نہ چھوڑنا چاہیئے۔ خواہ بھیک مانگ کر ہی گذارہ کرنا پڑے۔
پھر ہم واپس اپنے گاؤں اوجلہ چلے گئے۔ جو قادیان سے بارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ ہر جمعہ میں پیدل چل کر قادیان میں پڑھتا۔ میرے خیال میں مَیں نے 1898ء یا 1899ء میں بیعت کی۔

میں قادیان کیونکر گیا

فرمایا:۔ میں اپنے گاؤں اوجلہ میں اکیلا احمدی تھا۔ میرے چچازاد بھائی منشی عبدالعزیز صاحب باہر ملازم تھے۔ میں اکیلا ہونے کی وجہ سے کچھ گھبرا گیا اور اس امر کے متعلق ایک عریضہ لکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور آگے جا کر حضورؑ کے داہنی طرف بیٹھ گیا۔ رقعہ ابھی میرے پاس ہی تھا۔ مگر حضورؑ نے میرے بیٹھتے ہی بات شروع کر دی کہ بعض دوست گھبراتے ہیں کہ ہم اپنے گاؤں میں اکیلے احمدی ہیں۔ مگر یاد رکھو کہ خدا تعالےٰ متقی کو اکیلا نہیں چھوڑتا۔ اگر اپنے گاؤں یا شہر میں متقی کو آرام ہو تو خدا اسی جگہ اس کے

ساتھ ایک جماعت بنا دیتا ہے۔ ورنہ مرکز میں مخلصین کی جماعت میں پہنچا دیتا ہے۔ چنانچہ میں پھر واپس اپنے گاؤں میں چلا گیا۔ اور تھوڑے دنوں کے بعد ہی خدا تعالےٰ نے میرے قادیان آنے کا انتظام فرما دیا۔

میرے بھائی منشی عبدالعزیز صاحب نے مولوی محمد علی صاحب کو کہا کہ محمد حسن ہجرت کر کے قادیان آنا چاہتا ہے اس کے لئے اگر کوئی انتظام ہو جائے تو بہتر ہے۔ مولوی محمد علی صاحب نے کہا کہ جس طرح میں قادیان آ گیا ہوں اسی طرح محمد حسن صاحب بھی آ جائیں ۔ میں مارچ 1902ء میں قادیان ہجرت کر کے آ گیا۔ اور رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو کی جلد بندی کا ٹھیکہ میں نے لے لیا۔ میں نے مولوی محمد علی صاحب سے کہا کہ اگر یہ رسالہ ہر ماہ کی بیس تاریخ تک تیار نہ ہو تو میں ہرجانہ کا ذمہ دار ہوں مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مبارک مجلس میں جانے سے نہ روکا جائے۔ جب حضورؑ سیر کے لئے باہر نکلیں تو ہمراہ جانے سے نہ روکا جائے اور حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کے درس میں شامل ہونے سے نہ روکا جائے۔

مولوی محمد علی صاحب نے میری یہ بات خوشی سے قبول کر لی اور مجھ کو ایک چپڑاسی دیدیا جس کا نام اللہ دتہ تھا۔ میں نے اُسے کہا کہ ایک وقت کھانا مجھ سے کھایا کرو اور اس کے عوض جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام گھر سے باہر تشریف لائیں مجھے اطلاع کرتے رہا کرو۔ اسی وجہ سے میں حضرت اقدسؑ کی صحبت میں زیادہ رہا۔

حضرت مسیح موعودؑ سراپائے محبت

فرمایا:۔ قادیان آنے کے تھوڑے عرصہ بعد میرا ایک شیر خوار لڑکا فوت ہو گیا ۔ میں قادیان میں کسی کا بھی واقف نہ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسجد میں نماز پڑھنے

کے لئے آتے ہی حضرت مولوی نور الدین صاحب (خلیفہ اوّلؓ) کو آواز دی۔ مولوی صاحب مولوی صاحب! مولوی صاحب آ کر حضورؑ کی طرف بڑھے۔ حضرت نے فرمایا:۔

یہاں ایک دوست محمد حسن صاحب ہیں ان کا لڑکا شیر خوار فوت ہو گیا ہے۔ کیا آپ نے لڑکا دیکھا ہے کیا بیماری تھی؟ میں نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ حضور میرا لڑکا تھا۔ فرمانے لگے کیا بیماری تھی۔ عرض کیا کہ میرے خیال میں اٹھراء تھا۔ اس کے بعد میں خاموش ہو گیا۔ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے باتیں نہیں کیا کرتا تھا۔ خاموش رہتا تھا۔ حضورؑ بھی سمجھتے تھے کہ میں خاموش رہتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

محمد حسن اولاد کس کام کے لئے ہوتی ہے۔ اولاد مشکل وقت میں کام آنے کے لئے ہوتی ہے۔

فرمایا:

محمد حسن انسان پر دو مشکل اوقات آتے ہیں۔ ایک دنیا میں اور ایک آخرت میں۔ دنیا میں اگر اولاد بڑی عمر کی ہو جاتی ہے اور باپ بوڑھا ہو جاتا ہے اور اولاد کو نصیحت کرنا چاہتا ہے تو اولاد کہتی ہے۔ ابا جی آپ کی باتیں ہمیں پسند نہیں آتیں۔ ایسی نصیحتیں آپ ہمیں نہ کریں ورنہ ہم الگ ہو جائیں گے۔ یا کسی اور جگہ چلے جائیں گے۔ یہ بات سن کر ماں باپ کا دل بہت غمگین ہو جاتا ہے کہ اب ہم کیا کریں۔ دوسرا مشکل وقت انسان پر آخر وقت میں آتا ہے دوزخ اور بہشت سامنے ہوتا ہے۔ آدمی کو غم پر غم ہوتا ہے۔ نابالغ بچے جو فوت ہو جاتے ہیں انہیں کہا جائے گا کہ تم بہشت میں چلے جاؤ۔ وہ بچے بہشت میں چلے جائیں گے۔ اس جگہ دیکھیں گے کہ ان کے ماں باپ نہیں ہیں وہ رونے لگ جائیں گے اور کہیں گے اے ربّ! ہمارے ماں باپ کہاں ہیں جس جگہ ہمارے ماں باپ ہیں ہمیں وہاں پہنچا دے۔ حکم ہوگا اپنے ماں باپ کو تلاش کر کے لاؤ۔ پھر وہ اپنے ماں باپ کو تلاش کر کے پہلے ان کو بہشت میں داخل کریں گے۔ بعد میں خود داخل ہوں گے۔

پھر مجھ کو حضرت اقدسؑ فرمانے لگے:

یہ اولاد اچھی یا وہ اولاد اچھی جو بڑی ہو کر سرکشی اختیار کرتی ہے۔

اس پر تمام لوگ مسجد میں مجھے مبارک باد دینے لگے۔ اللہ اللہ! کیا بلند اخلاق اور بلند شان تھی خدا کے اس فرستادہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضورؑ کے اس پاک اسوۂ حسنہ پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے اور ہم سلسلہ کے بہترین خادم ثابت ہوں۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل لاہور، 23/دسمبر 1950ء صفحہ 6)

وقف زندگی

فرمایا:۔ ایک روز نماز کے لئے گھر سے آتے ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمانے لگے صحابہؓ نے اپنی زندگیاں خدا کی راہ میں وقف کی تھیں پھر نماز شروع ہو گئی۔ میں حضورؑ کے اشارے سمجھنے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ میں نے اسی روز اپنی زندگی وقف کرنے کا عہد کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تحریراً مطلع کر دیا۔

پھر میں نے حضرت مولوی سرور شاہ صاحبؓ کو کہا کہ آپ نے کوئی اشارہ سمجھا۔ انہوں نے کہا ہاں سمجھ لیا۔ میں نے عرض کیا۔ میں نے اپنے تئیں وقف کر دیا۔ آپ بھی اپنے تئیں وقف کر دیں۔ یہ اشارہ ہوتے ہی مولوی صاحبؓ نے میری تحریک پر اپنا وقف ہونا لکھ دیا۔

میرے رقعہ پر حضورؑ نے فرمایا۔

''خدا تعالیٰ تمہاری یہ خدمت قبول فرمائے''۔

سب سے پہلے میں نے اپنی زندگی وقف کی پھر دوسرے روز حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نماز کے لئے گھر سے آتے ہی یہ فرمایا۔ کہ:۔

صحابہؓ نے اپنی زندگی وقف کی تھی۔

اس کے بعد نماز شروع ہوگئی۔تیسرے روز پھر آتے ہی حضورؓ نے فرمایا، مفتی صاحب ،مفتی صاحب۔ (یعنی مفتی محمدؓ صادق صاحب)اخبار میں لکھ دو صحابہؓ نے اپنی زندگیاں وقف کی تھیں۔جس شخص کا دل چاہے اپنی زندگی وقف کرے جس کا دل چاہے وقف نہ کرے۔

میں نے اس وقت خدا کا بہت شکر ادا کیا۔ کہ اس نے مجھ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اشارے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی۔تیسرے دن بہت دوست اپنی زندگیاں وقف کرنے لگے۔

وقف جائیداد اور موصی نمبر اوّل کا امتیاز

فرمایا:۔ میں دفتر ریویو آف ریلجنز اردو میں دفتری کا کام کرتا تھا۔ایک روز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آدھی رات سے ایک مضمون لکھنا شروع کیا اور پریس میں کاپی نویسوں کو حکم دیا کہ باقی سب کاموں کو چھوڑ دو اور اس مضمون کو لکھو تا کہ یہ مضمون آج ہی چھپ جائے۔ یہ کتاب الوصیت تھی۔ چنانچہ یہ کتاب چھپنی شروع ہوگئی۔اور میں نے اللہ دتہ مددگار کارکن کو ساتھ لیا اور جلدی جلدی فرمے وغیرہ بنانے شروع کر دیئے۔میر مہدی حسنؓ صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ جس طرح ہو سکے مجھے ایک نسخہ آج ہی تیار کر دو یہ کون سی کتاب ہے جو چھپوائی جارہی ہے۔ میں نے میر مہدی حسن صاحبؓ سے کہا۔ پہلے شائع کرنا منع ہے مگر انہوں نے کہا۔ میں صبح ہی آپ کو لا دوں گا شائع نہ کی جائے گی۔ پھر میں نے دو نسخے کتاب کے تیار کئے۔ایک نسخہ میں رات کو خود لے گیا۔میر صاحبؓ کا مجھے علم نہیں انہوں نے کیا کیا۔مگر میں نے رات کو ایک دفعہ الوصیت پڑھی۔پھر اکیلا بیٹھ کر لـن

تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون کی آیت مدنظر رکھ کر میں نے سوچا محمد محسن تم زمیندار ہو تم کو اس وقت کیا چیز پیاری ہے۔ میرے دل میں آیا کہ زمیندار کو نہری زمین پسند ہوتی ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی نہری زمین وقف کرنے کا ارادہ کر لیا۔ پھر میرے دل میں آیا کہ قادیان میں تجھ کو کیا چیز پیاری ہے۔ اس وقت قادیان میں مکان نہیں ملتے تھے۔ مگر میں نے مکان خرید لیا ہوا تھا۔ پس میں نے مکان کو بھی دین کے لئے وقف کرنے کا ارادہ کر لیا۔ میں اپنی زندگی دین کے لئے پہلے ہی وقف کر چکا تھا۔ میں نے سوچا کہ اب تمہارے پاس کیا رہا۔ اس خیال سے میرا دل نہایت خوش ہوا کہ میرا سب مال خدا کا مال ہو گیا اور میں نے اپنے پاس کچھ نہیں رکھا۔ صبح ہوتے ہی میں نے ایک دوست حافظ عبدالرحیم صاحب کو بُلایا کہ یہ وصیت میری طرف سے لکھ دو۔ اس نے کہا کہ محمد محسن ابھی تو بالکل حکم وغیرہ نہیں ہوا تم یہ کیا کام کرتے ہو۔ میں نے کہا میں تم سے مشورہ نہیں چاہتا۔ میں نے تم کو ثواب کی خاطر لکھنے کے لئے کہا ہے ورنہ لکھنا مجھے بھی آتا ہے۔ پھر اس نے میری وصیت لکھ دی کہ:

وصیت نمبر ایک

میری زمین، میرا مکان اور میری زندگی خدا کے لئے وقف ہے۔ یہ وصیت میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بھیج دی۔ اس وقت میں پہلی شرط وصیت سمجھ نہ سکا۔ مگر میرا یہ طریق تھا کہ جب کبھی کوئی عریضہ حضرت اقدسؑ کی خدمت میں روانہ کرتا تو اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ رقم بھیج دیتا۔ اس روز بھی اس وصیت کے ساتھ ایک روپیہ حضرت اقدسؑ کی خدمت میں بھیجا۔ سنا گیا کہ جس وقت حضرت اقدسؑ کی خدمت میں میری وصیت پہنچی اس وقت دفتر کے منشی کو حضورؑ نے بلایا اور فرمایا کہ جلدی نیا رجسٹر لاؤ۔ وہ فوراً نیا رجسٹر لے گیا۔ پھر حضرت اقدسؑ نے میرا نام اس رجسٹر میں سب سے اوّل نمبر پر درج فرمایا اور وہ

روپیہ جو میں نے وصیت کا ساتھ بھیجا تھا پہلی شرط میں داخل کر دیا۔اس طرح سب سے اوّل موصی میں ہوا۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس روز جلسہ کر کے میری وصیت کے الفاظ اشاروں سے بتا دیئے اور فرمایا کہ جو شخص کسی نیک کام کو پہلے کرتا ہے وہ سب کے درجے لے جاتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ لوگوں نے وصیتیں کرنا شروع کیں۔

وقف اولاد

فرمایا:۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک روز جلسہ کیا اور تمام بڑے بڑے آدمی جماعت کے بُلائے اور ان سے سوال کیا کہ:۔

میری جماعت کے دو بڑے بڑے آدمی مولوی عبدالکریمؓ صاحب اور مولوی برہان الدینؓ صاحب فوت ہو گئے بتاؤ ان کی جگہ لینے کے لئے اور کون تیار ہوئے ہیں؟

لوگوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ایک مدرسہ دینیات کھولنے کی تجویز ہوئی۔ بعد میں حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ: دینیات کی شاخ علیحدہ کھولی جائے اور اس میں لڑکے داخل کئے جائیں اور انہیں وہ علوم اس میں پڑھائے جائیں جن سے انہیں کسی ملک میں کوئی مشکل نہ پڑے۔لوگ اپنے لڑکے وہاں داخل نہیں کرتے تھے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ شاخ دینیات میں جو لڑکے دیئے جائیں میں ان لڑکوں کو دیگر ممالک میں جرنیل کر کے روانہ کروں گا۔

میرا ایک ہی لڑکا تھا (یعنی مولوی رحمت علی مبلغ جاوا وسماٹرا) میں نے اس کو مدرسہ احمدیہ میں داخل کرنا چاہا۔مگر مولوی محمد علی صاحب نے اس کو داخل کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر دوسرے روز میں نے مولوی محمد علی صاحب سے درخواست کی مگر انہوں نے میرا لڑکا شاخ دینیات میں داخل کرنے سے انکار کر دیا۔میرا لڑکا چھوٹا تھا۔تیسرے روز رات کو میں نے

اپنے بچے رحمت علی کو کہا کہ میں بیٹا تیرے لئے کوشش تو بہت کرتا ہوں مگر وہ مدرسہ احمدیہ میں تمہیں داخل نہیں کرتے۔ میرے لڑکے رحمت علی نے صبح ہوتے ہی مجھ کو کہا کہ میاں جی مجھ کو الہام ہوا ہے **فسیکفیکھم اللّٰہُ** ۔ یہ بات بچے کی سن کر میں حیران ہوگیا۔ کہ یہ چھوٹا بچہ ہے بمشکل نو دس سال کا تھا اس کو الہام ہوا ہے۔ پھر میں دفتر چلا گیا اور ایک رقعہ حضرت اقدسؑ کی خدمت میں لکھنا شروع کیا۔ چودھری اللہ داد خاں اس وقت دفتر میگزین ریویو آف ریلجنز اردو میں ہیڈ کلرک تھے۔ انہوں نے مجھے یہ رقعہ لکھتے دیکھا تو کہا کہ محمد حسن مولوی محمد علی صاحب کو سب اختیارات حاصل ہیں۔ شاید وہ لکھ دیں کہ رحمت علی کو کہیں داخل نہ کیا جائے۔ مگر میں نے کہا کہ یہ رقعہ مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں روانہ کر لینے دو۔ اس وقت ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی اور حضرت صاحبزادہ میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب (جو اس وقت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ ہیں) اس وقت بالکل چھوٹے تھے۔ وہ اچانک دفتر میں آ گئے۔ میں نے کہا میاں جی میرا ایک کام کر دو یہ رقعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا دو۔ وہ رقعہ انہوں نے لے لیا اور بھاگ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر آئے اور مجھ کو کہا تمہارا رقعہ حضرت صاحب کو دیا تھا۔ اس پر حضرت صاحب سے جواب لکھا کر مولوی محمد علی صاحب کو دے آیا ہوں۔ میں نے کہا رقعہ میں لکھا تھا:۔

''آپ کو (حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو) میرا تمام حال معلوم ہے۔ میں نے اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں وقف کر دیا ہوا ہے۔ میرا ایک ہی لڑکا ہے اسے بھی آج میں وقف کرتا ہوں۔ اگر حضور اس کو اپنے حکم سے شاخ دینیات (مدرسہ احمدیہ) میں داخل کرا دیں گے تو میں کامیاب ہوگیا۔ میں ایک کام پسند نہیں کروں گا۔ میرے لڑکے کو وظیفہ دیا جائے۔ میں اپنے لڑکے کو صدقے کے مال سے پڑھانا نہیں چاہتا۔ جہاں سے میں کھاؤں گا۔ میرا لڑکا بھی وہاں سے کھائے گا''۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس رقعہ پر یہ لکھ کر مولوی محمد علی صاحب کو روانہ کیا۔
''میں محمد حسن پر بڑا خوش ہوں۔ اس نے مجھ کو لڑکا شاخ دینیات کے لئے دیا ہے۔
میرے حکم سے اس کو شاخ دینیات میں داخل کر دو۔ دوسری بات سے میں محمد حسن پر
اور بھی خوش ہوا۔ جو شخص صدقہ کے مال سے پڑھانا چاہتا ہے وہ کامیاب نہیں
ہوتا۔ اس پر محمد حسن نے خوب سوچا ہے''۔

اگلے روز مولوی محمد علی صاحب دفتر میگزین ریویو آف ریلیجنز اردو میں آئے مجھ سے بہت ناراض ہونے لگے اور کہنے لگے کہ افسوس تم پہ میرا خیال تھا کہ رحمت علی کو بی۔اے، ایم۔اے کرایا جائے۔ کچھ میں مدد کروں گا کچھ تم اس کی پڑھائی میں امداد کرو گے۔ مگر تم نے اس کو ملاّ بنانا چاہا ہے۔ (مولوی محمد علی صاحب ہمارے دور نزدیک سے رشتے دار تھے) میں نے عرض کیا مولوی صاحب مُلاّ لوگ بھی روٹی کھاتے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا اپنے لڑکے شاخ دینیات کے لئے دو یہ ایک ہی لڑکا تھا سو میں نے دے دیا۔ اس لڑکے کا اللہ حافظ ہے۔ یہ وہی لڑکا ہے جو آجکل مولوی رحمت علی مبلغ جاوا وسماٹرا کے نام سے مشہور ہے۔ (روزنامہ الفضل لاہور 26 ستمبر 1950ء، صفحہ 5)

حضرت حمزہؓ کی طرح شہرت

فرمایا کہ:۔ میں قادیان آیا اور آ کر ایک مکان قادیان میں خریدا۔ جب مکان کی رجسٹری لکھوا کر اپنے گھر آیا۔ تو میری بیوی رجسٹری دیکھ کر سخت ناراض ہوئی کہ تم اب بھی دنیادار ہی رہے۔ میں نے پوچھا کہ کیونکر۔ کہا کہ یہ رجسٹری حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام تمہیں کرانی چاہیئے تھی۔ میں نے کہا کہ مولوی محمد علی صاحب وغیرہ نے میرے نام پر رجسٹری کرا دی ہے جب ہم نے دل میں عہد کر لیا ہے کہ جو چیز ہماری ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کی ہے پھر ہم کو کیا۔ کوئی کسی طرح لکھا دیوے۔ پھر اس مکان پر ہم نے قبضہ کر لیا اس مکان میں آتے ہی میری بیوی اور دو بچے اور میری والدہ سب کے سب آٹھ روز کے اندر طاعون سے فوت ہو گئے اور صرف ایک لڑکا رحمت علی جو آج کل مبلغ جاوا وسماٹرا ہے اور جو اس وقت بالکل چھوٹا تھا رہ گیا۔ ان فوت شدگان میں سب سے آخر میں ایک لڑکی فوت ہوئی۔ لڑکی کے جنازے پر حضرت مولوی نورالدین صاحب (خلیفۃ المسیح الاوّلؓ) تشریف لے گئے۔ اس وقت قبرستان میں خلیفہ اوّل نے مجھے فرمایا کہ۔

محمد حسن! مومن وہ ہوتا ہے جو سب باتیں رسول کی مانے تم کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پیغام بھیجا تھا کہ اپنا محلّہ چھوڑ کر جنگل میں چلے جاؤ۔ اس محلے میں طاعون کی بیماری پڑے گی تم کیوں اس محلّہ سے نہ گئے؟

میں نے عرض کیا کہ میں تو اپنا مکان چھوڑ کر جنگل میں چلا جاتا مگر مولوی محمد علی صاحب (جو اس وقت میرے پاس ہی کھڑے تھے) نے مجھے کہا کہ تم اپنے مکان کی چھت کے اوپر رہو۔ اس وقت حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے جوش سے مولوی محمد علی صاحب کو کہا تم کو مجھ سے یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھ لینا چاہیئے تھا۔

مولوی محمد علی صاحب نے جواب میں کہا کہ محمد حسن کی جنگل میں رہنے کی تکلیف مجھ سے دیکھی نہ جا سکتی تھی۔ اس لئے میں نے محمد حسن کو کہا کہ اپنے مکان کی چھت پر رہو۔ اس پر حضرت خلیفہ اوّل مولوی محمد علی صاحب کو ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تمہارے ایک بھائی کو اس قدر تکلیف اور دکھ ہو رہا ہے تم ایک جماعت ہو۔ کیا تمہارے پاس کوئی چپڑاسی نہ تھے۔ خیمے نہ تھے۔ کیا تم اس کی حفاظت نہ کر سکتے تھے۔ جب میں نے دیکھا کہ حضرت خلیفہ اوّلؓ مولوی محمد علی صاحب کو سخت ناراض ہو رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ مولوی صاحب (یعنی حضرت خلیفہ اوّلؓ) آپ کو اور فکر ہے مجھ کو اور فکر ہے۔ میں تو عاشق ہو کر قادیان میں آیا تھا۔ میں نے سب کچھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خاطر قربان کر دیا ہوا ہے۔ مگر میرے دل

میں آتا ہے کہ یہ تکلیفیں جو مجھ کو ہو رہی ہیں ان کو دیکھ کر شاید جماعت کے لوگ کہیں کہ محمد حسن نے معلوم نہیں کیا گناہ کیا ہے جس کی سزا میں اسے یہ تکالیف پہنچ رہی ہیں ۔ یہ بات اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام تک پہنچ گئی اور حضورؑ نے اشارۃً میرے متعلق فرما دیا کہ شاید محمد حسن نے کوئی گناہ کیا ہے تو میری زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا ۔ کیونکہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آواز کو خدا کی آواز یقین کرتا ہوں ۔ اس پر حضرت خلیفہ اوّلؓ نے مجھ کو تسلی دی اور فرمایا ۔ تمہارے خیالات بہت دور جا رہے ہیں جو آپ خیال کر رہے ہیں جماعت میں ابھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا ۔ پھر لڑکی کو دفنا کر حضرت خلیفہ اوّلؓ تشریف لے گئے ۔ اور مجھ کو اسی وقت ایک خیمہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے باغ میں لگوا دیا اور مددگار کارکن وغیرہ مجھ کو دے دیئے اور میرے اور میرے لڑکے کے کپڑے جلا دیئے اور نئے کپڑے مجھ کو دیدیئے ۔

اسی رات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس حضرت خلیفہ اوّلؓ نے میرا ذکر کیا کہ یہ بات محمد حسن نے کہی ہے ۔ کہ لوگ میرے متعلق شاید یہ خیال کریں کہ محمد حسن بہت گنہگار ہے جس کی وجہ سے اس پر یہ تکالیف نازل ہوئی ہیں اور حضور بھی شاید ایسا ہی خیال فرمائیں گے ۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ:

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے سامنے حضرت حمزہؓ کو اس قدر تکلیفیں ہوئیں ۔ یہاں تک کہ ہندہ نے آپؓ کا گوشت کاٹ کاٹ کر پھینک دیا ۔ اس وقت حضرت حمزہؓ کی والدہ آئیں اور کہا کہ حمزہؓ مجھے دکھلا دو مگر رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہؓ کو نہیں دکھلایا ۔ اگر دکھلا دیتے تو ان کی والدہ غم سے مر جاتیں ۔ میرے سامنے حضرت حمزہؓ کی طرح محمد حسن صاحب کو بھی بہت تکلیفیں ہو رہی ہیں اور اپنی طاقت سے بڑھ کر ان کے لئے دعائیں کر رہا ہوں ۔ اگر محمد حسن کا قدم ثابت رہا تو حضرت حمزہؓ کی طرح بہت مشہور ہوں گے ۔ اور جس طرح حضرت حمزہؓ کی باتیں لوگ کرتے ہیں اسی طرح ان کے متعلق لوگ باتیں کریں گے ۔ اگلے روز مجھ کو

خیمہ کے اندر جا کر کثیر احباب نے مبارک باد دی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کے متعلق یہ فرمایا ہے۔ میرا دل نہایت خوش ہوا اور شکر کیا کہ حضور نے مجھے یاد رکھا ہوا ہے۔

میری اہلیہ کیلئے حضرت مسیح موعودؑ کی دعا

فرمایا:۔ مارچ 1902ء میں مَیں قادیان آ گیا۔ سب سے اوّل میں اپنی والدہ کو اپنے ہمراہ لایا سات آٹھ روز کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت ام المومنین نے مجھے پیغام بھیجا کہ جلد جا کر اپنی بیوی کو بھی قادیان لے آؤ۔ چنانچہ میں گیا اور اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے آیا۔ میری بیوی گاؤں کی رہنے والی تھی اور بہت حجاب کرتی تھی۔ ایک روز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس بہت سی عورتیں جمع تھیں۔ میری بیوی بھی اس وقت وہاں پہنچ گئی حضورؑ نے میری بیوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان عورتوں سے فرمایا کہ اپنے تئیں ایسا بناؤ۔ میری بیوی جب فوت ہونے لگی اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مغرب کی سنتیں بہت لمبی ادا کیں۔ لوگ حیران تھے کہ حضورؑ نے اتنی لمبی سنتیں آج پڑھیں۔ پھر حضورؑ نے نماز پڑھ کر مولوی محمد علی صاحب اور دیگر احباب کو کہا کہ:۔

میں نے محمد حسن کی بیوی کیلئے بہت دعا کی ہے اگر اجل اٹل ہے تو یہ عذاب کے ساتھ نہیں مریں گی اور ان کو میری دعائیں بہشت میں بہت فائدہ دیں گی۔ چنانچہ میری اہلیہ استغفار پڑھتے پڑھتے خاموش ہوگئی۔ میں نے ایک ہمسایہ عورت کو آواز دی جو اس سے بہت محبت رکھتی تھی۔ اس نے آ کر دیکھا اور کہا کہ اب آپ اُٹھیں (اس کا سر میری گود میں تھا) یہ فوت ہوگئی ہے۔

نماز پڑھنے کا ارشاد

فرمایا:۔مقدمہ دیوار کے سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام گورداسپور تشریف لائے ہوئے تھے۔ میں نے اپنی چادر دری کے اُوپر بچھادی اور عرض کیا کہ حضورؑ یہاں تشریف فرما ہوں پھر میں نے عرض کیا کہ حضورؑ مجھے کوئی خاص عمل کرنے کے لئے بتلائیں۔فرمایا کہ

''نماز پڑھا کرو'' میں خاموش ہو گیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں چادریں بھیجنا

فرمایا کہ:۔مارچ 1902ء سے لیکر میں قادیان میں رہا اور ہمیشہ میرا یہی طریقہ رہا کہ تین مہینے کے بعد یا چھ مہینے کے بعد دو چادریں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں جب تک حضورؑ زندہ رہے روانہ کرتا رہا۔ایک چادر مصلّے کے لئے اور ایک چادر پلنگ کے لئے۔مجھ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام جواب میں لکھتے:۔

''خدا تعالیٰ تمہاری یہی خدمت قبول فرمائے''۔

میری والدہ ماجدہ فرشتہ تھیں

فرمایا:۔میں ابھی قادیان ہجرت کر کے نہیں آیا تھا کہ میری والدہ صاحبہ سخت بیمار ہو گئیں baqi۔تک نوبت پہنچ گئی۔ میں اور میری بیوی تمام رات اس کے پاس بیٹھے رہے۔ میں نے ایک خط حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں اس سے قبل لکھ دیا تھا۔آدھی رات کے قریب والدہ محترمہ کو بیہوشی میں ایک خواب آیا۔ جب وہ بیدار ہوئیں تو انہوں نے اشارے سے مجھے فرمایا کہ:۔

''ایک بزرگ نے آ کر مجھے کہا کہ تمہارا لڑکا کیسا ہے؟ میں نے کہا کہ میرے لڑکے جیسا اور کس کا لڑکا ہوسکتا ہے۔ مگر اس بزرگ کے حسن کی تاب میں نہیں لا سکی۔ پھر اس نے مجھے کہا کہ اپنے لڑکے کو جلدی سے کہو کہ دعا کرے اور سورۃ یٰسین سنا دے۔ میں نے اس بزرگ سے کہا کہ آپ بھی دعا فرمائیں۔ اس بزرگ نے کہا میں بھی دعا کرتا ہوں تمہارا لڑکا بھی دعا کرے''۔

چنانچہ میں نے اسی وقت وضو کر کے دو نفل پڑھے اور نماز میں ہی دعا کی۔ بعد ازاں میں نے سورۃ یٰسین سنائی تو والدہ صاحبہ پہلے سے زیادہ ہوش میں آ گئیں۔ تیسری دفعہ یٰسین سنائی تو بالکل تندرست ہو گئیں۔ میں نے کوئی دوائی اس وقت نہیں دی اگلے روز والدہ محترمہ نے کہا اب میں تندرست ہوں مجھے نہلا دو۔ ہم نے نہلایا۔ اسی وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خط مجھے پہنچا کہ:

''ہم بھی دعا کرتے ہیں تم بھی دعا کرو''۔

جب میں ہجرت کر کے قادیان آیا تو والدہ ماجدہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھتے ہی فوراً پہچان لیا کہ یہ وہی بزرگ ہیں جو مجھے خواب میں ملے تھے۔ پھر والدہ صاحبہ نے کہا میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر میں ہی رہوں گی۔ چنانچہ وہ وفات تک حضرت اقدسؑ کے گھر میں ہی رہیں اور وفات سے دس بارہ روز پہلے بیماری کی وجہ سے اپنے گھر آ گئیں اور جب فوت ہوئیں تو حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے ان کی میّت کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا کہ محمد حسن تم تو کہتے ہو گے کہ میری والدہ فوت ہو گئی ہیں مگر میرے نزدیک وہ عورت نہ تھیں فرشتہ تھیں۔ کیونکہ میں نے جب کبھی انہیں رات کے وقت دیکھا بلند آواز سے استغفار پڑھتے ہوئے پایا۔ پھر فرمایا جو شخص استغفار پڑھتا رہتا ہے اس کا ایک گناہ بھی نہیں رہتا۔ جب دیگر احباب نے یہ سنا تو میّت کی چارپائی کو شوق سے ہاتھ لگانا شروع کیا۔

(روزنامہ الفضل لاہور، 27 ستمبر 1950ء، صفحہ 4)

حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کے ساتھ تعلق اخوّت

فرمایا کہ:۔حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ (خلیفہ اوّلؓ) نے مجھے ایک رقعہ لکھا کہ میں نے بڑے آدمی چھوڑ دیئے ہیں اور سب سے نچلے طبقہ کے آدمی بھی۔ میں متوسط الحال لوگوں سے جو نہ زیادہ امیر ہیں نہ زیادہ غریب دوستی پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو خدا کے لئے دوستی لگاتا ہے وہ عرش کے سایہ کے نیچے ہوگا۔

میں نے جواب لکھا۔ کہ میں تو پہلے سے ہی آپ سے محبت رکھتا ہوں۔اس وقت میری بیوی فوت ہوگئی ہوئی تھیں۔ میں ایک پیالہ دودھ کا بھرا ہوا حضرت مولوی صاحبؓ کے پاس لے گیا۔آپ بہت ہنسے اور فرمایا کہ یہ چاہتے ہیں کہ مجھے دودھ سے ہی سیر کردیں۔آپ نے اس پیالہ سے تھوڑا سا دودھ پیا۔ کیونکہ آپؓ کو دودھ ہضم نہ ہوتا تھا۔ پھر شاگردوں کو فرمایا کہ سب ایک ایک گھونٹ اس میں سے پیو۔اس طرح پیالہ خالی کر کے مجھے دے دیا۔ میں نے اسی وقت سے یہ دعا شروع کردی **رب اغفرلی و لاخی و ادخلنا فی رحمتک و انت ارحم الراحمین** یعنی اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور اپنی رحمت میں داخل کر اور تو سب رحمت کرنے والوں سے زیادہ رحمت کرنے والا ہے۔ یہ دعا بالالتزام پڑھتا رہتا ہوں۔ کیونکہ میں ان کی صحبت میں بہت رہا ہوں۔

قادیان نہ چھوڑنے کا عزم

فرمایا کہ: مولوی محمد علی صاحب نے اخبار وطن لاہور کے ایڈیٹر کے ساتھ سمجھوتہ کرلیا کہ ہم ریویو آف ریلیجنز اردو کا دفتر لاہور لے آتے ہیں تم ہمارے رسالہ کی اشاعت کرو۔ ایڈیٹر اخبار وطن نے کہا کہ ہم اپنے خریداروں کو تمہارا رسالہ خریدنے کی تحریک کریں گے۔ بشرطیکہ اس رسالہ میں نہ مرزا صاحب کا نام لیا جائے اور نہ آپؑ کے دعاوی کا ذکر ہو۔اور نہ قادیان

کا نام لکھا جاوے۔ میں اس وقت رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو کے دفتر میں دفتری کا کام کرتا تھا۔ میں سخت غمگین ہوا کہ یہ رسالہ لاہور چلا جائے گا۔ مگر میں لاہور نہیں جاؤں گا۔ پھر قادیان کیا کام کروں گا۔ مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو گھر اطلاع بھجوادی حضور علیہ السلام مسجد مبارک میں تشریف لائے اور بیٹھ گئے۔ مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب نے وطن اخبار کے ایڈیٹر کے ساتھ گفتگو کا خلاصہ سنایا۔ حضورؑ نے سن کر بڑے جوش سے فرمایا کہ:

ہم نے سوداگری اور تجارت کی غرض سے یہ رسالہ نہیں نکالا ہم تو اپنا دعویٰ اس کے ذریعہ سے دنیا کے کناروں تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ ہم یہ رسالہ قادیان سے باہر کسی اور جگہ شائع ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ اس پر مولوی محمد علی صاحب خاموش ہو گئے اور میرا دل بے حد خوش ہوا کہ خدا تعالیٰ نے میرا کام بنا دیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنا کوٹ بطور تبرک بھجوایا

فرمایا۔ ایک روز رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو کے دفتر میں چند آدمی آ کر بیٹھ گئے اور آپس میں باتیں کرنے لگے کہ امیروں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کپڑے بطور تبرک مل جاتے ہیں دوسروں کو نہیں ملتے۔ میں نے انہیں کہا یہ باتیں مجھے نہ سناؤ۔ میں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عاشق ہوں۔ اسی وقت میں نے ایک رقعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں لکھا کہ اوورکوٹ اتار کر درمیانہ کوٹ اگر مجھے عطا فرمائیں تو عین عنایت ہوگی۔ اوّل تبرک ہوگا۔ دوم سردی سے بچ جاؤں گا۔ میرا لڑکا رحمت علی رقعہ لے کر حضرت اقدسؑ کی خدمت میں گیا۔ اس کو حضورؑ نے فرمایا کہ تھوڑی دیر تک ہم جواب دیتے ہیں۔ میرا لڑکا چلا آیا۔ حضورؑ گھر تشریف لے گئے اور اپنا درمیانہ کوٹ اتار کر اور اس کا بنڈل بنا کر میر محمد اسحٰق

صاحبؓ جو اس وقت چھوٹے بچے تھے ان کی بغل میں دے دیا اور فرمایا کہ ریویو آف ریلجنز اردو کے دفتر میں جاؤ اور یہ کوٹ محمد حسن صاحب دفتری کو دے کر کہو کہ کیا کوٹ پہنچ گیا۔

چنانچہ میر محمد اسحٰق صاحب نے لا کر مجھے دیا میں نے عرض کیا کہ کوٹ پہنچ گیا۔ وہ آدمی ابھی وہاں بیٹھے تھے۔ میں نے کوٹ دکھلایا اور کہا کہ تم کہتے تھے کہ کپڑے صرف امیروں کو بطور تبرک دیئے جاتے ہیں۔ لو یہ حضرت اقدسؑ نے مجھ غریب کو یہ کوٹ بطور تبرک عنایت فرمایا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی کی سب سے پہلی جلد مرحمت فرمائی

فرمایا:۔ ایک روز رسالہ ریویو آف ریلجنز اردو کے دفتر میں بہت سے احباب آئے۔ اس وقت حقیقۃ الوحی چھپ کر تیار ہو رہی تھی۔ ان میں سے ایک کہنے لگا کہ میں اس کتاب کی سب سے پہلی جلد لوں گا خواہ اس کے لئے مجھے بیس روپے کیوں نہ دینے پڑیں۔ دوسرے نے کہا میں پہلی جلد کی اس سے بھی زیادہ قیمت دوں گا۔ اسی طرح باقی احباب نے بھی کہا۔ میں یہ باتیں سن رہا تھا اور ایک رقعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں لکھ رہا تھا۔ اس رقعہ میں مَیں نے یہ بھی لکھ دیا کہ افسوس میرے پاس اس وقت ایک ہی روپیہ ہے۔ دل میرا بہت تڑپتا ہے کہ حقیقۃ الوحی کی پہلی کاپی میں لوں۔ یہ رقعہ میں نے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں ایک لڑکے کے ذریعہ روانہ کیا اور ایک روپیہ بھی بھیج دیا دیگر احباب جو وہاں بیٹھے تھے ان کو اس رقعہ کے مضمون کا علم نہ تھا۔ حضرت اقدسؑ نے وہ رقعہ اپنے پاس رکھ لیا اور ایک اور کاغذ لے کر میر مہدی حسن صاحبؓ کو جو اس وقت حضورؑ کی کتابوں کے منتظم تھے لکھا کہ ''میں نے محمد حسن صاحب سے حقیقۃ الوحی کی ایک کاپی کی قیمت وصول کر لی ہے ان کو پہلی جلد جا کر دے آؤ''۔

میر مہدی حسن صاحب دفتر رسالہ ریویو آف ریلیجنز میں آئے اور مجھے کہا۔ خواہ قسم کھلا لو خواہ میرا اعتبار کرلو یہ پہلی جلد ہے۔ آپ کی طرف سے اس کی قیمت حضرت اقدسؑ نے وصول کر لی ہے۔ یہ دیکھ کر دیگر احباب حیران سے رہ گئے۔ اللہ اللہ! کیا بلند اخلاق اور شفقت تھی اس خدا کے پیارے محبوب کی جس کی نظیر سوائے مامور من اللہ کے دنیا پیش نہیں کر سکتی۔

حضرت مسیح موعودؑ نے اپنا پس خوردہ بطور تبرک عنایت فرمایا

فرمایا:۔ایک روز میں رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو کے دفتر میں کام کر رہا تھا۔ چند احباب آئے اور دفتر میں بیٹھ گئے۔ باہم باتیں کرنے لگے اور کہنے لگے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کھانا بطور تبرک ہمیں نہیں ملتا۔ مجھے یقین تھا کہ جب میں لکھوں گا حضورؑ تبرک بھجوا دیں گے۔ میں نے انہیں کہا کہ اچھا بارہ بجے دوپہر کے وقت آکر تبرک مجھ سے کھا لیں۔ میں نے اسی وقت حضرت اقدسؑ کی خدمت میں ایک رقعہ لکھا کہ آج کا سب پس خوردہ حضورؑ مجھے عطاء فرمائیں۔ جب دوپہر ہوئی ایک خادمہ بنام دادی مجمع لیکر میرے پاس آگئی اور مجھے کہا کہ یہ حضرتؑ کا سارا پس خوردہ ہے۔ پھر وہ احباب آئے اور حضورؑ کے تبرک کو شوق سے کھانے لگے۔ کئی قسم کے کھانے تھے۔ حضور علیہ السلام نے تمام کھانوں میں سے ایک ایک لقمہ کھایا ہوا تھا۔

دنیا زمین قادیان کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنائے گی

فرمایا:۔ایک دن بسراواں کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام سیر کیلئے تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک بڑ کے درخت کے نزدیک (جو بسراواں کے نزدیک تھا مگر اب کاٹا گیا

ہے) کھڑے ہو گئے ۔اس وقت مولوی کرم دین کا مقدمہ اور دیگر کئی مقدمات حضورؓ کے خلاف دشمنوں نے کھڑے کئے ہوئے تھے۔

حضورؓ نے فرمایا:

مجھے لوگ کہتے ہیں کہ میں واپس آ جاؤں ۔ دیکھو سسّی ایک عورت تھی وہ پنّوں پر عاشق ہو گئی ۔ اسے معلوم تھا کہ اگر میں آگے بڑھی تو ریت میں جل کر مر جاؤں گی اور اگر واپس لوٹوں تو عشق بدنام ہوگا اور سب عاشقوں کا گناہ میری گردن پر ہوگا ۔ پس وہ واپس نہ لوٹی اور آخر ریت میں ہی جل کر ہلاک ہوگئی ۔ میں خدا کا عاشق ہوں ۔ میں کس طرح لوٹ سکتا ہوں ۔آج لوگ مجھے تکالیف اور اذیتیں پہنچاتے ہیں ۔مگر وہ وقت قریب آ رہا ہے جب دنیا اس زمین قادیان کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنائے گی ۔

دعا کیونکر قبول ہوتی ہے

فرمایا کہ :۔ایک شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مسجد مبارک میں دعا کے لئے پوچھا۔اس وقت مسجد مبارک کے نزدیک ایک ویران جگہ (کھولا) ہوتی تھی ۔ جہاں خراس ہوتا تھا اب اس جگہ دفتر محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان ہے اور مسجد مبارک توسیع شدہ ہے۔حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ:۔

اگر اس کھولے میں نجاست کے ڈھیر کی وجہ سے بدبو ہو اور ایک شخص اس ڈھیر کو ہٹائے بغیر خدا تعالیٰ سے دعا کرے کہ مولا اس بدبو کو دور فرما دے تو وہ شخص دعا نہیں کرتا ۔خدا کا امتحان کرتا ہے ۔دعا کرنے والے کو چاہیئے کہ ایک کدال اور ٹوکری لے اور پہلے اس نجاست کے ڈھیر کو اٹھا کر جنگل میں پھینک دے ۔ پھر آ کر وضو کرے اور خدا کے حضور دعا کرے کہ اے میرے رب جو میرا کام تھا وہ میں نے کر دیا ۔ بدبو ہٹانا میرے بس کی بات نہیں تو اپنے

فضل ورحم سے اس بدبو کو ہوا کے ساتھ ہٹا دے۔ انسان کو چاہیئے کہ جس امر کے متعلق دعا کرے اس کے متعلق کوشش بھی کرے تب دعا قبول ہوتی ہے۔

(روزنامہ الفضل لاہور، 28 ستمبر 1950ء، صفحہ نمبر 4)

⌘ ❍ ❖ ❍ ⌘

مجاہد جاوا حضرت مولانا رحمت علی صاحبؓ

آپ کے والد ماجد کا نام حضرت بابا حسن محمدؓ صاحب تھا اور دادا کا نام مولوی کرم الدین صاحب اور پڑدادا کا نام چوہدری صدرالدین تھا۔ آپ کے دادا سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ سے قبل وفات پا چکے تھے۔ آپ کا خاندان ارائیں تھا اور بمقام بنی اوجلہ ضلع گورداسپور میں پھیلا ہوا تھا۔

(ملخص از رسالہ ''الرائع'' لاہور۔ جنوری فروری 1968ء صفحہ 30 تا 36)

چونکہ گزشتہ صفحات میں حضرت بابا حسن محمد صاحب کا تعارف پیش کیا جا چکا ہے لہٰذا اس جگہ آپ کا تعارف پیش نہیں کیا جا رہا۔

ابتدائی حالات زندگی حضرت مولانا رحمت علی صاحبؓ

حضرت مولانا رحمت علی صاحب رئیس التبلیغ و بانی جماعت احمدیہ انڈونیشیا پیدائشی احمدی تھے۔ آپ 1893ء میں اوجلہ (گورداسپور) میں پیدا ہوئے۔ آپ نے بچپن کے ابتدائی ساڑھے آٹھ سال اپنے وطن مالوف اوجلہ میں گزارے۔ آپ کے والد ماجد مارچ 1902ء میں ہجرت کر کے قادیان آ کر آباد ہو گئے۔ چنانچہ اس بارہ میں آپ کے والد ماجد حضرت بابا حسن محمد صاحبؓ بیان کرتے ہیں:۔

''مَیں اپنے گاؤں اوجلہ (گورداسپور۔ یہ گاؤں قادیان سے سترہ میل کے فاصلہ پر بجانب مشرق ہے) میں اکیلا احمدی تھا۔ میرے چچازاد بھائی منشی عبدالعزیز صاحب (یکے از تین صد تیرہ) باہر ملازم تھے۔ مَیں اکیلا ہونے کی وجہ سے کچھ گھبرا گیا اور اس کے متعلق

ایک عریضہ لکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آگے جا کر حضور کے داہنی جانب بیٹھ گیا۔ رقعہ ابھی میرے پاس ہی تھا مگر حضورؑ نے میرے بیٹھتے ہی بات شروع کر دی کہ بعض دوست گھبرا جاتے ہیں کہ اپنے گاؤں میں اکیلے ہی احمدی ہیں۔ مگر یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ متقی کو اکیلا نہیں چھوڑتا۔ اگر اپنے گاؤں یا شہر میں متقی کو آرام ہو تو خدا اس جگہ اس کے ساتھ ایک جماعت بنا دیتا ہے۔ ورنہ مرکز میں مخلصین کی جماعت میں پہنچا دیتا ہے۔ چنانچہ مَیں پھر واپس اپنے گاؤں چلا گیا اور تھوڑے دنوں کے بعد ہی خدا تعالیٰ نے میرے قادیان آنے کا انتظام فرما دیا۔

میرے (چچا زاد بھائی حضرت) منشی عبدالعزیز صاحب (اوجلوی) نے مولوی محمد علی صاحب کو کہا کہ محمد حسن ہجرت کر کے قادیان آنا چاہتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی انتظام ہو جائے تو بہتر ہے۔ مولوی محمد علی صاحب نے کہا کہ جس طرح مَیں قادیان آ گیا ہوں اسی طرح محمد حسن صاحب بھی آ جائیں۔ مَیں مارچ 1902ء میں قادیان ہجرت کر کے آ گیا اور رسالہ ریویو آف ریلیجنز (رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو انگریزی کا آغاز جنوری 1902ء کو قادیان سے ہوا) کی جلد بندی کا ٹھیکہ مَیں نے لے لیا۔ مَیں نے مولوی محمد علی صاحب سے کہا کہ اگر رسالہ ہر ماہ کی بیس تاریخ تک تیار نہ ہو تو مَیں ہرجانہ کا ذمہ دار ہوں۔ مگر مَیں یہ چاہتا ہوں کہ مجھ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مبارک مجلس میں جانے سے نہ روکا جائے۔ جب حضور سیر کے لئے باہر نکلیں تو ہمراہ جانے سے نہ روکا جائے اور حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ (خلیفة المسیح الاوّلؓ) کے درس میں شامل ہونے سے نہ روکا جائے۔ مولوی محمد علی صاحبؓ نے میری یہ بات خوشی سے قبول کر لی۔ اور مجھ کو ایک چپڑاسی دے دیا جس کا نام اللہ دتہ تھا۔ مَیں نے اسے کہا کہ ایک وقت کھانا مجھ سے کھا لیا کرو اور اس کے عوض جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام گھر سے باہر تشریف لائیں مجھے اطلاع کرتے رہا کرو۔ اسی وجہ سے مَیں حضرت اقدسؑ کی صحبت میں زیادہ رہا۔

(روایات حضرت بابا محمد حسن صاحبؓ از روزنامہ الفضل لاہور 23 ستمبر 1950ء صفحہ 4)
اس روایت کی رو سے حضرت مولانا رحمت علی صاحبؓ ساڑھے آٹھ سال کی عمر میں قادیان ہجرت کر کے تشریف لائے۔

قادیان میں ابتدائی تعلیم اور وقف زندگی

جماعت احمدیہ کے جید عالم حضرت مولانا برہان الدین صاحب جہلمیؓ اور حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؓ کا وصال 1905ء میں ہوا۔ان بزرگان احمدیت کے وصال کے بعد سیدنا حضرت مسیح موعودؑ نے ایک موقع پر فرمایا:
''میری جماعت کے دو بڑے احمدی مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی (رضی اللہ عنہ) اور مولوی برہان الدین صاحب جہلمی (رضی اللہ عنہ) فوت ہو گئے ہیں۔بتاؤ ان کی جگہ لینے کے لئے اور کون تیار ہیں''۔

(الحکم قادیان 10 رجنوری 1906ء صفحہ 2)
سیدنا حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے اس ارشاد پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور سیدنا حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی کوششیں کیں۔چنانچہ مدرسہ احمدیہ میں دینیات کی ایک علیحدہ شاخ کھولنے کا فیصلہ ہوا۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دینیات کی شاخ کی بابت فرمایا:
''دینیات کی شاخ علیحدہ کھولی جائے اور اس میں لڑکے داخل کئے جائیں اور انہیں وہ علوم پڑھائے جائیں جن سے انہیں کسی ملک میں مشکل نہ آئے''۔

(اخبار بدر قادیان 13 رجنوری 1906ء صفحہ 8)

مدرسہ احمدیہ میں داخلہ

حضرت بابا محمد حسن صاحبؓ بیان کرتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ شاخ دینیات میں جولڑکے دیئے جائیں گے مَیں ان لڑکوں کو دیگر ممالک میں جرنیل کر کے روانہ کروں گا ۔ میرا ایک ہی لڑکا تھا (حضرت مولانا رحمت علی صاحبؓ) مَیں نے اس کو مدرسہ احمدیہ میں داخل کرنا چاہا۔مگر مولوی محمد علی صاحب (نگران مدرسہ احمدیہ) نے اس کو مدرسہ میں داخل کرنے سے انکار کردیا ۔پھر دوسرے روز مَیں نے مولوی محمد علی صاحب سے درخواست کی مگر انہوں نے میرا لڑکا شاخ دینیات میں داخل کرنے سے انکار کردیا۔میرا لڑکا چھوٹا تھا۔

تیسرے روز رات کو مَیں نے اپنے بچے رحمت علی کو کہا کہ مَیں بیٹا تیرے لئے کوشش تو بہت کرتا ہوں مگر وہ مدرسہ احمدیہ میں داخل نہیں کرتے ۔میرے لڑکے رحمت علی نے صبح ہوتے ہی مجھ کو کہا کہ میاں جی مجھ کو الہام ہوا ہے "فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰه" ۔یہ بات بچے کی سنکر مَیں حیران رہ گیا کہ یہ بچہ چھوٹا ہے بمشکل نو دس سال کا تھا۔اس کو الہام ہوا ہے ۔پھر مَیں دفتر چلا گیا اور ایک رقعہ حضرت اقدسؑ کی خدمت میں لکھنا شروع کیا۔......اس وقت ہلکی ہلکی بارش ہورہی تھی اور حضرت صاحبزادہ میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب جو اس وقت بالکل چھوٹے تھے وہ اچانک دفتر میں گئے ۔مَیں نے کہا میاں جی میرا ایک کام کردو۔ یہ رقعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا دو۔وہ رقعہ انہوں نے لے لیا اور تھوڑی دیر بعد پھر آئے ۔اور مجھ کو کہا کہ تمہارا رقعہ حضرت صاحب کو دیا تھا۔اس پر حضرت صاحب سے جواب لکھا کر مولوی محمد علی کو دے آیا ہوں ۔میں نے رقعہ میں لکھا تھا:

''آپ کو میرا تمام حال معلوم ہے۔مَیں نے اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں وقف کردیا ہوا ہے۔میرا ایک ہی لڑکا ہے اسے بھی آج مَیں وقف کرتا ہوں ۔اگر حضورؑ اس کو اپنے حکم

سے شاخ دینیات (مدرسہ احمدیہ) میں داخل کردیں تو مَیں کامیاب ہوگیا۔مَیں ایک کام پسند نہیں کروں گا کہ میرے لڑکے کو وظیفہ دیا جائے۔مَیں اپنے لڑکے کو صدقے کے مال سے پڑھانا نہیں چاہتا۔ جہاں سے مَیں کھاؤں گا میرا لڑکا بھی وہاں سے کھائے گا''۔

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی طرف سے خط کا جواب

''حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے اس رقعہ پر یہ لکھ کر مولوی محمد علی صاحبؓ کو روانہ کیا:

''مَیں محمد حسن پر بڑا خوش ہوں۔اس نے مجھ کو لڑکا شاخ دینیات کے لئے دیا ہے۔ میرے حکم سے اس کو شاخ دینیات میں داخل کردو۔ دوسری بات سے مَیں محمد حسن پر اور بھی خوش ہوا۔ جو شخص صدقہ کے مال سے پڑھانا چاہتا ہے وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ اس پر محمد حسن نے خوب سوچا ہے''۔

''اگلے روز مولوی محمد علی صاحب دفتر میگزین ریویو آف ریلیجنز اردو میں آئے اور مجھ سے بہت ناراض ہونے لگے۔ اور کہنے لگے افسوس تم پر۔ میرا خیال تھا کہ رحمت علی کو بی۔اے،ایم۔اے کرایا جائے۔ کچھ مَیں مدد کروں گا۔ کچھ تم اس کی پڑھائی میں امداد کروگے۔مگر تم نے اس کو مُلاّ بنانا چاہا ہے (مولوی محمد علی صاحب ...... ہمارے دور نزدیک سے رشتہ دار تھے)۔مَیں نے عرض کیا کہ مولوی صاحب مُلاّ لوگ بھی روٹی کھاتے ہیں۔حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے فرمایا تھا اپنے لڑکے شاخ دینیات کے لئے دو۔ میرا ایک ہی لڑکا تھا، سو مَیں نے دے دیا۔ اس لڑکے کا اللہ حافظ ہے۔ یہ وہی لڑکا ہے جو آج کل مولوی رحمت علی مبلغ جاوا وسماٹرا کے نام سے مشہور ہے''۔

(اخبار الفضل لاہور 26رستمبر 1950ء صفحہ 5)

ابتدائی تعلیم اور مدرسہ احمدیہ

اپنی ابتدائی تعلیم کی بابت حضرت مولانا رحمت علی صاحبؓ بیان کرتے ہیں:

''میری پیدائش سے ہی میرے والد صاحب مرحوم و مغفور کی یہ خواہش تھی کہ وہ مجھے تبلیغ اسلام کے لئے تیار کریں۔ مَیں نے ابھی پرائمری کا امتحان بھی پاس نہیں کیا تھا کہ انہوں نے مجھے مدرسہ احمدیہ قادیان میں داخل کرانا چاہا تا علوم عربیہ حاصل کرنے کے بعد مَیں تبلیغ احمدیت کے قابل ہوسکوں۔ مگر مدرسہ احمدیہ میں داخلہ کیلئے کم از کم پرائمری پاس ہونا ضروری تھا۔ اس لئے مَیں داخل نہ ہوسکا۔ حضرت والد صاحب مرحوم و مغفور مایوس نہ ہوئے۔ بلکہ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بذریعہ تحریر عرض کیا کہ مَیں اکلوتے بیٹے کو خدمت دین کے لئے وقف کرتا ہوں۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: ''رحمت علی کو مدرسہ احمدیہ میں داخل کرلیا جاوے''۔

(خودنوشت سرگزشت حضرت مولانا رحمت علی صاحب صفحہ 1-2)

آپ کی شادی

حضرت مولانا رحمت علی صاحبؓ کی شادی انیس سال کی عمر میں حضرت منشی عبدالعزیز صاحب اوجلوی رضی اللہ عنہ جو آپ کے رشتہ کے چچا تھے کی دختر اختر محترمہ عائشہ بیگم صاحبہ سے 1912ء میں ہوئی۔ نظام وصیت کی بنیادی اینٹ آپ کے والد ماجد حضرت بابا حسن محمدؓ تھے جن کا وصیت نمبر ایک ہے۔ حضرت مولوی رحمت علی صاحبؓ نے 1913ء میں وصیت کی۔ آپ کا وصیت نمبر 732 ہے۔

(ریکارڈ دفتر وصیت و کتبہ حضرت مولانا رحمت علیؓ)

مولوی فاضل کا امتحان

1918ء میں آپ نے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔مولوی فاضل کے امتحان پاس کرنے والے بزرگان میں آپ کا نام ابتدائی فاضلین میں شمار ہوتا ہے۔1921ء میں آپ نے او۔ٹی کا امتحان پاس کیا اور تعلیم الاسلام ہائی سکول میں اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

تحریک وقف زندگی

جماعت احمدیہ عالمگیر کی بڑھتی ہوئی تبلیغی اور اشاعتی سرگرمیوں کے پیش نظر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے 7/دسمبر 1917ء کو ''تحریک وقف زندگی'' کا اجراء فرمایا۔اس مبارک تحریک میں تریسٹھ مخلص نوجوانان احمدیت نے لبیک کہا ۔بعض کے اسماء حسب ذیل ہیں:

(۱) مولانا عبدالرحیم صاحب دردؔ ایم۔اے۔
(۲) مولانا جلال الدین صاحب شمس مرحوم۔
(۳) مولانا ظہور حسین صاحب مبلغ بخارا۔
(۴) مولانا غلام احمد صاحب بدوملہوی۔
(۵) شیخ محمود احمد صاحب عرفانی۔
(۶) مولانا رحمت علی صاحب (رئیس التبلیغ انڈونیشیا)

1921ء کے اواخر میں آپ نے مبلغین کلاس پاس کر لی اور 1922ء سے 1924ء کے آخر تک آپ تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں بطور استاذ العربی پڑھاتے رہے۔ چنانچہ اس کی بابت حضرت مولانا رحمت علی صاحبؓ لکھتے ہیں:

''خاکسار 1922ء سے 1924ء کے آخر او 1925ء کی ابتداء تک (تعلیم الاسلام)

ہائی سکول میں پڑھاتا رہا۔ اوراسی دوران سماٹرا کے چند طلباء وہاں آئے تو حضور نے ان کی درخواست پر مجھے منتخب فرما کر جون 1925ء میں مجھے پاسپورٹ بنوانے کا ارشاد فرمایا۔ جب مجھے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پاسپورٹ کا حکم موصول ہوا تو مجھے ایک طور پر انتہائی مسرت ہوئی کہ میرے خواب شرمندۂ تعبیر ہورہے ہیں اور دوسری طرف حضرت والد صاحب نے بھی اپنی دیرینہ آرزو پوری ہوتے دیکھ لی۔ لیکن اس لئے بھی خوش تھا کہ خلیفۂ وقت نے مجھ پر اعتماد کرتے ہوئے جزائرشرق الہند میں تبلیغ کے لئے منتخب فرمایا لیکن اس کے ساتھ ایک دھڑکن میرے دامن مسرت کو تھام رہی تھی کہ مجھے اپنی کمزوریوں کا بھی احساس ہورہا تھا"۔ (ماہنامہ خالد اپریل 1962ء صفحہ 13)

جزائرشرق الہند کے لئے جب آپ کا انتخاب ہوا تو اس وقت آپ کے دلی جذبات کی کیفیت کیا تھی اس کی بابت آپ لکھتے ہیں:

"مَیں نہیں جانتا تھا کہ مَیں اس فرض سے عہدہ برآ ہوسکوں گا یا نہیں۔ میرا دل...... جذبات سے پر تھا۔ اورحقیقت یہ ہے کہ قادیان سے جزائرشرق الہند کو روانہ ہونے کے وقت میں بے حد غمگین تھا۔ مجھے یاد ہے کہ مَیں نے اس غم کا اظہار حضرت مولوی شیر علی صاحب رضی اللہ عنہ سے بھی کیا تھا اور دھڑکتے دل سے درخواست دعا کی تھی"۔

(ماہنامہ خالد اپریل 1962ء صفحہ 15)

اذن الٰہی سے انتخاب

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جون 1925ء کو حضرت مولانا رحمت علی صاحب رضی اللہ عنہ کا جزائرشرق الہند کے لئے انتخاب فرمایا اور ایک موقعہ پر آپ نے ارشاد فرمایا :

''بعض لوگ کہتے ہیں مَیں نے سادے سے مولوی رحمت علی کو بھیج دیا ہے۔ وہ کام کیا کرے گا۔ مَیں کہتا ہوں صحابہ بھی سادے ہی تھے۔ کیا ان جیسے کوئی کارنامے کر سکا۔ میرا رحمت علی کو بھیجنا اذنِ الٰہی سے تھا''۔

(روزنامہ الفضل قادیان 10/جنوری 1939ء صفحہ 5)

روئیداد سماٹرا جاوا

حضرت مولانا رحمت علی رضی اللہ عنہ اپنے مجاہدانہ امور کی بابت بیان کرتے ہیں:

''مَیں ...... 1925ء کو قادیان سے روانہ ہوا۔ جزائر شرق الہند جن کو اب انڈونیشیا کہتے ہیں میری منزلِ مقصود تھی۔ مَیں ستمبر 925ء میں اس ملک میں داخل ہوا۔ اور جہاز سے اتر کر سب سے پہلے سماٹرا کے جس قصبہ میں میرا قیام ہوا اسے ''تاپا توان'' کہتے ہیں۔ تاپاتوان کے معنے مبارک قدم کے ہیں۔ تفاؤل کے طور پر مَیں نے سمجھا کہ انشاء اللہ مَیں اپنے کام میں ضرور کامیاب ہوں گا۔ 'تاپاتوان' میں چند ماہ قیام کرنے کے بعد مَیں نے اپنے آئندہ سفر کا پروگرام بنایا اور تبلیغی نقطہ نگاہ سے مختلف شہروں کا جائزہ لینے کے بعد پاڈانگ کو اپنا ہیڈ کوارٹر مقرر کیا۔ جہاں خدا تعالیٰ کے فضل سے جلدی ہی ایک خاصی جماعت قائم ہوگئی۔

انڈونیشیا میں چار سال فریضہ تبلیغ ادا کرنے کے بعد چند دوستوں کے ہمراہی میں مَیں نے قادیان آنے کا ارادہ کیا۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا ارشاد موصول ہوا کہ آتے ہوئے ''جاوا'' کے حالات کا بھی جائزہ لیتا آؤں۔ چنانچہ اس ہدایت کے مطابق قادیان آتے ہوئے مَیں نے چند دن جاوا میں قیام کیا اور مختلف لوگوں، سوسائٹیوں اور انجمنوں سے مل کر وہاں کے حالات کا جائزہ لیا۔ ایک مباحثہ بھی ہوا اور اس

کے بعد مَیں قادیان آ گیا۔

قادیان میں چند ماہ قیام کے بعد 1930ء میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے عاجز کو دوبارہ انڈونیشیا جانے کے لئے ارشاد فرمایا اور ایک اور مبلغ مکرم مولوی محمد صادق صاحب مولوی فاضل کو بھی میرے ساتھ روانہ کیا۔

ہم دسمبر 1930ء میں پاڈانگ پہنچے۔ 1925ء میں جب مَیں پاڈانگ آیا تھا اس وقت میں تن تنہا تھا۔ کوئی آدمی مجھے جانتا نہ تھا اور نہ میں کسی سے واقف تھا۔ لیکن اس دفعہ جب جہاز ساحل پر لنگر انداز ہوا تو مردوں، عورتوں اور بچوں کا ایک جم غفیر میرے استقبال کے لئے چشم براہ تھا۔ یہ لوگ دور سے ہی مجھے دیکھ کر اشاروں سے دوسروں کو بتا رہے تھے۔ اور اپنے رومال ہلا ہلا کر اپنی محبت کا اظہار کر رہے تھے۔ اگر خود ستائی پر محمول نہ کیا جائے تو مَیں کہوں گا کہ اس وقت یوں محسوس کر رہا تھا کہ گویا میں ایک فاتح جرنیل کی حیثیت سے اپنے مفتوحہ علاقہ میں داخل ہو رہا ہوں۔ پہلی دفعہ جب مَیں وہاں گیا تو گویا مَیں گونگا تھا۔ وہاں کی زبان سے مَیں واقف نہ تھا اور نہ لوگ میری زبان جانتے تھے۔ لیکن 1930ء میں جب میں دوبارہ وہاں گیا تو مَیں ان کی زبان بخوبی سمجھ سکتا تھا اور اس میں گفتگو بھی کر سکتا تھا۔

چھ سال کی تبلیغی جدوجہد کے بعد 1936ء میں مَیں دوبارہ عازم وطن ہوا۔ اس وقت تک میرے پاس دو اور مبلغ مکرم ملک عزیز احمد صاحب اور مکرم مولوی عبدالواحد صاحب سماٹری پہنچ چکے تھے۔ اور مَیں انہیں اپنا کام سونپ سکتا تھا۔ وطن کو روانگی کے وقت جو لوگ مجھے الوداع کہنے کے لئے آئے ان میں ہزاروں مرد، عورتیں، بچے، جوان، بوڑھے، سفید اور کالے اور گندمی رنگ والے شامل تھے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب جہاز نے لنگر اٹھایا، کئی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں۔ انہیں دیکھ کر میری آنکھیں بھی اشکبار ہو گئیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ مَیں جاوا میں اکیلا داخل ہوا تھا لیکن اب ہزاروں لوگ مجھے الوداع کہنے کے لئے بندرگاہ آئے ہوئے تھے۔ وہ ایک عجیب نظارہ تھا جو اب تک میری آنکھوں کے

سامنے ہے جسے الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ میرے فوٹو لئے جا رہے تھے اور کئی لوگ رو رہے تھے۔ جہاز کے مسافر حیران تھے کہ یہ کون سا محبوب لیڈر ہے جس پر ہزاروں لوگ شیدائیوں کی طرح اُمڈے آتے ہیں اور جس کو مختلف قوموں کے لوگ الوداع کہنے آئے ہیں۔

1937ء میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے سہ بارہ ارشاد فرمایا کہ مَیں انڈونیشیا جاؤں کیونکہ ان جزائر کی روحانی فتح ابھی تشنہ تکمیل تھی۔ جب میں جکارتہ پہنچا تو ہزاروں لوگ پہلے کی طرح استقبال کے لئے موجود تھے۔ ابھی جہاز کنارے پر نہیں لگا تھا کہ لوگ مجھے ملنے کے لئے تختۂ جہاز پر چڑھنے شروع ہو گئے اور ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ میرے اردگرد اچھی خاصی تعداد میں لوگ جمع ہو گئے۔ کوئی مجھ سے معانقہ کر رہا تھا اور کوئی مصافحہ اور کوئی میرے سامان کا انتظام کر رہا تھا۔

مَیں جہاز سے اتر کر معائنہ کے کمرہ میں داخل ہونے کے لئے آگے بڑھا تو پولیس والوں نے کہا کہ آپ کے اس کمرہ میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں، آپ شہر جا سکتے ہیں۔ مَیں موٹر میں سوار ہو کر دارالتبلیغ آیا اور چند دن قیام کر کے جاوا کی جماعتوں کے دورہ پر روانہ ہو گیا اور تبلیغی جدوجہد میں منہمک ہو گیا۔

1938ء میں جب خلافت جوبلی منانے کا فیصلہ کیا گیا تو مَیں نے دربارِ خلافت سے چند ماہ کی رخصت پر قادیان آنے کی اجازت چاہی تا اس مبارک تقریب میں شریک ہو سکوں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات ونشانات کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھ سکوں۔ مجھے اجازت مل گئی اور مَیں قادیان چھٹی گزارنے کے بعد چوتھی مرتبہ عازم انڈونیشیا ہوا۔ چونکہ سماٹرا کی جماعتوں کی خواہش تھی کہ مَیں جاوا جاتا ہوا انہیں بھی دیکھتا جاؤں اس لئے پہلے میں سماٹرا کے شہر میدان گیا۔ جہاں مکرم مولوی محمد صادق صاحب مولوی فاضل مقیم تھے۔ وہاں چند دن قیام کرنے کے بعد مولوی صاحب موصوف

کے ہمراہ ''بلت تنگی'' گیا ۔ پاڈانگ اور دوسرے شہروں کے کئی دوست اڈے پر پہنچے ہوئے تھے انہوں نے میرے قیام کا انتظام ایک ہوٹل میں کیا ہوا تھا۔ گو مَیں اس وقت بیمار تھا اور سخت تھکاوٹ محسوس کر رہا تھا لیکن دوستوں کی ملاقات کی وجہ سے سب تھکاوٹ دور ہوگئی۔ پھر پاڈانگ گیا۔ پاڈانگ اور دوسرے متعدد شہروں میں لیکچر دئے اور بفضل خدا کامیاب لیکچر دیئے۔

1925ء میں جب مَیں سماٹرا گیا تو اس وقت میری سخت مخالفت ہوئی۔ دجّال، مرتد، واجب القتل اور دیگر مختلف القاب سے مجھے یاد کیا جاتا تھا۔لوگ مداری کہہ کر میرے پیچھے تالیاں بجایا کرتے تھے اور میرا مذاق اڑایا جاتا تھا۔لیکن 1940 میں جب خلافت جوبلی میں شرکت کرنے کے بعد مَیں سماٹرا گیا۔ تو انتہائی مخالف لوگ بھی جب ملتے تو عزت سے پیش آتے اور مجھے یہ صورت حال 1925ء سے بالکل مختلف نظر آتی تھی۔

مَیں نے پاڈانگ پہنچتے ہی یہ فیصلہ کیا کہ ایک ہفتہ تک یہاں قیام کرنے کے بعد مَیں جاوا روانہ ہو جاؤں گا۔ لیکن تقریروں کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوگیا کہ موافق اور مخالف دونوں قسم کے لوگ جوق در جوق تبادلۂ خیالات کے لئے آنے لگے اور جن لوگوں کو مجھے خود ان کے پاس پہنچ کر تبلیغ کرنی چاہئے تھی وہ خود بخود میرے پاس پہنچنے لگے۔ مَیں نے ایسے موقعہ کو ضائع کرنا کفران نعمت سمجھا۔ اور مختلف شہروں میں مختلف مواضیع پر لیکچر دینا شروع کئے ۔ تین ماہ کے بعد فراغت ملی اور مَیں جاکرتا روانہ ہوگیا۔

جکارتہ پہنچ کر از سر نو تبلیغی لائحہ عمل مرتب کیا اور کام شروع کر دیا۔ لیکن اسی اثناء میں جنگ چھڑ گئی اور کچھ مدت کے بعد جاپان نے ان جزائر کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ حکومت نے تمام تبلیغی اداروں اور انجمنوں کو تقریروں، مباحثوں اور تبلیغ سے حکماً روک دیا ۔ میرے لئے تبلیغ کا میدان بہت محدود ہوگیا اور مجھے محض تحریری تبلیغ پر اکتفا کرنا پڑا۔ مَیں نے مختلف کتب لکھیں۔ ماہ مئی 1950ء میں مجھے وطن واپس آنے کا موقع ملا اور مَیں سیدھا

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے حضور ربوہ حاضر ہو گیا ''۔

(ماخوذ از: ماہنامہ خالد ربوہ، اپریل 1962ء صفحہ 1 تا 14)

حضرت مولانا رحمت علی صاحبؓ مجاہد جاوا سماٹرا وبانیٔ جماعت جزائر شرق الہند (انڈونیشیا) و رئیس التبلیغ انڈونیشیا نے چار مختلف ادوار میں قریباً پچیس سال انڈونیشیا میں مجاہدانہ کارنامے سرانجام دیئے۔ آپ کے والد حضرت بابا حسن صاحبؓ نے آپ کو حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے عرض کی:

''حضور ایہہ میرا جھلّا جہیا پتّر اے اینوں مَیں وقف کرنا آں''۔

حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:

''مَیں اسے جرنیل بنانا چاہتا ہوں آپ اسے جھلّا کہتے ہیں''۔

طلبائے جاوا سماٹرا قادیان میں

سیدنا حضرت حجۃ اللہ مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے 1880ء سے قبل یَـاْتُـوْنَ مِنْ كُـلِّ فَجٍّ عَـمِيْقٍ وَيَاْتِيْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ کے کئی الہامات ہوئے۔ (براہین احمدیہ چہار حصص) اور بعد میں بھی ایسے ہی الہامات ہوتے رہے۔ ان الہامات کا ظہور 1880ء سے لے کر 1908ء تک ہزاروں بلکہ لاکھوں مرتبہ ہوا۔ اور یوں ان الہامات کی بدولت سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے طور پر لاکھوں نشانات کا ظہور ہوا۔

یہ الہامات آج بھی پورے ہو رہے ہیں اور کل بھی انشاء اللہ پورے ہوتے رہیں گے۔ 1925ء تک کئی ممالک بیرون ہند جماعت احمدیہ کے تبلیغی مراکز اور جماعتیں قائم ہو چکی تھیں۔

(رپورٹ ہائے مجلس شوریٰ 1922-1925ء)

تاہم جزائر شرق الہند (انڈونیشیا) میں اوائل 1925ء تک مشیت ایزدی کے تحت نہ کوئی مبلغ اسلام روانہ ہوسکے اور نہ ہی وہاں جماعت احمدیہ قائم ہوئی۔ البتہ یَاْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ کے مطابق جزائر شرق الہند (سماٹرا) سے چند مسلمان طلباء ہندوستان کے مختلف علاقوں سے ہوتے ہوئے قادیان دارالامان پہنچے۔ یہ عجیب اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ پیاسے خود کنوئیں کے پاس پہنچے۔ حالانکہ جماعت احمدیہ کے مبلغین کئی دوسرے ممالک میں مجاہدانہ کارنامے سرانجام دے رہے تھے۔ طلبائے جاوا سماٹرا کس طرح مختلف بلاد ہند سے ہوتے ہوئے قادیان پہنچے اور ان کے کیا جذبات واحساسات تھے اس بارہ میں ایک جائزہ ملاحظہ ہو:

''1923ء میں چند سعید الفطرت اور سلیم الطبع انڈونیشین نوجوانوں کے دل میں تحریک پیدا ہوئی کہ وہ ہندوستان میں آ کر تعلیم حاصل کریں۔ وہ کلکتہ لکھنؤ اور لاہور سے ہوتے ہوئے قادیان پہنچے۔ خدا کی تقدیر نے انہیں منتخب کرلیا، سعادت جبلّی نے معاونت کی''۔

(ماہنامہ تحریک جدید ستمبر 1978ء صفحہ 14-15)

جماعتی اخبارات ورسائل کی رپورٹ ہائے شوریٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ جزائر شرق الہند کے طلباء مولانا ابوبکر ایوب صاحب، مولانا نورالدین احمد صاحب، مولانا زینی دہلان صاحب اور حاجی محمود احمد صاحب سب سے اول لکھنؤ پہنچے اور ایک عالم سے تعلیم حاصل کرنے لگے۔ اور کچھ عرصہ ان کے پاس قیام کیا۔ ایک دفعہ ان سعید الفطرت نوجوانوں نے دیکھا کہ ان کے استاد اپنے کسی استاذ یا پیر کی قبر پر سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ نظارہ دیکھ کر وہ بیزار ہوکر لکھنؤ سے لاہور آ گئے اور چند ماہ وہاں قیام کیا۔ لاہور میں ان کا قیام احمدیہ بلڈنگز میں تھا جہاں تعلیم حاصل کرنے لگے۔ یہاں انہیں معلوم ہوا کہ اصل مرکز جماعت احمدیہ قادیان ہے۔ لاہور میں ان کی تعلیم وتربیت کا بھی خاطر خواہ اہتمام نہ ہوسکا جس کی بنا پر یہ طلباء تنگ

ودو کرتے ہوئے اگست 1923ء میں قادیان دارالامان پہنچے۔

(ریویو آف ریلیجنز اردو قادیان جنوری 1947ء صفحہ 54-55)

یہ طلباء جب اگست 1923ء میں قادیان پہنچے تو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم دینی تعلیم کے حصول کے لئے یہاں آئے ہیں مگر ہماری تعلیم کا کوئی معقول بندوبست نہیں ہوسکا اور نہ انتظام کیا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے از راہ شفقت فرمایا:

''مَیں دینی تعلیم کا بندوبست کرسکتا ہوں مگر شرط یہ ہوگی کہ آپ چھ ماہ تک صرف اردو زبان پڑھیں۔ چنانچہ انہوں نے پہلے اردو سیکھی اور پھر دینیات کی تعلیم حاصل کرنے لگے''۔

(رپورٹ مجلس مشاورت 1925ء صفحہ 5)

حضرت مولانا محمد صادق صاحب سماٹری طلباء سماٹرا کی بابت بیان کرتے ہیں:

''انہوں نے نہ صرف احمدیت کو قبول کیا بلکہ خط و کتابت کے ذریعہ انڈونیشیا میں تبلیغ بھی شروع کردی۔ انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں درخواست کی کہ جہاں دیگر اکناف عالم میں مبلغین بھیجے جارہے ہیں وہاں انڈونیشیا میں بھی مبلغ بھجوایا جائے''۔

(ماہنامہ تحریک جدید ستمبر 1978ء صفحہ 15)

چنانچہ اس بات کی تصدیق کہ درحقیقت احمدیت کا سب سے اول جزائر شرق الہند میں پیغام پہنچانے والے طلباء سماٹرا ہی تھے، حضرت مولانا محمد صادق صاحب سماٹری کی درج ذیل تحریر سے ہوتی ہے:

''جب یہ تمام اصحاب (طلباء جاوا و سماٹرا) حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لاچکے تو انہوں نے چاہا کہ ان نور...... سے اپنے رشتہ داروں اور ہم وطنوں کو مستفیض و منور کیا جائے۔ انہوں نے اپنے عزیز رشتہ داروں سے خط و کتابت شروع کردی اور احمدیت

یعنی حقیقی اسلام کے متعلق بڑے وسیع وعریض خطوط لکھے جس کے نتیجہ میں بعض تو اس عرصہ میں حضرت مسیح موعود ومہدی دوراں پر ایمان لے آئے اور بعض مستعد ہو گئے اور بعض نے مخالفت کا پہلو اختیار کر کے بحث شروع کر دی۔

(مولانا محمد صادق سماٹری 'سماٹرا میں احمدیت' از ریویو آف ریلیجنز اردو جنوری 1947ء صفحہ 56)

اس سلسلہ میں رپورٹ مجلس مشاورت 1925ء سے بعض کوائف پیش ہیں:

''سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ 1924ء کو دورۂ یورپ پر تشریف لے گئے۔ جب آپ دورۂ یورپ سے قادیان واپس تشریف لائے تو آپ کی خدمت اقدس میں کئی ایڈریس پیش کے گئے۔ جزائر شرق الہند کے طلباء جو ابھی کچھ عرصہ قبل قادیان تشریف لائے تھے انہوں نے بھی حضور کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا جس کا ذکر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مجلس مشاورت کے موقعہ پر فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں:

''اسی طرح ایک اور بات ہے جسے صیغہ دعوت وتبلیغ کو بھی لینا چاہئے تھا اور وہ سماٹرا کے لڑکوں کا آنا ہے۔ بہت ہوشیار اور بڑے مخلص ہیں۔ ان میں تبلیغ کا اس قدر جوش ہے کہ ابھی سے انہوں نے اپنے ملک کے لوگوں میں تبلیغ شروع کر دی ہے۔ اور اچھا اثر ڈال رہے ہیں۔ یہ بھی نیا کام ہے۔ ان طلباء کے ذریعہ چین، فلپائن اور جاپان میں بھی تبلیغ ہو سکتی ہے۔ اور مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ طلباء ان علاقوں کے لئے بہت مفید ثابت ہونگے۔ وہ نظارہ دیکھنے کے قابل تھا جب ان طلباء نے مجھے ایڈریس دیا تھا۔ اس سے نہ صرف خوشی کے جذبات ظاہر ہوتے تھے بلکہ وہ ایک دردناک نظارہ بھی تھا۔ جس طالبعلم نے وہ ایڈریس پیش کیا تھا اس کی عجیب حالت تھی۔ اس کے آنسو رواں تھے۔ اس نے نہایت دردناک اپیل کی کہ ہمارے ملک کے لوگوں کو اس وقت تک کیوں اس نعمت سے محروم رکھا گیا ہے۔ تو ان طلباء کا جوش اور سلسلہ کے لئے غیرت قابل رشک ہے اور بہت اعلیٰ نمونہ

ہے۔ یہ سلسلہ کے ایسے کام تھے جن سے جماعت کو واقف کرنا ضروری تھا کیونکہ واقفیت کے بغیر جوش نہیں پیدا ہوسکتا''۔

(رپورٹ مجلس مشاورت قادیان 1925ء صفحہ 25)

حضرت مولانا رحمت علیؓ کا انتخاب

جہاں تک انڈونیشیا میں سب سے اول جماعت احمدیہ کا بیج بونے کا تعلق ہے درحقیقت اولین پیغام پہنچانے والے یہی طلباء جاوا وسماٹرا ہی تھے۔ جنہوں نے اگست 1923ء سے جولائی 1925ء تک کے قلیل عرصہ میں احباب انڈونیشیا اور اخبارات ورسائل انڈونیشیا سے مسلسل خط وکتابت جاری رکھی اور جرائد ورسائل کو احمدیت کے تعارف وعقائد پر مضامین بھی ارسال کرتے رہے جو وہاں کے مقامی اخبارات میں شائع ہوتے رہے۔ ان کی مجاہدانہ کارروائیوں اور مساعی ہائے جمیلہ سے جزائر شرق الہند میں جماعت احمدیہ کا پہلا تعارف ہوا۔ تاہم انڈونیشیا کیلئے سب سے اول مبلغ بننے اور رئیس التبلیغ بننے کا اعزاز حضرت مولانا رحمت علی صاحبؓ کو حاصل ہوا۔ اور آپ نے چند سالوں میں جزائر شرق الہند میں تاثیر محبت سے انقلاب برپا کردیا اور ہزاروں پاک روحوں کو احمدیت کا گرویدہ بنالیا۔

قادیان سے ''تاپاتوان'' تک

حضرت مولانا رحمت علی صاحبؓ 17/اگست 1925ء کو قادیان سے روانہ ہوئے اور جزائر شرق الہند کے ایک شہر تاپاتوان پہنچے۔ تاپاتوان کے معانی ہیں ''مبارک قدم'' آپؓ نے اس نام سے نیک فال لی اور بعد کی پچیس سالہ مجاہدانہ حیات نے ثابت کردیا کہ واقعی آپ کے قدم جزائر شرق الہند کیلئے مبارک قدم ثابت ہوئے۔

روئیداد سفر انڈونیشیا

حضرت مولانا رحمت علی صاحب رئیس التبلیغ انڈونیشیا اپنے خود نوشت تبلیغی واقعات میں لکھتے ہیں:

''سب سے پہلے جب مَیں ہندوستان سے جزائر شرق الہند کے لئے روانہ ہوا تو کلکتہ سے روانگی کے وقت میرے ساتھ بہت سے ہندوستانی تھے جنہیں سنگاپور اور پنانگ جانا تھا۔ان کی معیت میں مجھے بات چیت کے لحاظ سے راستہ بھر کوئی تکلیف نہ ہوئی لیکن جب ہم قرنطیہ سے نکل کر پنانگ آئے تو سب ہندوستانی اپنے اپنے مقامات کو چل دئے اور مَیں اکیلا شخص رہ گیا جسے پنانگ سے سماٹرا کو روانہ ہونا تھا ۔

اُس وقت مجھے ادھر کی کوئی زبان نہ آتی تھی اور اتفاق سے اس جہاز کے کارکنوں میں کوئی بھی آدمی میری بولی نہیں سمجھتا تھا۔اس لئے جہاز پر مجھے اچھی خاصی پریشانی ہوئی ۔مَیں خدا سے دعا کرنے لگا کہ کوئی آدمی ایسا مل جائے جن سے مَیں بات کرسکوں۔تا پا توان کے رہنے والے محمد صامین قادیان میں آئے تھے اور واپس جا چکے تھے ۔ قدرتی طور پر مجھے خیال پیدا ہوا کہ اتفاقیہ وہ مل جائیں تو سب پریشانی دُور ہوجائے۔مجھے زیادہ عرصہ پریشان نہ رہنا پڑا کیونکہ جلد ہی ایک کشتی سامنے سے نمودار ہوئی جس میں ایک تُرکی ٹوپی نمایاں طور پر نظر آئی ۔اس سے میری ڈھارس بندھی کہ یہ کوئی عرب ہوگا جس سے مَیں بے تکلف عربی میں بات کرسکوں گا۔کشتی قریب آنے پر معلوم ہوا کہ یہ صاحب محمد صامین ہی ہیں ۔ان کے ہمراہ ان کے ماموں گاموں ایک تاجر علی اور شمس الدین بھی ہیں۔ ان سے مل کر بے انتہاء خوشی ہوئی ۔انہوں نے سامان وغیرہ رکھا ، بستر بچھائے اور وہاں کا مخصوص کھانا

جہاز سے خریدا جو ہم سب نے مل کر کھایا ۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ مجھے کھانا کھانے کا اتفاق ہوا۔ اس لئے کھاتے وقت مجھے ان کی نقل کرنی پڑی۔ جیسے وہ کھاتے تھے ویسے ہی کھاتا تھا''۔

(مولانا رحمت علی ''ایک کامیاب مبلغ اسلام کی پچیس سالہ سرگزشت'' از ماہنامہ خالد ربوہ مئی ر ۱۹۶۲ء صفحہ ۲۸)

حضرت مولانا رحمت علی صاحبؓ کا تاپاتوان مشن میں فروری ۱۹۲۷ء تک قیام رہا۔ اس مشن کے قیام کی تجویز حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمائی ۔ تاپاتوان کے معنی ہیں ''مبارک قدم''۔ اس قصبہ کے لوگوں نے نہایت پیار سے آپ کا پیغام سنا۔ گو بعض نے مخالفت بھی کی مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے مختصر عرصہ قیام میں آپ نے وہاں جماعت قائم کر لی اور ایک سو سے زائد افراد حلقہ بگوش احمدیت ہوئے۔

(رپورٹ مجلس مشاورت قادیان 1927-1928ء صفحہ 35)

خدا تعالیٰ ہر میدان میں انہیں فتح دے گا

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ایک تقریب کے موقعہ پر فرمایا:

''مولوی رحمت علی صاحب مولوی فاضل اور محمد صادق مولوی فاضل ہیں۔ مولوی رحمت علی صاحب پہلے مبلغ سماٹرا ہیں۔ مولوی رحمت علی صاحب جاوا، سماٹرا اور بورنیو تینوں جزیروں میں امیر تبلیغ ہونگے۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ مولوی محمد صادق صاحب اس رنگ میں ان کی اطاعت کریں گے جو ایک مسلمان کی شایانِ شان ہے۔ اور مولوی رحمت علی صاحب سے بھی مَیں امید کرتا ہوں کہ وہ محبت اور شفقت اور راہنمایانہ طریق سے ثابت کر دیں گے کہ جسمانی باپ جو سلوک اپنی اولاد سے کرتا ہے یا بھائی جو سلوک اپنے جسمانی بھائی سے کرتا ہے اس سے بہتر سلوک

روحانی باپ، روحانی اولاد سے اور روحانی بھائی، بھائی سے کرتا ہے اور مَیں یقین کرتا ہوں کہ اگر دونوں اصحاب تعاون اور محبت سے کام کریں گے تو خدا تعالیٰ ہر میدان میں اُن کو فتح دے گا۔ اور وہ جنگ جس میں اس وقت ہم اپنوں سے بھی اور غیروں سے بھی دکھ اٹھا رہے ہیں اور تکلیفیں جھیل رہے ہیں اس کے متعلق ایک دن آئے گا کہ جب ان لوگوں کو خود تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کی جنگ ہمارے ساتھ درست نہ تھی اور یہ کام جو ہم کر رہے ہیں وہ ان کا کام تھا۔ مَیں دعا کرتا ہوں خدا ان عزیزوں کو اس فتح کے لئے ایک کافی حصہ کام کرنے کا عطا کرے"۔

(الفضل قادیان 8 نومبر 1930ء صفحہ 1-2)

سادگی اور حسن اخلاق کے بعض نمونے

حضرت مولانا موصوف اپنی سرگزشت میں فرماتے ہیں:

"مَیں نے طے کرلیا تھا کہ اپنا لباس وہی پہنوں گا جو قادیان میں پہنتا تھا۔ یہ لباس وہاں کے لوگوں کو عجیب وغریب معلوم ہوتا تھا (شلوار، قمیص اور شیروانی) اس لئے بے ساختہ میرے متعلق سوال کرتے تھے۔ پہلے لوگ مجھے ملنے کے لئے آتے رہے، پھر مَیں خود باہر جانے لگا۔ جوں جوں مَیں زبان سیکھتا گیا، مافی الضمیر ادا کرنے میں مجھے سہولت ہوتی گئی۔ مَیں نے رفتہ رفتہ تبلیغ شروع کی اور سب سے پہلے نوجوانوں کی طرف توجہ کی۔ کچھ عرصہ کے بعد مولوی عبدالواحد اور مولوی محمد یقین منیر (انڈونیشین) حصول تعلیم کے لئے قادیان جانے پر آمادہ ہوگئے۔ یہ دونوں دوست قادیان سے فارغ التحصیل ہوکر واپس آگئے اور اب بطور مبلغ کام کر رہے ہیں"۔

پھر مَیں نے بوڑھے لوگوں کو پڑھانا شروع کیا اور اس طرح تبلیغ کے لئے راستہ کھول لیا۔

جوشخص مجھ سے ایک دفعہ بات کر جاتا وہ علماء اور اساتذہ سے جا کر کئی سوال پوچھتا تھا اور دوسرے لوگوں کی موجودگی میں پوچھتا تھا۔اس سے دوسرے لوگوں میں جستجو اور تحقیق کا شوق پیدا ہوتا گیا''۔

(ماہنامہ خالد ربوہ۔مئی 1962ء صفحہ 29)

لباس کی بابت حضرت مولانا فرماتے ہیں:

''بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وہاں کے لوگ طبعی طور پر ڈچ لوگوں سے نفرت کرتے تھے کیونکہ انہوں نے غلام بنا رکھا تھا۔اس لئے یہ ان کے لباس سے بھی نفرت کرتے تھے ۔مَیں چونکہ انگریزی لباس نہیں پہنتا تھا اس وجہ سے بھی وہاں کے لوگ مجھ سے محبت کرتے تھے۔وہاں کے بعض نمبر دار اور سفید پوش قسم کے لوگ بعض علماء کو میرے پاس لاتے ۔ہماری بحث ہوتی اور عام طور پر ان کے علماء لاجواب ہو جاتے جس سے ان لوگوں پر بڑا اچھا اثر ہوتا''۔ (محولہ بالا ایضاً صفحہ 39)

جاوا اور سماٹرا میں آپ کے غیر معمولی کارناموں کا ذکرِ خیر

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے 1933ء کے جلسہ سالانہ کے مبارک موقعہ پر حضرت مولانا رحمت علی صاحب کی مساعی جمیلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''سال حال میں تبلیغ کے عملی نتائج بھی اچھے نکلے ہیں۔امریکہ میں کئی نئی جماعتیں قائم ہوئیں۔اسی طرح جاوا میں بہت کامیابی حاصل ہو رہی ہے۔یہ برکتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی حاصل ہوئی ہیں۔مولوی رحمت علی صاحب طالبعلمی کے زمانہ میں اور اب بھی اتنے سادہ ہیں کہ لوگ عام طور پر ان کی باتوں پر ہنس پڑتے ہیں۔مثلاً''میری ایک علماء سے بات ہوئی''اسی پہلی پگڑی میں واپس آئے اور سادگی سے

نادانستہ طور پر نہ کہنے کی باتیں کہہ جاتے ہیں ......غرض وہ بہت سادہ ہیں مگر وہ جہاں بھی گئے وہاں ایک عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا اور لوگ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے کہ اِن کا مقابلہ اُن کے علماء نہیں کر سکتے......"۔

"ان کے مباحثات کا ذکر جب غیر احمدی اخبارات میں چھپتا ہے تو بہت تعریف کی جاتی ہے۔ وہ اخبارات لکھتے ہیں:"مولوی رحمت علی صاحب مباحثہ میں اس طرح بولتے ہیں جس طرح آسمان سے گرج کی آواز آتی ہے۔ان کے مقابلہ میں بیس بیس، تیس تیس مولوی تھراتے اور کانپتے ہیں"۔

وہ اخبارات مولوی رحمت علی صاحب کا اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ" گویا وہ تمام جماعت احمدیہ کے علماء کا نچوڑ ہیں"۔ یہ اس اخلاص اور بے نفسی کا نتیجہ ہے جس سے مولوی رحمت علی صاحب کام کرتے ہیں۔ مجھے یہ پڑھ کر حیرت ہوئی کہ ایک غیر احمدی اخبار نے لکھا:

"ایک مباحثہ میں بیس سے زیادہ عالم مولوی رحمت علی صاحب کے مقابل پر آئے لیکن وہ مولوی صاحب سے کانپتے اور ڈرتے تھے"۔

(تقریر جلسہ سالانہ 1933ء از الفضل 7 رجنوری 1934ء صفحہ 4-5)

حضرت مولانا صاحب کی زندگی ایک جدا کتاب کی متقاضی ہے لہذا اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

⌘ ❍ ❖ ❍ ⌘

باب......دوم

سوانحِ ظہور احمد پر ایک نظر

چوہدری ظہور احمدؒ صاحب کی زندگی پر اک نظر

پیدائش، نام و بیعت

چوہدری ظہور احمد صاحب 14 جنوری 1908ء کو پیدا ہوئے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ظہور احمد نام رکھا۔ آپ کے والد حضرت منشی امام دینؓ صاحب 1894ء میں حضرت اقدسؑ کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو چکے تھے۔ اس لئے آپ پیدائشی احمدی ہیں۔ آپ کو یہ بھی سعادت حاصل ہے کہ حضرت اقدس علیہ السلام نے گود میں لے کر دُعا دی اور ان کا عقیقہ ان کے والد کی درخواست پر خود کروایا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت منشی امام الدین صاحب پٹواری بیان کرتے ہیں:

جس وقت میرا لڑکا ظہور احمد پیدا ہوا تو اس کے عقیقہ کے لئے میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو روپے بھجوا کر عرض کی کہ حضور اس کا عقیقہ کرا دیں چنانچہ جس شخص کو میں نے روپے دے کر بھیجا تھا اس نے آ کر بتایا کہ حضور علیہ السلام نے اسی وقت غالباً میر ناصر نواب صاحب کو ارشاد فرمایا کہ میاں امام الدین کے بچہ کے عقیقہ کے لئے بکرے منگوائیں۔ چنانچہ اسی دن حضورؑ نے عقیقہ کروا دیا۔

(رجسٹر روایات جلد 11، روایات حضرت منشی امام الدین صاحب پٹواری)

خاندان

مکرم چوہدری صاحب کا خاندان جماعت کے مخلص اور قدیم ترین خاندانوں میں سے ہے۔ ان کے والد اور ماموں کا کا ذکر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں موجود ہے۔ اسی طرح سلسلہ کی دوسری کُتب میں بھی۔ ان کے ماموں حضرت مُنشی عبدالعزیزؓ صاحب اوجلوی حضرت اقدسؑ کے تین سو تیرہ صحابہ سے تھے۔

ان کے والد اور ماموں ہر دو کا ذکر حضرت اقدسؑ کی تحریرات کے علاوہ سلسلہ کے دوسرے لٹریچر میں بھی موجود ہے۔ ان کے ایک ماموں حضرت بابا حسن محمدؓ صاحب معروف صحابہ میں سے تھے جو حضرت مولوی رحمت علیؓ صاحب مبلغ انڈونیشیا کے والد تھے۔ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب دردؓ بھی ان کے عزیزوں میں سے تھے۔ آپکے قریبی عزیزوں میں سے حضرت مولوی محمد دین صاحب صدر صدر انجمن احمدیہ، اور مولانا نذیر احمد صاحب مبشّر بھی اب بھی سلسلہ کی خدمت پر مامور رہے۔ اور ان کے دوسرے عزیز چوہدری احمد جان صاحب سابق امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی (نائب وکیل المال تحریک جدید)، ڈاکٹر حافظ مسعود احمد اور حضرت مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری بھی ہمیشہ سلسلہ کی خدمات سرانجام دینے کی توفیق پاتے رہے۔

تعلیم

مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب نے 1924ء میں میٹرک پاس کیا پھر مولوی عالم تک عربی کی تعلیم حاصل کی۔ صدر انجمن احمدیہ کی کارکنی کے زمانہ میں حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ہدایت پر گورنمنٹ ہند کے ایک منظور شُدہ کالج سے اکوئنٹنسی اور ٹائپ اینڈ

شارٹ ہینڈ کا امتحان پاس کیا۔ صدر انجمن احمدیہ میں غالباً پہلے ٹائپسٹ تھے جنہوں نے Touch System سے ٹائپ کرنا شروع کیا۔ حضور انور نے ان امتحانات میں کامیاب ہونے کی وجہ سے ان کی تقرری بالا گریڈ میں کی۔

صدر انجمن احمدیہ کے کارکن

آپ یکم جنوری 1926ء سے باقاعدہ صدر انجمن احمدیہ کے کارکن مقرر ہوئے۔ اس عرصہ میں نظارت دعوۃ وتبلیغ، بیت المال، محاسب، تعلیم الاسلام ہائی سکول، اُمور خارجہ، نظارت علیا، اور نظارت تعلیم وتربیت میں بطور کلرک اور ہیڈ کلرک کام کیا۔

اور 1945ء سے باقاعدہ افسران کے گریڈ میں ہیں اور بطور ناظم جائیداد، افسر پراویڈنٹ فنڈ، آڈیٹر، معاون ناظر بیت المال، انچارج شعبہ انتخابات، افسر امانت، محاسب (افسر خزانہ) اور بطور نائب ناظر تعلیم مختلف وقتوں میں کام کرنے کا موقع ملا۔

بطور کارکن آپ کی بعض نمایاں خصوصیات

آپ کو ایسے وقت میں کام کرنے کا شرف حاصل ہوا جبکہ!

1۔ صدر انجمن کے کارکنوں کی چار چار ماہ کی تنخواہیں بقایا ہو جاتی تھیں۔

2۔ انجمن کی مالی تنگی کی وجہ سے کارکنوں کو ہر سال کی بجائے دو سال کے بعد ترقی ملتی تھی۔

3۔ آٹھ نو سال تک محض انجمن کی مالی حالت کے پیش نظر ایک بھی ترقی نہ مل سکی۔

4۔ تین سال تک موجودہ تنخواہ میں بھی تخفیف ہوگئی اور سب کارکنان نے تخفیف کی رقم اپنی خوشی سے صدر انجمن کو دے دی۔ 1940ء کے بعد اس قسم کی کوئی صورت حال کبھی پیدا نہیں ہوئی۔

5۔ آڈیٹر بننے کے بعد کئی بہت بڑی بڑی رقوم کے حسابات صاف کئے اور غلطیاں پکڑیں

اوراس صیغہ کوآزاداورمضبوط بنانے کاموقع ملا۔کئی نئےقواعد مرتّب کرکے منظور کروائے۔

6۔ایسے دفاتر میں کام کرنے کا بھی اللہ تعالیٰ نے ان کوموقع دیا جوفرائض میں شامل نہیں اورجبکہ دوسرے اکثر کارکُن معمولی زائد کام کرنے پرالاؤنس حاصل کرتے ہیں آنریری طور پر گھنٹوں زائد وقت روزانہ دے کرکام کرنے کا شرف حاصل ہوتا رہتا ہے۔پچھلے سال کئی ماہ روزانہ کئی کئی گھنٹے روزانہ کام کر کےقواعد صدر انجمن مرتّب کئے جبکہ اس کام کے لئے بعض احباب کوصدرانجمن الاؤنس بھی دیتی رہی اورکام مکمل نہ ہواتھا۔

1981ء میں اللہ تعالیٰ نے نظارت اُمور خارجہ میں کتاب ’’سراج دین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب‘‘ کےضمن میں کافی زائد وقت روزانہ نظارت اُمور خارجہ کےتحت کام کرنے کی توفیق پائی۔

جماعتی اورقومی خدمات

آپ کوسلسلہ کی کارکُنی کے ساتھ ساتھ لگا تار جماعتی اورقومی کاموں میں ذمّہ داری کے عہدوں پرکام کرنے کاموقع ملا۔

1928ء میں قادیان ریلوے اسٹیشن کی تعمیر کےسلسلہ میں کام کرنے کا موقع ملا۔

مسلمانان فلسطین پر یہودی یورش کےخلاف احتجاج

برطانوی حکومت نےجن عرب ملکوں کوپہلی جنگ عظیم کے بعد ترکوں کےاقتدار سے آزاد کرانے کاتحریری معاہدہ کیا تھاان میں فلسطین بھی شامل تھا لیکن اس کےساتھ ہی برطانیہ نے دنیا بھر کے یہودیوں کی ایجنسی سے یہ خفیہ وعدہ کرلیا تھا کہ جنگ کے بعد یہودیوں کے لئےفلسطین ایک قومی گھر بنادیا جائے گا۔ چنانچہ عربوں سے کئے ہوئے وعدے سےتو پس پشت ڈال دیئے گئے اور یہودیوں کی آباد کرنے کی مہم بڑے زورشور سے شروع کر دی اور یہودیوں نے اپنے

مقصد کی تکمیل کے لئے مسلمانان فلسطین کونشانہ ظلم وستم بنانا شروع کردیا۔

ان مظالم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لئے حضرت مولانا میر محمد اسحاق صاحب کی صدارت میں 14 ستمبر 1929ء کوایک غیر معمولی جلسہ ہوا۔جس میں حضرت شیخ یعقوب علی صاحب نے فلسطینی مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی کی قرارداد پیش کرکے ایک مفصل تقریر فرمائی اوراپنے چشم دید حالات و واقعات کا ذکر کرکے بتایا کہ یہود کو مسلمانوں پر مسلط کرنے کے لئے بہت خطرناک چال چلی جارہی ہے۔ان کے علاوہ شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر اخبار نور شیخ محمود احمد صاحب عرفانی،سید محمود اللہ شاہ صاحب اور چودھری ظہور احمد صاحب نے حفاظت حقوق مسلمانان فلسطین کی طرف حکومت کوتوجہ دلانے اور یہود کومظالم سے باز رکھے جانے کے لئے ریزولیوشن پیش کئے جواتفاق رائے سے پاس ہوئے۔

(الفضل قادیان/20 ستمبر 1929ء صفحہ 1)

ینگ مینز احمدیہ ایسوسی ایشن کے جنرل سیکرٹری

1930ء میں مستریوں کے فتنہ کے زمانہ میں نوجوانوں نے ''ینگ مینز احمدیہ ایسوسی ایشن'' بنائی،مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب 1935ء تک اس کے جنرل سیکرٹری رہے۔اس ایسوسی ایشن کا ذکر حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے خطبات میں اور سلسلہ کے اخبارات الفضل اور فاروق میں موجود ہے۔

1935ء کے آخر میں قادیان نیشنل لیگ اور گورداسپور ڈسٹرکٹ لیگ کے جنرل سیکرٹری اورآل انڈیا نیشنل لیگ کی مجلس عاملہ کے رُکن رہے۔1939ء تک یہ خدمت سرانجام دی۔ اخبارات میں کثرت سے سرگرمیوں کا ذکر موجود ہے۔

محلّہ دارالرحمت کی انجمن کے جنرل سیکرٹری

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے جب قادیان میں محلّہ وار انجمنوں کا قیام فرمایا تو محلّہ دارالرحمت کی انجمن کے جنرل سیکرٹری مقرر ہوئے چنانچہ اس دور میں حضور نے کئی خطبات جُمعہ میں دارالرحمت کے کام کو سراہا۔

انتخابات میں خدمت

1936ء اور 1945ء کے انتخابات میں بٹالہ میں نمایاں کام کرنے کا موقع ملا۔ ہر دو انتخابات میں حضور نے کئی پولنگ اسٹیشنوں پر پولنگ ایجنٹ مقرر فرمایا ایسی صورت میں کہ ہمارے وکلاء موجود تھے جن کے سپرد یہ کام ہوسکتا تھا۔ مخالفین کے پولنگ ایجنٹ وکلاء ہی ہوتے تھے۔ کئی دوسرے مقامات پر ہمارے بھی وکلاء ہی پولنگ ایجنٹ ہوتے تھے۔ چوہدری ظہور احمد صاحب کو حضرت امیر المؤمنین نے اُن کی قابلیت اور کام پر حاوی ہونے کی وجہ سے اس کام پر مامور فرمایا۔ چوہدری فتح محمد صاحب کی پٹیشن کے سلسلہ میں چوہدری اسداللہ خاں صاحب کی اس رپورٹ پر کہ انہوں نے میری میرے جونیئر سے جو بیرسٹر ہیں زیادہ کی ہے حضور نے خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ صدر پاکستان کے انتخاب اور دوسرے انتخابات میں بھی رات دن کام کیا۔

مقدمات

قومی کاموں میں سرگرمی سے حصّہ لینے والوں کے خلاف معاندینِ سلسلہ نے مختلف وقتوں میں متعدد مقدمات کئے۔ مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب کو یہ فخر حاصل ہے کہ سب سے پہلا مقدمہ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمدؓ صاحب کے ساتھ آپ پر بھی ہوا۔ اور اس طرح دیگر

کئی مقدمات میں یہ ماخوذ ہوئے صرف ایک ہی مقدمہ میں دس پیشیاں ہوئیں اس سے اُن مقدمات کی شدّت کا پتہ چل سکتا ہے۔ تفصیل اخبارات میں موجود ہے۔

نیشنل لیگ کھارہ کا ایک نہایت اہم جلسہ

17 نومبر 1938ء کو مقامی لیگ کی دعوت پر قادیان لیگ کے بعض ممبر بھی شریک ہوئے۔ جن میں شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر، چوہدری ظہو احمد صاحب جنرل سیکرٹری نیشنل لیگ قادیان اور مولوی محمد سلیم صاحب مولوی فاضل نے تقاریر کیں۔

(الفضل قادیان جلد 26 شمارہ 267)

17 دسمبر 1935 کو ڈسٹرکٹ نیشنل لیگ کے زیر اہتمام ٹھیکریوالہ میں جلسہ کا انعقاد کیا گیا جس میں جنرل سیکرٹری گورداسپور نیشنل لیگ نے تقریر کی اور مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب نے خطبہ استقبالیہ پڑھا۔

(الفضل قادیان جلد 26 شمارہ 291)

4 جولائی 38 حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے حضرت مرزا شریف احمد صاحب کو ناظر تعلیم اور تالیف وتصنیف کا چارج دے دیا۔ آپ کے ساتھ مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب سالہا سال کام کی کرنے کی توفیق ملی۔

1934ء میں جماعت احمدیہ کا امانت فنڈ اور احمدی مستورات اس تحریک میں مکرم چوہدری ظہو احمد صاحب کا محلّہ دارالرحمت قادیان کی اہلیہ محترمہ اقبال صاحبہ نے اپنا زیور فروخت کر کے 250 روپیہ کی رقم امانت فنڈ میں جمع کرادی۔

(الفضل قادیان جلد 22 شمارہ 110)

ینگ مینز ایسوسی ایشن قادیان کا عظیم الشان جلسہ

قادیان میں 7/اپریل 1935ء کو ینگ مینز ایسوسی ایشن کا جلسہ منعقد ہوا جس میں مکرم

چوہدری ظہو احمد صاحب جنرل سیکرٹری ایسوسی ایشن مولوی عبد الرحمٰن صاحب مولوی فاضل پریذیڈنٹ ایسوسی ایشن نے تقریریں کیں۔

(الفضل قادیان جلد 22 شمارہ 135)

ینگ مینز ایسوسی ایشن کا جلسہ

11 جولائی 1936ء ینگ مینز ایسوسی ایشن کا جلسہ منعقد ہوا جس میں مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب نے تقریر کی یہ تقریر 12 جولائی کو شائع ہوئی۔

(الفضل قادیان جلد 23 شمارہ 12-11)

احراری مقدمہ میں پیشی

مقدمہ عبد السلام احراری بنام چوہدری ظہو احمد صاحب وغیرہ 13 /اگست 1935ء میں آپ پیش ہوئے۔

(الفضل قادیان جلد 23 شمارہ 43)

22/ اگست 1935ء مسٹر ڈنزئی A.D.H کی عدالت میں حنیفہ احراری کا مقدمہ حضرت میاں شریف احمد صاحب کی شہادت ہوئی اور فرد جرم حنیفہ پر لگا۔

(الفضل قادیان جلد 23 شمارہ 48-49)

مقدمہ زیر دفعہ 323 عبد السلام احراری بنام چوہدری ظہو احمد صاحب وغیرہ میں مورخہ 28/اگست 1935ء کو میاں لالہ محی الدین صاحب مجسٹریٹ بٹالہ کی عدالت میں پیشی ہوئی۔ حضرت مرزا شریف احمد صاحب، مکرم شیخ رحمت اللہ صاحب کی صفائی کی شہادتیں ہوئیں۔

(الفضل قادیان جلد 23 شمارہ 53)

اسی طرح 27 ستمبر کو مقدمہ زیر دفعہ 323 عبد السلام احراری بنام چوہدری ظہو احمد

صاحب میں گواہان صفائی کی شہادتیں ہوئیں۔

(الفضل قادیان جلد 23 شمارہ 78)

مقدمہ زیر دفعہ 323 کا فیصلہ

اس مقدمہ میں 8 / اکتوبر 35ء کو مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب کو بری کر دیا گیا۔ مقدمہ زیر دفعہ 323 میں مکرم مرزا شریف احمد صاحب اور چوہدری ظہور احمد صاحب وغیرہ پر دعویٰ کیا گیا تھا۔ مجسٹریٹ نے میاں شریف احمد کو سمن نہیں کیا۔ ظہور احمد صاحب کو بری کر دیا گیا۔ باقی کو 2 / اکتوبر کو جرمانہ ہوا۔ اس مقدمہ ملزم حنیف کی سزاء نو ماہ قید سیشن جج نے اپیل پر بھی بحال رکھی۔ جنوری 36ء میں اس مقدمہ میں پہلے صرف چوہدری ظہو احمد صاحب صاحب بری ہوئے تھے۔ بعد میں اپیل میں سب ملزم بری ہو گئے۔

(تفصیل کیلئے الفضل قادیان جلد 23 شمارہ 163,114,92)

29 / اپریل 1936ء کو نیشنل لیگ نے جواہر لال نہرو کا استقبال کیا۔ قادیان سے 300 والنٹیئر زلاہور آئے۔

(الفضل قادیان جلد 23 شمارہ 278)

اٹھوال میں نیشنل لیگ کے اہم جلسہ میں شمولیت

6 جون 1936ء کو اٹھوال میں نیشنل لیگ کا جلسہ ہوا جس میں شمولیت کے لئے قادیان سے مکرم شیخ محمود احمد صاحب صدر ڈسٹرکٹ نیشنل لیگ گورداسپور بہ معیت چوہدری ظہو احمد صاحب جنرل سیکرٹری ڈسٹرکٹ نیشنل لیگ اور مکرم شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر رکن مجلس منتظم نیشنل لیگ صبح دس بجے کے قریب پہنچے۔ اٹھوال نیشنل لیگ نے گاڑی سے ایک میل باہر آ کر استقبال کیا۔ چنانچہ پانچ بجے جلسہ ہوا۔ مکرم چوہدری ظہو احمد صاحب نے اپنا تحریری مضمون پڑھا۔ جس میں جماعت احمدیہ کے حالات کا ذکر کرنے کے بعد نیشنل لیگ کو

اپنی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔

(الفضل قادیان جلد 23 شمارہ 286)

اسیری و رہائی

مورخہ 18 جون 36ء قبرستان کیس کے سلسلہ میں 11 احمدیوں کی گرفتاری عمل میں آئی اور 21 جون کو مکرم چوہدری ظہو احمد صاحب جنرل سیکرٹری نیشنل لیگ قادیان کی زیر دفعہ 324/148 گرفتاری ہوئی اور ضمانت پر رہائی ہوئی۔

(الفضل قادیان جلد 23 شمارہ 295)

حضور انور کی خدمت میں ایک قرارداد

مورخہ 16 ستمبر 1937ء کو مکرم چوہدری ظہو احمد صاحب جنرل سیکرٹری نیشنل لیگ قادیان نے بجٹ میں ریزولیوشن پیش کیا۔اس کے بعد چوہدری ظہو احمد صاحب جنرل سیکرٹری نیشنل لیگ قادیان نے وہ ریزولیوشن پڑھ کر سنائی جو حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے حضور پیش کئے جانے کا متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا۔تمام احباب نے از راہ ادب کھڑے ہو کر اس درخواست کو سنا اور باتفاق منظور کیا۔

(الفضل قادیان جلد 24 شمارہ 36)

اسی طرح نیشنل لیگ قادیان کے اجلاس عام منعقدہ 18 ستمبر کی ایک قرارداد کی تفصیل میں 9 ستمبر کو نیشنل لیگ کا ایک وفد جو شیخ محمود احمد صاحب عرفانی صاحب چوہدری ظہو احمد صاحب جنرل سیکرٹری، مرزا فضل محمد صاحب سالار جیش اور سید احمد صاحب مولوی فاضل افسر جسٹس پر مشتمل تھا حضرت کے حضور حاضر ہوا۔حضور از راہ ذرہ نوازی کچھ دیر تک ممبران وفد سے گفتگو فرماتے رہے۔

(الفضل قادیان جلد 24 شمارہ 71)

24/اگست 1938ء مقامی نیشنل لیگ کی مجلس عاملہ کا اہم اجلاس ہوا جس میں دوسرا ریزولوشن چوہدری ظہو احمد صاحب جنرل سیکرٹری نیشنل لیگ نے پیش کیا۔

(الفضل قادیان جلد 26 شمارہ 196)

یکم جولائی 1939 سے صدر انجمن احمدیہ کے حسب ذیل کارکن کی تبدیلی کی گئی۔مکرم چوہدری ظہو احمد صاحب نظارت امور خارجہ سے نظارت تعلیم میں تبدیل کئے گئے۔

(الفضل قادیان جلد 27 شمارہ 151)

1953ء کے حالات میں بھی مکرم چوہدری صاحب کو خدمات کی سعادت ملی۔چنانچہ کراچی میں موجود پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ مکرم چوہدری سر ظفر اللہ خاں صاحب سے ملنے کے لئے آپ کو بار بار کراچی جانا پڑا۔

(تاریخ احمدیت جلد 16 ص 249)

⌘ ❍ ❖ ❍ ⌘

اہل کشمیر کیلئے قومی و جماعتی خدمات

مکرم چوہدری صاحب کشمیر کمیٹی کے ابتدائی سرگرم کارکنان میں سے تھے۔اور اپنی ذات میں تاریخ کشمیر کمیٹی اور کشمیریوں کیلئے کشمیر کمیٹی کے پہلے صدر اور آپ کا کارکنان کی چشم دید خدمات کے عینی گواہ تھے۔آپ نے 1931ء سے 1933ء تک آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے دفتر کا انچارج ہونے کی حیثیت سے کام کیا۔کشمیر میں جا کر کشمیریوں کی امداد کرتے رہے اُن کے دفتر کی تنظیم کی۔سیدنا حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ہدایات کے ماتحت خوب کام کرنے کا موقع خدا تعالیٰ نے ان کو دیا۔اسی طرح کشمیر ریلیف فنڈ میں بھی حضور کی نامزدگی پر فنانشل سیکرٹری کے فرائض ادا کر رہے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا دوسرا سفر کشمیر

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ 25 جون تا 29 ستمبر 1921ء میں دوبارہ کشمیر تشریف لے گئے اور جیسا کہ تحریک آزادی کشمیر کے ایک نہایت مخلص اور سرگرم کارکن مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب (آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ ربوہ) نے کشمیر کی کہانی میں بالتفصیل تحریر فرمایا ہے اس سفر میں حضور کو اہل کشمیر کے روح فرسا حالات دیکھ کر ان سے ہمدردی کی تڑپ اور گہری ہوگئی اور ریاستی باشندوں کے حالات کا بہت گہرا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔اور آپ نے اپنے متعلقین اور دوسرے افراد جماعت سے اس مظلومیت کا سیاق وسباق کا مواد فراہم کرنا شروع کر دیا۔اور پہلی فرصت میں مظلومین کشمیر کو باہمی اتحاد واتفاق تعلیم کی اشاعت اقتصادی

حالت کی بہتری اور اسلامی احکام کی تعمیل اور رسم ورواج سے علیحدگی کی طرف توجہ دلائی۔ مؤخرالذکر بات چونکہ دینی نقطہ نگاہ سے سب سے اہم تھی اس لئے حضور نے اس پر کشمیر میں خطبات جمعہ کے دوران بھی زور دیا اور فرمایا:

''اگر کامیابی یا ترقی کرنا چاہتے ہو تو جہاں خدا کا حکم آوے اسے کبھی حقیر نہ سمجھو۔ رسم ورواج کو جب تک خدا کے لئے چھوڑنے کو تیار نہ ہوگے تب تک نمازیں` روزے اور دوسرے اعمال آپ کو مسلمان نہیں بنا سکتے۔ جہاں نفس فرمانبرداری سے انکار کرتا ہے اسی موقعہ پر حقیقی فرمانبرداری کرنے کا نام اسلام ہے اگر کوئی ایسا فرمانبردار نہیں ہے اور رسم ورواج کو مقدم کرتا ہے تو اس کا اسلام اسلام نہیں ہے۔''

(الفضل قادیان یکم ستمبر 1921ء صفحہ 9)

سفر شملہ میں معیت

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ/23 جولائی 1931ء کو قادیان سے بذریعہ گاڑی سفر شملہ کے لئے روانہ ہوئے تھے مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم اے، شیخ یوسف علی صاحب بی اے پرائیویٹ سیکرٹری، حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب (سابق پروفیسر جامعہ احمدیہ)، ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب اور مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب (سابق آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ ربوہ) بھی ہمراہ تھے

(الفضل قادیان 25/جولائی 1931ء صفحہ 1 و رسالہ لاہور 5/اپریل 1965ء)

شملہ میں مسلم زعما کی کانفرنس اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قیام

سیدنا حضرت خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مسئلہ کشمیر پر غور کرنے کے

لئے 25/ جولائی 1931ء کا دن مقرر فرمایا تھا۔ چنانچہ اس روز نواب سر ذوالفقار علی خاں صاحب آف مالیر کوٹلہ کی کوٹھی Fai View (شملہ) میں نماز ظہر کے بعد ایک اہم اجلاس منعقد ہوا جس میں ہندوستان کے بہت سے مسلم لیڈر مثلاً حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ، شمس العلماء خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی، سر میاں فضل حسین صاحب، ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب، سر ذوالفقار علی خاں صاحب، جناب نواب صاحب کنج پورہ، خاں بہادر شیخ رحیم بخش صاحب ریٹائرڈ سیشن جج، سید محسن شاہ صاحب ایڈووکیٹ لاہور سیکرٹری آل انڈیا کشمیری کانفرنس (لاہور) مولوی محمد اسمٰعیل صاحب غزنوی (امرتسر) مولوی نور الحق صاحب مالک ''مسلم آؤٹ لک'' (لاہور) سید حبیب صاحب ایڈیٹر سیاست (لاہور) شامل ہوئے۔ ان کے علاوہ مولوی میرک شاہ صاحب (سابق پروفیسر دیوبند پروفیسر اورینٹل کالج لاہور) نے نمائندہ کشمیر کی حیثیت سے اور جناب اللہ رکھا صاحب ساغر نے نمائندہ جموں کی حیثیت سے شرکت فرمائی۔ صوبہ سرحد کی نمائندگی کے فرائض صاحبزادہ سر عبد القیوم کے بھائی صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب (آف ٹوپی) نے انجام دیئے۔

اور مسلم پریس کے لئے اس اجلاس کی روداد قلمبند کرنے کا فریضہ چوہدری ظہور احمد صاحب (حال آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ پاکستان) نے ادا کیا۔ کانفرنس میں جب مسئلہ کشمیر پر بحث کا آغاز ہوا ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب سر میاں فضل حسین صاحب اور دوسرے نمائندوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ سے کہا کہ اس بارے میں آپ وائسرائے سے ملیں اور اس سے گفتگو کر کے معلوم کریں کہ وہ کس حد تک کشمیر کے معاملات میں دخل دے سکتے ہیں جس حد تک وہ دخل دے سکتے ہوں اسی حد تک ہی ہمیں یہ سوال اٹھانا چاہئے۔ حضور نے فرمایا کہ یہ طریق درست نہیں کہ وائسرائے سے پوچھا جائے کہ وہ کس حد تک دخل دے سکتا ہے بلکہ ہم سب سے پہلے کشمیر کے لوگوں سے پوچھیں گے کہ وہ کیا چاہتے ہیں اور پھر ان کے مطالبات کو پورے زور کے ساتھ گورنمنٹ کے سامنے رکھیں گے۔

(رسالہ لاہور 22/مارچ 1965ء صفحہ 7)

(الموعود (تقریر خلیفہ المسیح الثانی 1944ء) ناشر الشرکتہ الاسلامیہ ربوہ 1961ء، صفحہ 158-159)

خلیفہ عبدالرحیم صاحب کی خدمات

مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب (آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ پاکستان) خلیفہ عبدالرحیم صاحب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ خلیفہ عبدالرحیم صاحب (جو بعد میں ہوم سیکرٹری حکومت جموں وکشمیر بنے) انہی ریاستی افسروں میں سے ایک تھے جن کی قومی خدمات کو مسلمانان جموں وکشمیر کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جبکہ سرایلبین بینر جی اور مسٹر ویکفیلڈ ریاست کے وزراء میں شامل تھے اور مہاراجہ پر چھائے ہوئے تھے خلیفہ عبدالرحیم صاحب جو مسلمانوں کی حالت زار سے بخوبی واقف تھے اپنی قابلیت محنت اور دیانتداری کی وجہ سے اپنے بالا افسران یعنی وزراء کے دلوں میں بھی ایک خاص مقام پیدا کر چکے تھے انہوں نے ان وزراء کے سامنے مردم شماری کے اعداد وشمار رکھے اور اس کے مقابل ملازمتوں میں ان کا تناسب بتایا جو آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھا۔ ہندو ساری ریاست پر چھائے ہوئے تھے تجارت پر تو کلیت ¶ہ ہندوؤں کا ہی قبضہ تھا۔ پلیٹ فارم کی بھی کوئی آزادی نہ تھی۔ انجمن بنانے کی ممانعت تھی مسلمانوں کے اوقاف پر ریاست کا قبضہ تھا بعض مساجد مال گوداموں کے طور پر استعمال ہو رہی تھیں۔ یہ ساری باتیں سر بینر جی اور مسٹر ویکفیلڈ کے نوٹس میں لائی گئیں۔

(رسالہ لاہور 22/مارچ 1965ء صفحہ 7)

مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب مزید لکھتے ہیں۔

(فروری 1932ء میں قادیان سے) اپیل کی گئی کہ گریجوائیٹ اور مولوی فاضل اور اس

سے کم تعلیم کے لوگ اپنے آپ کو آنریری خدمات کے لئے پیش کریں تا کہ ان کے سپرد خدمت کی جا سکے۔ سینکڑوں لوگوں نے اپنے آپ کو اس خدمت کے لئے پیش کر دیا میر پور کے علاقہ میں زیادہ کارکنوں کی ضرورت تھی۔ جموں سے چوہدری محمد عظیم صاحب باجوہ میر پور جا چکے تھے۔ دوسرے کارکنوں کی ایک ٹیم مولانا ظہور الحسن کی سرکردگی میں بھجوائی گئی۔ مولانا بڑے جوشیلے کارکن ہیں وہاں خوب کام کیا۔ ناصر میر پوری کا نام اخبارات میں کثرت سے آتا تھا یہ ناصر میر پوری مولانا ظہور الحسن ہی تھے۔

اخبار انقلاب نے انہی سرفروش اور جانباز کارکنوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا تھا۔

کشمیر کمیٹی کے...... اگرچہ وہاں پہلے ہی متعدد ارکان مصروف کار تھے لیکن ان کی امداد اور مسلم نمائندوں سے مشاورت کرنے کی غرض سے پنجاب کے بعض مقتدر اور تجربہ کار حضرات بھیجے گئے۔ جنہوں نے اندرون کشمیر کے منظّم کرنے میں نہایت قابل قدر خدمات انجام دیں......۔ ہم آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے محترم عہدیداروں اور کارکنوں کے شکر گزار ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ اس شکر گزاری میں مسلمانان کشمیر ہم سے کاملاً ہم آہنگ ہیں کہ کمیٹی کے کارکنوں نے نہایت بے نفسی اور انتہائی فراست سے ان کاموں کو نبابا ہے۔

حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم اے اور دفتر کشمیر کمیٹی کے مستعد کارکنوں کے علاوہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب، حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم اے، حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب، حضرت مولوی محمد دین صاحب بی اے اور بعض دوسرے بزرگوں کو بھی افسروں کی ملاقاتوں وغیرہ کے لئے بھجوایا جاتا رہا۔

(سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ 32-1931ء صفحہ 106)

آخر طے پایا کہ ایک آل انڈیا کشمیر کمیٹی بنائی جائے جو اس سارے کام کو اپنے ذمہ لیکر انجام دے اور اس وقت تک یہ مہم جاری رہے جب تک کہ ریاست کے باشندوں کو ان کے جائز حقوق نہ حاصل ہو جائیں تمام نمائندوں نے جو ریاست سے تعلق نہ رکھتے تھے یہ اقرار

کیا کہ وہ بھی اس کمیٹی میں شمولیت اختیار کریں گے بلکہ وہ اسی وقت اس کے ممبر بھی بن گئے۔اس کمیٹی کے قیام کے بعد اب اس کی صدارت کا نازک معاملہ پیش ہوا (کانفرنس کے نامہ نگار) چوہدری ظہور احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

''مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت امام جماعت احمدیہ کے دائیں ہاتھ ایک ہی صوفہ پر ڈاکٹر سر محمد اقبال بیٹھے تھے اور دائیں طرف دوسرے صوفہ پر نواب سر ذوالفقار علی تھے اور حضرت امام جماعت احمدیہ کے بائیں طرف پہلے خواجہ حسن نظامی اور ان کے بعد نواب صاحب آف کنج پورہ تھے اور پھر بقیہ معززین جن کا ذکر اوپر آچکا ہے ڈاکٹر سر محمد اقبال نے تجویز کیا کہ اس کمیٹی کے صدر امام جماعت احمدیہ ہوں ان کے وسائل مخلص اور کام کرنے والے کارکن یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ)ان سے بہتر ہمارے پاس کوئی آدمی نہیں۔خواجہ حسن نظامی صاحب نے فوراً اس کی تائید کی اور سب طرف سے درست ہے کی آوازیں آئیں۔اس پر امام جماعت احمدیہ نے فرمایا کہ مجھے اس تجویز سے ہرگز اتفاق نہیں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اور میری جماعت ہر رنگ میں کمیٹی کے ساتھ تعاون کرے گی لیکن مجھے صدر منتخب نہ کیا جائے۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال نے امام جماعت احمدیہ کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

''حضرت صاحب جب تک آپ اس کام کو اپنے صدر کی حیثیت سے نہ لیں گے یہ کام نہیں ہوگا''۔

(بروایت چوہدری ظہور احمد صاحب (لاہور 5/اپریل 1965ء صفحہ 12)

اس تعلق میں ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب نے ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے کو ایک ملاقات میں خود بتایا کہ سچی بات تو یہ ہے کہ جب کشمیر میں تحریک آزادی شروع ہوئی اور ہم نے دیکھا کہ بچارے کشمیریوں کو مہاراجہ تباہ کر کے رکھ دے گا تو مجھے اور دیگر مسلمان لیڈروں کو خیال

پیدا ہوا کہ کشمیریوں کی کیسے مدد کی جائے ہم نے سوچا اگر ہم نے جلسے وغیرہ کئے اور کارکنوں اور سرمایہ کے لئے تحریک کی تو اول تو دیانتدار کارکن نہ ملیں گے اور سرمایہ جمع نہیں ہوگا۔ اور جو سرمایہ جمع ہوگا۔ وہ بے ایمان کارکن کھا جائیں گے۔ اور اس دوران میں مہاراجہ تحریک کو کچل کر رکھ دے گا۔ کام فوراً شروع ہونا چاہئے ہم نے سوچا کہ ہندوستان میں صرف ایک ہی شخصیت ہے کہ اگر وہ اس تحریک کی قیادت منظور کر لے تو دیانتدار کارکن بھی مہیا کر لے گی سرمایہ بھی جمع کر لے گی۔ وکلاء وغیرہ بھی وہ خود دے گی۔ اخبارات میں ولایت میں اور یہاں بھی پراپیگنڈا وہ خود کر لے گی۔ وکلاء وغیرہ بھی وہ خود دے گی۔ اخبارات میں ولایت میں اور یہاں بھی پراپیگنڈا وہ خود کر لے گی اور وائسرائے اور اس کے سیکرٹریوں سے ملاقات بھی خود کرے گی وہ شخصیت مرزا محمود احمد ہیں۔

(ہفت روزہ لاہور مئی 1965ء صفحہ 13)

ملک صاحب موصوف کا یہ بیان جو حال ہی میں چوہدری ظہور احمد صاحب نے شائع کیا ہے یقیناً شک وشبہ سے بالا شہادت ہے جس کی بالواسطہ تائید ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کے اپنے ایک خط سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے کمیٹی کے قیام سے قریباً دس ماہ قبل 5 / ستمبر 1930 کو شیخ یوسف علی صاحب پرائیویٹ سیکرٹری (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) کے نام تحریر کیا۔ چونکہ آپ کی جماعت منظّم ہے اور نیز بہت سے مستعد آدمی اس جماعت میں موجود ہیں اس واسطے آپ بہت مفید کام مسلمانوں کے لئے انجام دے سکیں گے۔ باقی رہا بورڈ کا معاملہ سو یہ خیال بھی نہایت عمدہ ہے میں اس کی ممبری کے لئے حاضر ہوں صدارت کے لئے کوئی زیادہ مستعد اور مجھ سے کم عمر کا آدمی ہو تو زیادہ موزوں ہوگا لیکن اگر اس بورڈ کا مقصد حکام کے پاس وفود لے جانا ہو تو ہمیں اس سے معاف فرمایا جائے وفد بے نتیجہ ثابت ہوتے ہیں اس کے علاوہ مجھ میں اس قدر چستی اور مستعدی بھی باقی نہیں رہی۔ بہر حال اگر آپ ممبروں میں میرا نام درج کریں تو اس سے پہلے باقی ممبروں کی فہرست ارسال

فرمائیں۔

مخلص محمد اقبال

(چربہ مکتوب ڈاکٹر سر محمد اقبال 5/ستمبر 1930ء)

(حضور ایدہ اللہ تعالیٰ 23/جولائی 1931ء کو قادیان سے بذریعہ گاڑی سفر شملہ کے لئے روانہ ہوئے تھے مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم اے شیخ یوسف علی صاحب بی اے پرائیویٹ سیکرٹری حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب (پروفیسر جامعہ احمدیہ) ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب اور چوہدری ظہور احمد صاحب بھی ہمراہ تھے۔

(الفضل/25 جولائی 1931ء صفحہ 1 ورسالہ لاہور 5/اپریل 1965ء)

مہاراجہ کے سامنے مسلم وفد کے مطالبات

آل انڈیا کشمیر نے اجلاس سیالکوٹ میں فیصلہ کیا تھا کہ مسلمانان ریاست جلد از جلد اپنے مطالبات پیش کر دیں اس فیصلہ کے بعد خود مہاراجہ نے اپنی سالگرہ کے موقعہ پر مطالبات پرغور کرنے کا اعلان کر دیا تھالہذا ضرورت تھی کہ فوری طور پر مسلمانوں کا ایک وفد مہاراجہ کے سامنے مطالبات پیش کر دے۔ چنانچہ مسلمانان جموں وکشمیر کے نمائندگان (جناب مستری یعقوب علی صاحب اور چوہدری عباس احمد صاحب نے) حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوکر مشورہ کیا ازاں بعد مسودہ مطالبات تیار کیا گیا اور مشہور زعمائے کشمیر نے اس پر کافی غور و بحث کی اور اسے آخری اصطلاحی اور قانونی شکل دینے کی غرض سے شیخ محمد عبداللہ صاحب نے حضور کو تار دیا۔ کہ اپنے ذمہ دار نمائندوں کو کشمیر بھجوائیں تا وہ آخری شکل دے کر مہاراجہ کے سامنے پیش کر سکیں۔ یہ تار قادیان میں 14 /اکتوبر 1931ء کو پہنچا۔ چنانچہ حضور کی ہدایت پر مولوی عبدالرحیم صاحب درد، مولوی محمد

یعقوب خان صاحب ایڈیٹر اخبار لائٹ (لاہور) مولوی عصمت اللہ صاحب اور چوہدری ظہور احمد صاحب سرینگر پہنچ گئے۔ اس سلسلہ میں مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب کا بیان ہے:

ہم سرینگر کی چیکنگ پوسٹ پر پہنچے تو ریاست کا ایک سیکرٹری کار لے کر موجود تھا۔ مولانا عبدالرحیم درد کے متعلق دریافت کر کے ان سے ملا اور درخواست کی کہ آپ لوگوں کی رہائش کا انتظام ریاست کے بڑے گیسٹ ہاؤس میں ہے۔ اور میں کار لے کر آپ کو لینے کے لئے آیا ہوا ہوں۔ وزیر اعظم صاحب نے مجھے بھجوایا ہے۔

مولانا درد نے جواب دیا کہ ہم تو ان کے مہمان ہیں جنہوں نے ہمیں بلوایا ہے اس نے بہتیرا زور مارا لیکن محترم درد صاحب نے نہ ماننا تھا نہ مانے۔ اور ہم چیکنگ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنی کرایہ والی کار ہی پر امیرا کدل پہنچے۔ شیخ محمد عبداللہ (صاحب) اور ان کے رفقاء استقبال کے لئے موجود تھے سب بہت خوشی سے ملے۔ ان کے حوصلے بلند ہو گئے ...... میں نے آتے ہی اپنے کمرہ میں دفتر لگایا۔ ہم دفتر کا تمام ضروری سامان ٹائپ رائٹر وغیرہ ساتھ لے گئے تھے۔ یہ وہ تاریخی ٹائپ رائٹر تھا۔ جس نے کشمیریوں کی امداد میں لاکھوں لفظ ٹائپ کئے۔ اور ان کا تاریخی میموریل بھی اس پر ٹائپ ہوا جو مہاراجہ کو پیش کیا گیا۔

آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے لمبے اور گہرے مطالعہ اور نمائندگی کشمیر کے مشورہ سے مطالبات کا جو مشورہ انگریزی زبان میں تیار کیا تھا وہ ان کے سپرد اس غرض سے کر دیا گیا کہ اس پر پورے گیارہ نمائندے پھر غور کریں اور اگر کسی جگہ ترمیم کی ضرورت سمجھیں تو کریں...... کئی گھنٹہ کے غور و فکر کے بعد نمائندگان کشمیر نے اس میں کسی کسی جگہ ترمیم کی۔ البتہ ان ترمیموں کی صرف زبان مولانا یعقوب خان صاحب ایڈیٹر لائٹ (Light) لاہور اور مولانا درد صاحب نے درست کی۔ جب اس مسودہ پر سب نمائندگان کو شرح صدر ہو گیا تو وہیں راقم الحروف نے اسے ٹائپ کیا اور رات گئے یہ کام ختم ہوا۔ دوسرے دن ...... پھر غور ہوتا رہا۔

چند الفاظ کی کمی وبیشی ہوئی۔ اوراس کے بعد میں نے اس مسودہ کو آخری شکل میں ٹائپ کر دیا۔ اوراس ٹائپ شدہ میموریل کی ایک کاپی (بطور ایڈوانس) اسی روز اور دوسری کاپی 19 را کتوبر 1931ء کوحسب پروگرام نمائندگان نے خود مہاراجہ کے سامنے جا کر پیش کی۔

(ہفت روزہ لاہور/3 مئی 1965ء صفحہ 8)

یہ میموریل جو آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے خوبصورت انگریزی پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا تھا مندرجہ ذیل نمائندگان نے پیش کیا۔ (۱) میر واعظ محمد یوسف صاحب (۲) میر واعظ احمد اللہ صاحب ہمدانی (۳) سعدالدین صاحب شال (۴) سید حسین شاہ صاحب جلالی (۵) غلام احمد صاحب اشائی (۶) ٹھیکیدار مستری یعقوب علی صاحب (۷) شہاب الدین صاحب (۸) شیخ عبدالحمید صاحب ایڈووکیٹ (۹) چوہدری غلام عباس صاحب (۱۰) سردار گوہر رحمٰن صاحب (۱۱) شیر محمد عبداللہ صاحب (شیر کشمیر)

(لاہور/3 مئی 1965ء صفحہ 8)

جب آل انڈیا نیشنل لیگ کا کام ختم ہوا تو خدّام الاحمدیہ میں 1939ء سے 1948ء تک لگا تار بطور معاون صدر، مہتمم مرکزی اور بالآخر معتمد مرکزی کام کرنے کے بعد 40 سال کی عمر ہونے پر ریٹائرڈ ہوئے۔

⌘ ❍ ❖ ❍ ⌘

انصار اللہ میں خدمات

آپ انصار اللہ مرکزیہ میں کئی اہم خدمات پر فائز رہے۔ اور مختلف حیثیتوں سے انصار اللہ مرکزیہ میں خدمات کی توفیق پائی۔ جب مکرم چوہدری صاحب مجلس انصار اللہ مرکزیہ میں شامل ہوئے تو پہلے نومبر 1950ء میں نائب قائد عمومی اور پھر ایک سال کے بعد سے متواتر قائد انصار اللہ کی حیثیت سے خدمات کی توفیق پاتے رہے۔

نومبر 1950ء میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مکرم چوہدری صاحب کی بجائے حضرت مرزا عزیز احمد صاحب ناظر اعلیٰ کو صدر مقرر فرمایا۔ علاوہ ازیں اس کی مجلس عاملہ میں کچھ اور بھی تبدیلیاں کی گئیں مثلاً حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل جٹ کی بجائے چودھری ظہور احمد صاحب آڈیٹر نائب قائد عمومی مقرر کئے گئے اسی طرح مولانا ابوالعطاء صاحب چودھری فتح محمد صاحب سیال کی جگہ قائد تبلیغ (بعد ازاں قائد رشد و اصلاح) اور نائب قائد تبلیغ مولوی احمد خاں صاحب نسیم بنائے گئے۔

(تاریخ انصار اللہ جلد اول و تاریخ احمدیت جلد 8 سے ماخوذ)

1957ء میں آپ کو بطور قائد مال انصار اللہ مرکزیہ خدمت کی توفیق ملی۔ اسی طرح آپ نے تین سال تک لوکل انجمن احمدیہ میں صدر کی حیثیت سے بھی کام کیا۔

وزراء سے مُلاقاتیں

مکرم چوہدری نے مختلف وقتوں میں پاکستان کے مرکزی اور صوبائی وزراء سے مُلاقاتیں

کیس ۔جن میں سیدنا حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ہدایات کے ماتحت جماعت احمدیہ کے مطالبات وتحفظات پیش کئے ان میں نمایاں شخصیات میں ذیل کی شخصیات شامل ہیں۔

1۔خان لیاقت علی خان،وزیر اعظم پاکستان 2۔جناب ممتاز دولتانہ،وزیر اعلیٰ پنجاب جن سے کئی مرتبہ ملاقات کی۔3۔جناب نورالامین،وزیر اعلیٰ مشرقی پاکستان۔

4۔جناب خان عبدالقیوم خان،وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد سے تین مرتبہ ملاقات کی۔

5۔جناب سردار بہادر خان،وزیر مواصلات۔

6۔جناب سیّد حسن محمود،وزیر اعلیٰ بہاولپور۔7۔جناب غلام نبی پٹھان،وزیر سندھ۔

8۔میجر مبارک علی،وزیر پنجاب سے کئی مرتبہ ملے۔

9۔جناب ڈاکٹر خان صاحب،وزیر اعلیٰ مغربی پاکستان سے ایک دومرتبہ ملاقات کی۔

10۔جناب کرنل عابد حسین شاہ مرکزی وزیر۔

11۔جناب شیخ خورشید احمد صاحب،وزیر مغربی پاکستان۔

12۔جناب میاں یاسین وٹو سے تین مرتبہ ملاقات کی۔

13۔جناب صدر محمد ایّوب خان۔14۔جناب امیر محمد خان،گورنر پنجاب۔

ان کے علاوہ مسٹر سہروردی سے وزیر اعظم ہونے سے پہلے،خواجہ شہاب الدین سے۔اسی طرح چیف سیکرٹری مغربی پاکستان اور انفارمیشن سیکرٹری مغربی پاکستان سے سلسلہ کی طرف سے مفوّضہ کام کی غرض سے ملنے کا موقع ملا۔

دوسری جنگ عظیم میں خدمات

مکرم چوہدری صاحب کو یہ اعزاز بھی حاصل رہا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ہدایات

کے ماتحت دوسری جنگ عظیم میں بھرتی کے سلسلہ میں کئی سال آنریری خدمت کی توفیق پائی جب حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمدؓ صاحب آنریری A.R.O لاہور ایریا مقرر تھے اور مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب نے بطور انچارج دفتر کام کیا اور سارے پنجاب کے دورے کئے اور کئی ریکروٹ بھرتی کروائے۔ان خدمات کے صلہ میں گورنمنٹ نے سندات امتیاز بھی دیں تاہم انہوں نے کبھی سند کو اپنے ذاتی فائدہ کے لئے استعمال نہیں کیا۔جبکہ دوسرے لوگوں نے بہت فائدہ اُٹھایا اور اراضیات حاصل کیں۔احمدیہ کور کے سلسلہ میں خدمات کا ذکر آپ نے خود حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کے بارہ میں اپنے مضمون میں بالتفصیل کیا ہے۔

علمی خدمات

آپ کو بحیثیت جنرل سیکرٹری ''ینگ مینز ایسوسی ایشن'' جنرل سیکرٹری ''گورداسپور نیشنل لیگ''، و ''نیشنل لیگ قادیان''، مہتمم خدّام الاحمدیہ مرکزیہ، صدر لوکل انجمن و قائد انصاراللہ مرکزیہ تقریریں کرنے کا موقع ملتا رہا۔ اسی طرح شعبہ اصلاح وارشاد مرکزیہ کے سیمینار میں مقالہ پیش کی بھی سعادت حاصل کی۔ آپ کے مضامین مندرجہ ذیل اخبارات میں شائع ہوئے۔

الحکم قادیان، روزنامہ الفضل، ریویو آف ریلیجنز، فاروق قادیان، اخبار نور قادیان، انصاراللہ، روزنامہ نوائے وقت اور روزنامہ امروز میں خطوط کی شکل میں نوٹ شائع ہوئے ہیں۔ رسالہ لاہور میں ایک مضمون ''کشمیر کی کہانی'' پندرہ اقساط میں شائع ہوا جو بعد میں کتابی صورت میں شائع ہوا۔ اس کتاب کو بہت سراہا گیا۔ اس کتاب پر دو روزنامہ اخبار نے قسطیں نقل کیں اور ہفتہ وار اخبار نے تبصرے لکھے۔

چنانچہ مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب اس کتاب کے ''عرضِ مؤلف'' میں تحریر کرتے ہیں:

کشمیر کی کہانی کے مولف مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب سابق ناظر دیوان صدر انجمن احمدیہ تحریر کرتے ہیں:

میں نہ ادیب ہوں نہ قلمکار اور نہ کوئی چھوٹا یا بڑا انشا پرداز۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے گاہے ماہے ملک کے جرائد و رسائل میں بعض موضوعات پر مضامین لکھنے کا موقع ضرور ملتا رہا لیکن چند مضامین لکھ کر نہ کوئی شخص ادیب بن سکتا ہے نہ مصنف و مولف۔ یہی حال میرا ہے

......اس پر بھی میری علمی بے بضاعتی کو ''کشمیر کی کہانی'' لکھنے کا حوصلہ کیونکر ہوا۔ سچ پوچھیں تو اس کا اصل باعث صرف اور صرف ایک اہم ترین قومی امانت کو قوم کے سُپرد کردینے کے شدید احساس کے سوا اور کچھ نہیں۔

میرے وہ قابل صد احترام بزرگ اور ملت اسلامیہ کی وہ مقتدر ہستی جو اس کہانی کی روح ورواں ہے اور جن کے ہاتھوں اس کہانی کی داغ بیل پڑی اپنی اَن گنت ملی مصروفیات کے باعث اپنی بابرکت زندگی میں ان اوراق کو یکجا طور پر شائع کرنے کی فرصت نہ نکال سکے بسا ممکن ہے ان کا بلند ضمیر اس لئے بھی اس طرف متوجہ نہ ہوا ہو کہ یہ ساری کہانی تو انہی کی بے لوث وپُر خلوص مساعی جلیلہ کے گرد طواف کر کے کہانی کے مقام تک پہنچتی تھی۔ حتیٰ کہ قضاوقدر کا بُلاوا آ گیا اور اُن کی پاکیزہ رُوح ''لبیک یا حبیبی'' ''لبیک یا حبیبی'' پکارتی ہوئی اپنے رفیق اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔ اور اُن کے کتنے ہی وہ بااعتماد ومخلص رفقاء کار بھی اللہ کو پیارے ہو گئے جنہوں نے اپنے بیدار مغز قائد کی رہنمائی میں حُریت وایثار کا یہ پودا اپنے خون سے سینچا تھا

آج کشمیر کا مسئلہ (پاک وبھارت دونوں ملکوں میں) جس گہری دلچسپی اور اہمیت کا حامل ہے اس کی تشریح وتوضیح کی چنداں ضرورت نہیں ہر روز نہیں تو ہر دوسرے یا تیسرے دن اس پر کسی نہ کسی جریدے میں کوئی اداریہ، افتتاحیہ، تبصرہ یا تجزیہ ضرور شائع ہوتا رہتا ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر اکثر دکھ ہوتا تھا کہ دانستہ یا نادانستہ۔ عدم واقفیت کی بنا پر یا سیاسی مصلحت اندیشیوں کے تحت مسلمانانِ کشمیر کی آزادی وفلاح کے لئے اولین ہمہ گیر تحریک (جو آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے شروع کی تھی) کے بارے میں اکثر غلط یا غلط فہمی وغلط اندیشی پر مبنی باتیں شائع ہوتی ہیں۔ میں نے مقدور بھر ان غلط فہمیوں کے ازالہ کی کوشش بھی کی۔ بیشتر جرائد کو خطوط بھی لکھے جن میں سے اکثر شائع بھی ہوتے رہے جس کے لئے میں متعلقہ جرائد کے مدیران ادارہ تحریر کا تہِ دل سے ممنون ہوں۔ لیکن یہ سلسلہ ان مراسلتوں سے بھی نہ رکا تو میرے بعض

مخلص کرم فرماؤں کی طرف سے یہ اصرار شروع ہوا کہ اب اصلاح و تصحیح کی صرف ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے۔ کہ تاریخ آزادی کشمیر کے ابتدائی حالات کو (جو میری آنکھوں نے دیکھے ہیں اور جن کے دستاویز ثبوت بھی میرے پاس محفوظ ہیں) یاداشتوں کے کشکول سے نکال کر کسی موقر جریدہ کے وقیع کالموں میں محفوظ کر دیا جائے۔ تا کہ ان لوگوں کے آب زر سے لکھے جانے کے لائق کارنامے بھی تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہو جائیں جنہیں کسی تعصب یا سیاسی اندیشیوں کے باعث مسلسل نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ یقیناً ان سے ایک دیانتدار مورخ کو تحریک آزادی کشمیر کا حقیقی پس منظر و پیش نظر ترتیب دینے میں بہت مدد ملے گی!

جب تک یہ باتیں اور واقعات گوشہ ہائے ذہن میں محفوظ تھے بہت مجمل بلکہ بہت مختصر محسوس ہوتے تھے لیکن جب انہیں ایک با قاعدہ مضمون کے سانچے میں ڈھالنے بیٹھا تو یہ سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا چلا گیا۔جنہیں برادرم مکرم ثاقب صاحب زیروی نے بڑی محبت سے اپنے مؤقر جریدہ ''لاہور'' میں شائع کرنا شروع کیا ابھی ''لاہور'' میں اس کی چند قسطیں ہی شائع ہوئی تھیں کہ مشرقی پاکستان کے ایک وقیع ماہنامے نے بھی ان کا بنگالی ترجمہ شائع کرنا شروع کر دیا اور اس کے ساتھ ہی وطن عزیز کے دونوں حصوں سے اس ساری کہانی کو جلد از جلد کتابی صورت میں شائع کرنے کا مطالبہ زور پکڑ گیا۔

میں نے اس مضمون کی ترتیب 1965ء میں شروع کی تھی مگر میری مصروفیات کے باعث یہ سلسلہ تین سال کے طویل عرصے پر پھیل گیا۔حتیٰ کہ میری مقدرت و استطاعت کو ایک عظیم محسن کے کریمانہ التفات کا سہارا میسر آ گیا اور میں اسے بالآخر کتابی صورت میں پیش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

وہ جو اپنے فضل سے اکثر اوقات اپنے بے مایہ۔نالائق اور بے بضاعت بندوں کی کمزور مساعی میں بھی برکت ڈال دیتا ہے آخر میں میری بھی اُسی جلیل وقدیر خدا سے

عاجزانہ التجا ہے کہ وہ اپنے لطف وکرم سے میری اس ناچیز کوشش کو بھی قبول فرمالے۔آمین ثم آمین۔

خاکسار

ظہور احمد

22 مئی 1968ء

''کشمیر کی کہانی'' میں آپ نے سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کی کشمیریوں کے لئے خدمات کا نچوڑ اس انداز میں تحریر کیا:

''ناقابلِ فراموش خدمات:

تاریخ اس حقیقت پر ہمیشہ خون کے آنسو روئے گی کہ بعض کشمیری لیڈروں نے اسلام دشمنوں کے بہکاوے میں آکر اسیروں کے اس روستگار سے روگردانی اختیار کی جو سالوں سے بےغرضی اور بےنفسی کے ساتھ ان کی جانی، مالی، حالی اور قالی خدمت کررہا تھا۔پھر یہیں پر بس نہیں ان لوگوں نے اپنی لغزشوں کی پردہ پوشی کے لیے تاریخ حریت کشمیر کے ان حقیقی اوراق کو چھپانے پس پردہ ڈالنے بلکہ پھاڑنے تک سے گریز نہ کیا۔جو اس کے بے لوث اور ناقابلِ فراموش خدمات کے ذکر سے معمور تھے۔لیکن بھلا سیاسی حیلہ سازیوں سے کبھی تاریخی حقائق کو بھی جھٹلایا جاسکتا ہے۔کشمیر کی جدوجہد کی کوئی تاریخ مرتب ہو۔کسی جہت سے مرتب ہو۔اس کا مولف اُسے کتنا ہی روگردان ہو کر لکھے۔وہ اپنی اوچھی لفاظی کو بھی اس محسنِ کشمیر کی جدوجہد کا ذکر کئے بغیر کیونکر مکمل قرار دے سکتا ہے۔جس نے حریت کے اس قصر کی پہلی اینٹ رکھی اور پھر اس کی بنیادوں میں اپنے اخلاص اور محبت کا چونا گارا کھپا کر اُسے پروان چڑھایا مگر اہالئی کشمیر کی شومی کہ جب اس قصرِ رفیع الشان کی بنیادیں

اُٹھ کھڑی ہوئیں چھت پڑ چکی اور اس کی محرابوں اور جدولوں پر عقل و دانش سے استحکام کی گلکاریوں کا وقت آیا تو کشمیر کے بعض فرزند شرِ نفس اور سیاسی حرص و آز کے سحر میں آ گئے اور انہوں نے سیاسی مصلحت اندیشی کو چوغہ پہن لیا۔لیکن فطرت کو ان کی احسان ناشناسی پسند نہ آئی اور وہ بے مثل جدوجہد با برکت پھل دیئے بغیر ہی ادھوری رہ گئی۔

اللہ تعالیٰ کی ان گنت برکات نازل ہوں اُس بے نفس بزرگ اور مظلومین کشمیر کے اُس محسن پر جس نے اس بے وفائی کے باوجود تقسیم ملک کے بعد بھی جدوجہد قائم رکھی اور اپنے مقدور کی انتہا تک دامے، درمے، قدمے، سخنے کشمیری بے خانمانوں کو سہارا دیا۔کاش عین وقت پر بعض کشمیری راہنما ہندویت کے سیاسی دام میں نہ پھنس جاتے اور اے کاش! اللہ تعالیٰ کا وہ برگزیدہ انسان اپنی آنکھوں سے اُس پودے کو سرسبز لہلہاتے اور میٹھے پھل دیتا ہوا دیکھتا۔جس کا بیج اس نے اپنے ہاتھوں سے انتہائی اخلاص اور بے نفسی سے بویا تھا۔''

جماعتوں کے دورے اور احباب سے تعارف

مرکزی دفاتر میں کام کرنے اور مرکزی مجالس کا عہدہ دار ہونے کی وجہ سے مکرم چوہدری صاحب کو بیرونی عہدیدران اور احباب سے واسطہ پڑتا رہتا۔اس کے نتیجہ میں آپ کی واقفیت خاصی وسیع ہوگئی۔آپ نے سلسلہ کے مفاد کی خاطر مختلف جماعتہائے احمدیہ کے دورے بھی کئے جن سے واقفیت اور تعلقات کا حلقہ وسیع تر ہوگیا۔آپ کو جماعتی ہدایت کے مطابق مشرقی پاکستان کی جماعتوں کا بھی دورہ کرنے کی سعادت ملی۔

جلسہ سالانہ ربوہ کے مواقع پر ہر سال ذمّہ داری کے ساتھ کئی عہدوں پر کام کرنے کا انہیں موقع ملا۔1949ء سے 1981ء تک ہر سال کسی نہ کسی شعبہ کا ناظم ہونے کی حیثیت سے کام کرنے کی سعادت حاصل کی وایں سعادت بزور بازو نیست۔

مشاورت میں بجٹ پیش کرنے کی سعادت

1955ء کی مجلس مشاورت میں آپ کو بجٹ صدر انجمن احمدیہ پیش کرنے کا موقع ملا اور یہ کام انہوں نے احسن طور پر سرانجام دیا۔ اور یہ مجلس مشاورت کی تاریخ میں پہلی مثال تھی کہ صدر اور سیکرٹری کے علاوہ کسی نے مجلس شوریٰ میں بجٹ پیش کیا ہو۔

(رپورٹ مجلس مشاورت پاکستان 1955ء)

آپ حضور انور کے ارشاد پر مجلس مشاورت کی سب کمیٹی کے پندرہ سے زائد بار ممبر رہے۔ رپورٹ مجالس شوریٰ در عہد خلافت ثالثہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے کئی سال کئی اہم خدمات سرانجام دیں اور مجلس شوریٰ کی تجاویز پر اظہار خیال کیا۔

بعض خاص سعادتیں

کوئٹہ میں احمدیوں کا ایک اہم مقدمہ چل رہا تھا جس میں لاکھوں روپے کا معاملہ تھا۔ حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے سامنے مقدمہ تھا۔ حضور نے اس مقدمہ کی اہمیت کے پیش نظر فیصلہ فرمایا کہ اس مقدمہ میں تین اسیسر بھی ہوں جو حضور کے ساتھ حاضر رہیں اور حضور کو مشورہ پیش کریں۔ یہ اسیسر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے مکرم میر محمد بخش صاحب ایڈووکیٹ گوجرانوالہ اور مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب تھے۔

ایک اور کیس حضور کے خاندان کا جس میں لاکھوں روپیہ کا معاملہ قابل تصفیہ تھا۔ فریقین نے یہ کیس حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے سپرد کیا۔ حضور نے اپنی نگرانی میں یہ کیس مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب کو برائے تحقیق و تکمیل و رپورٹ دیدیا تھا۔

1955ء حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی یورپ سے علاج کے بعد

واپس آنے پر شاندار استقبال کیا گیا۔صدر انجمن احمدیہ نے ایک مجلس استقبالیہ مقرر کی جس کا سیکرٹری مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب کو مقرر کیا اور اسی مجلس نے استقبال کے جُملہ انتظامات کئے۔

مجلس نصرت جہاں کے انتظامی ڈھانچے کا قیام

جب خلافت ثالثہ میں مجلس نصرت جہاں کا قیام عمل تمیں تو آپ کو اس میں بھی خدمات کی توفیق ملی۔

مجلس نصرت جہاں کے مقاصد صرف چندہ جمع کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔اس کے لئے اس بات کی ضرورت تھی کہ بڑی تعداد میں ڈاکٹر صاحبان اور اساتذہ آگے آکر اپنی زندگیاں وقف کے لئے پیش کریں اور مغربی افریقہ جا کر وہاں کے لوگوں کی بے لوث خدمت کریں۔اور ان اہم امور کو چلانے کے لئے ایک انتظامی ڈھانچے کی بھی شدید ضرورت تھی جو مستقل بنیادوں پر مغربی افریقہ میں جماعت کے طبی اور تعلیمی اداروں کو چلائے۔چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے تقریباً دو ماہ کے بعد نائب وکیل المال مکرم سمیع اللہ سیال صاحب کو ارشاد فرمایا کہ جو چندے اب تک ہمارے پاس آئے ہیں ان کا ریکارڈ ہم آپ کو دیتے ہیں۔آئندہ سے آپ نصرت جہاں ریزروفنڈ کے انچارج ہوں گے۔اس کے بعد مکرم سمیع اللہ سیال صاحب نے نصرت جہاں ریزروفنڈ کے سیکریٹری کی حیثیت سے کام شروع کیا۔کچھ عرصہ بعد مکرم چوہدری عبدالشکور صاحب سابق مبلغ لائبیریا بھی ان کے ساتھ اس کام میں شامل ہوگئے۔اور تقریباً ایک سال کے بعد ریزروفنڈ کا کام مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب ناظر دیوان کے سپرد ہوگیا۔(۶) پاکستان میں اس سکیم کے لئے وعدہ جات اور چندہ کے حصول کا کام تیزی سے شروع ہوگیا۔اور ۱۷ر جولائی ۱۹۷۰ء تک پاکستان کی جماعتوں سے بیس لاکھ

کے وعدے وصول ہو چکے تھے اور اس قلیل مدت میں مرکز میں اڑھائی لاکھ روپیہ نقد وصول ہو چکا تھا۔

(سلسلہ احمدیہ جلد سوم سے ماخوذ)

⌘ ❍ ❖ ❍ ⌘

وفات

ع گر سو برس رہا ہے آخر کو ھر جدا ہے

اس دار فانی کو سبھی نے چھوڑ کر دار جاودانی کو کوچ کر جانا ہے۔ موت ایک ایسی حقیقت ہے کہ جسے سبھی کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کیونکہ یہ گھر ہی بے بقا ہے۔

مکرم چوہدری ظہور احمدؓ صاحب ناظر دیوان وسیکرٹری صد سالہ جوبلی فنڈ مؤرخہ 24 جون 1982ء بروز جمعرات رات بارہ بجے ربوہ میں ہارٹ اٹیک سے وفات پا گئے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُوْنَ۔ آپ نے رمضان المبارک میں وفات پائی۔ چنانچہ جمعہ کی نماز کے بعد سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے خطبہ ثانیہ کے دوران آپ کی اعلیٰ خصوصیات پر روشنی ڈالی۔ چنانچہ حضور انور نے فرمایا کہ احباب جماعت نے یہ دردناک خبر سُن لی ہوگی کہ رات اچانک مکرم ومحترم چوہدری ظہور احمدؓ صاحب ناظر دیوان انتقال کر گئے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

(خطبہ جمعہ جون 1982ء بمقام بیت اقصیٰ ربوہ از خطبات طاہر جلد اول)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی نظر میں آپ کا مقام

حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے خطبہ ثانیہ کے دوران حضرت چوہدری صاحب کا ذکر خیر کرتے ہوئے فرمایا:

''احباب جماعت نے یہ دردناک خبر سن لی ہوگی کہ رات اچانک مکرم محترم

چوہدری ظہور احمد صاحب سابق آڈیٹر، ناظر دیوان کا حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بہت ہی مخلص دیرینہ خادم تھے مجھے بھی ان کے ساتھ کچھ کام کرنے کا موقعہ ملا ہے اکٹھے بعض مجالس میں میں نے ان میں بعض صفات بڑے قریب سے دیکھیں۔ ایک تو یہ کہ محنت کی عادت تھی دوسرے رازداری کا مادہ بہت پایا جاتا تھا اور کلیۃً ان پر انحصار کیا جا سکتا تھا۔ تیسرے وفا بہت تھی اور خلافت احمدیہ کے ساتھ تو ایسی غیر متزلزل وفا تھی کہ جس کو نصیب ہو تو اس کے لئے یقیناً قابل رشک ہے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے۔

اگر یہاں آیا ہوا ہو تو انشاء اللہ نماز جمعہ کے بعد یہیں ان کی نماز جنازہ پڑھاؤں گا۔ ساتھ ہی اس دعا کی بھی تحریک کرتا ہوں کہ جہاں ان کے لئے بلندئ درجات کی دعا کرتے رہیں وہاں یہ بھی دعا کرتے رہیں کہ اے اللہ تعالیٰ اگر ایک اچھا خادم ہم سے اٹھا لے تو اس کی جگہ ہزار اچھے خادم ہمیں عطاء کرے کیونکہ کام بہت ہے اور طاقت کم ہے۔ بہت زیادہ کام ہے دنیا میں ابھی تو ہمیں کسی ایک ملک میں بھی روحانی غلبہ نصیب نہیں ہوا تو اچھے کارکن اگر اٹھتے چلے جائیں اور انکی جگہ بہت سے اور اچھے کارکن جگہ لینے کے لئے آگے نہ آئیں تو کام کیسے چلے گا۔

توکل اللہ ہی کی ذات پر ہے اور وہی کام چلائے گا مگر ہمارا فرض ہے کہ بندگی کا حق ادا کرتے ہوئے عاجزانہ دعائیں کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اچھے کارکن سے کبھی خالی نہ رکھے۔ ایک لے تو اس کی جگہ ہزار اور دے اور یہ سلسلہ فضلوں اور رحمتوں اور برکتوں کا آگے ہی آگے چلتا چلا جائے''

خطبہ کے بعد فرمایا:

جنازہ آچکا ہے میں نماز جمعہ کے بعد اور سنتوں سے پہلے نماز جنازہ پڑھاؤں گا۔
اس کا طریق یہ ہوگا کہ چونکہ محراب میں اور امام اور میت کے درمیان دیوار ہے
اس لئے میں فرض پڑھانے کے بعد باہر چلا جاؤں گا۔ایک صف باہر بن جائیگی
باقی احباب اپنی اپنی صفوں میں کھڑے رہیں اور جنازہ میں شامل ہوں۔''

(خطبہ جمعہ 25 جون 1982ء از خطبات طاہر جلد اول)

آپ کی بھانجی مکرمہ صفیہ اشرف بیان کرتی ہیں:

ماموں جان یعنی حضرت چوہدری ظہور احمد صاحب کی ساری زندگی تقویٰ کی راہوں پر چلتے ہوئے خدمت دین میں گزری۔آپ کی جان نثاری حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کے ہر فرد سے تھی خصوصاً حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ حضرت مرزا ناصر احمدؒ صاحب کے ساتھ تو بہت ہی وفاداری اور پیار کا تعلق تھا۔اس پیار کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی معمولی بیماری سے اچانک وفات ہوگئی تو ماموں جان نے اس صدمے کو اس شدت سے لے لیا اور تقریباً دس دن بعد آپ ہارٹ فیل ہو جانے سے وفات پا گئے۔اس وقت رمضان کا مہینہ تھا۔ہمیں صبح سحری کے وقت اطلاع ملی تو ہم سب اسی وقت ربوہ چلے گئے۔میرے بھائی حافظ مسعود احمد صاحب کو ماموں جان سے بہت پیار تھا وہ یہ صدمہ برداشت نہیں کر پا رہے تھے۔جب ماموں جان کا جنازہ تیار ہوگیا اور آپ کو اپنے گھر کے ایک کمرے میں برف کی سلیوں کے درمیان رکھا گیا تو اس وقت حضور خلیفۃ المسیح الرابعؒ پیدل تشریف لائے۔میت کے پاس کھڑے ہوکر دعا کی۔ماموں جان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر سب پسماندگان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ایسے وفادار، ایماندار اور مخلص بندے کم ہی پیدا ہوتے ہیں جنہوں نے اپنی ساری زندگی سلسلہ کے لئے قربانیاں دیتے گزاری ہوں۔

مکرمہ بشریٰ خاتون بیان کرتی ہیں:

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ پچیس جون 1982ء کومغرب کی نماز کے بعد صاحبزادہ مرزا لقمان احمد صاحب کے ہمراہ ماموں جان کے گھر تعزیت کے لئے تشریف لائے۔ اتفاقاً میں باہر گئی حضورؒ کو دیکھا حضورؒ نے فرمایا تم بُشریٰ ہو؟ (بُشریٰ بنت بھائی محمود احمد صاحب اہلیہ محمد دین انور) جی حضور! میں نے کہا۔فرمایا مجھے ممانی جی (ممانی جی اقبال بیگم صاحبہ اہلیہ چوہدری ظہور احمد صاحب) کے پاس لے چلو۔ میں حضورؒ کواندر ممانی جی کے پاس لے گئی۔ممانی جی ابھی مصّلے پر دعائیں پڑھ رہی تھیں عزیز رفیق احمد آ گئے ۔آپ ممانی جی کے پاس بیٹھ گئے تعزیت کی۔ ماموں جان اوران کی اولاد کے لئے دعائیں کیں ۔الحمدِللّٰہ علیٰ ذالک۔ یہ ہمارے خاندان میں پہلا موقعہ تھا کہ خلیفۂ وقت خود تعزیت کے لئے آئے اور ممانی جی کو صبر کی تلقین کی۔حضورؒ نے جنازہ سے قبل ماموں جان کا چہرہ دیکھا، دعا کی اور بوسہ لیا۔الحمدِللّٰہ ذالک۔

واقعہ وفات

وفات کے بارہ میں مکرمہ مبارکہ خاتون صاحبہ بنت چوہدری ظہور احمد صاحب مرحوم ناظر دیوان بیان کرتی ہیں:

آخری ایام میں پروگرام کے مطابق حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے ساتھ یورپ کے دورہ پر جانے کا پروگرام تھا۔سیٹ ریزروتھی۔ اور دفتر موصیان کا بھی حساب کتاب کا بہت لمبا کام تھا۔ جب ملنے جاتی اس میں مصروف ہوتے۔ یورپ جانے سے پہلے وہ کام ضروری ختم کرنا تھا۔ ساتھ دو آدمی بھی مدد کرتے تھے۔ایک دم حضور رحمہ اللہ کی بیماری اور وفات کی خبر ملی۔ یہ دردناک خبر ملتے ہی میرے منہ سے نکلا۔اِنّالِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔ اب ابا جان نہیں بچیں گے۔سو وہی ہوا کہ دونوں چند دنوں کے وقفہ سے راہی عدم ہوئے

اور ہمیں رونے دھونے کے لیے چھوڑ گئے ۔ ابا جان مرحوم کی رمضان شریف میں وفات ہوئی۔ حضرت خلیفۃ الرابع رحمہ اللہ اسی وقت گھر پر تشریف لائے۔ منہ پر بوسہ دیا۔ اپنی انگوٹھی الیس اللہ بکاف عبدہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام والی تبرک منہ پر لگائی۔ اور میری والدہ کو خاص طور پر صبر کی تلقین کی وہ میری والدہ مرحومہ کو ممانی جان اور ابا جان کو ماموں جان کہہ کر پکارتے ۔ پرانے تعلقات تھے۔ ممانی جان مجھے ماموں جان کی باتیں اب سمجھ میں آتی ہیں ۔ یورپ جانے والے پروگرام کے بارہ میں بات کی جاتی تو کہتے دیکھیں کیا بنتا ہے وغیرہ وغیرہ ۔ چونکہ ابا جان مرحوم کی سیٹ حضور رابع رحمہ اللہ کے ساتھ یورپ کے لیے بک تھی۔

جون کا سخت گرم مہینہ تھا۔ ابا جان کے سپرد حضور رابع رحمہ اللہ کی طرف سے K.L.M ایئر سروس کے سٹاف کی دعوت کا انتظام کرنا تھا۔ وہ سارے لاہور سے آئے تھے ربوہ۔ ابا جان مرحوم کا سارا دن ان کے لیے انتظام میں گزرا۔

صرف تھوڑی دیر کے لیے دوپہر کو آرام کرنے کے لیے گھر آئے۔ عصر کی نماز کے لیے مسجد گئے اور پھر رات گیارہ بجے گھر آئے۔ میری والدہ محترمہ مرحومہ کو مطمئن انداز میں بتایا الحمدللہ K.L.M والے بہت خوش ہو گئے ہیں اور وہ بہت مشکور تھے۔ اور ہر چیز کھانے اور انتظام کی تعریف و شکریہ کیا۔ گھر آتے ہی سو گئے ایک گھنٹہ بعد ہی گھبرا کر جاگ گئے۔ اور بتایا کہ دل میں سخت درد ہے۔ میری والدہ اور ماموں جان جلدی ڈاکٹر لطیف صاحب کی طرف بھاگے ان کا دروازہ کھٹکھٹایا لیکن وہ کولر وغیرہ کے شور سے سن نہ سکے۔ حالانہ ابا جان مرحوم اور ڈاکٹر صاحب کے گھر ایک ساتھ تھے۔ میرے ماموں جان مرحوم اور وہ ایسی دوڑ بھاگ میں تھے کہ والدہ محترمہ مرحومہ ابا جان مرحوم سے کہ طبیعت کیسی ہے۔ کوئی چیز بھی لینے یا کھانے کے لیے نہیں مانے۔ اتنے میں پیارے ابا جان نے کہا۔ السلام علیکم میں جا رہا ہوں۔ ماموں مرحوم گھبرا کر مایوس آ گئے۔ اتنے میں پیارے ابا جان مرحوم اللہ کو پیارے ہو

چکے تھے۔اِنّالِلّٰہِ وَانّا اِلیہِ رَاجعُون۔

ابا جان مرحوم کی ساری زندگی بچپن سے بڑھاپے اول تا آخر خلفائے کرام کی بے لوث خدمت و اطاعت اور سلسلہ کی وفا میں گزر گئی۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند سے بلند کرتا جائے۔ آمین۔ یا رب العالمین۔ جب ہمارے ابا جان کی وفات ہوئی تو تعزیت کرنے والوں کیلئے کے گھر کے دونوں گیٹ کھول دیئے گئے۔سارا گھر احباب کرام سے بھر گیا۔ چونکہ رمضان شریف کی وجہ سے لوگ سحری کے لیے اٹھ چکے تھے۔سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کو اپنے ماموں کو شروع میں ہی مل کر چلے گئے حضور رحمہ اللہ ابا جان کو ماموں جان کہتے تھے۔ جمعہ کا دن تھا اور رمضان المبارک نماز جمعہ کے بعد نماز جنازہ پڑھایا گیا۔ جو حضور رحمہ اللہ نے پڑھایا۔ پیارے ابا جان مرحوم تو بچپن سے ہی قادیان پڑھنے آ گئے۔اور وہیں دین کی خدمت میں لگ گئے اور ربوہ ریٹائرڈ ہوئے۔لیکن خلفاء کے ارشاد پر پھر دوبارہ دفتر جانا شروع کر دیا۔ان کو دل کا حملہ ہوا۔تو آرام کے لیے میرے شوہر محترم ڈاکٹر رشید احمد صاحب مرحوم اپنے گھر لے آئے کہ کچھ دن ہمیں ان کے قریب ہونا چاہیے۔ ابھی چند دن آرام کیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا پیغام آیا کہ بستر چھوڑ دیں اور کام شروع کر دیں۔ یہ ارشاد تھا کہ پیارے ابا جان اپنے گھر چلے گئے اور معمول کی طرح کام شروع کر دیا۔

ایک دن حسب معمول پیارے ابا ان کو ملنے گئے۔ابا جان اداس اور خاموش تھے میں نے سلام کیا تو ابا جان مرحوم نے جواب دیا اور بولے پتر بیٹا میرے پاس بیٹھو۔آپ صوفے پر لیٹے ہوئے تھے۔ بولے حضور رحمہ اللہ مجھے اپنے ساتھ یورپ لے جانے کو کہہ رہے ہیں مگر مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کیوں۔لیکن وہ میری حیرانگی پر اور پریشانی پر کہ کچھ نہیں اور بات بدل دی۔اور بولے آسمان کی طرف ہاتھ کر کے کہ دیکھو خدا کیا کرتا ہے۔اس وقت مجھے کچھ سمجھ نہیں آیا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو وہی نظارہ بار بار کہ مجھے اس وقت ذرا پتا نہیں چلا کہ

ان کا کیا مطلب ہے۔ انہیں دنوں کچھ سالوں بعد پہلے دل کے حملہ کے بعد دوبارہ حملہ ہوا جو
جان لیوا ثابت ہوا۔

باب......ہفتم

سیرت وتاثرات

تاثرات

مکرم چوہدری صاحب کے بارہ میں کثیر احباب نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا تھا تاہم اکثر ان مضامین میں سے ضائع ہو گئے۔ آپ کے اعزاء واقارب نے بھی جن خوبصورت خیالات کا اظہار کیا تھا وہ بھی مکمل طور پر دستیاب نہ ہو سکے۔ جو تاثرات دستیاب ہو سکے ان میں سے بعض دلچسپ تاثرات بین السطور کئے جا رہے ہیں۔

اچانک حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کو دھکا دیدیا

ماہنامہ ''تحریک جدید'' ربوہ جون 2010ء میں مکرم صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب نے اپنے والد محترم (حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ) کے بارہ میں ''سیدی ابا'' کے عنوان سے اپنی یادوں کو قلمبند کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سیدی ابا بہت بہادر تھے۔ بڑے بڑے خطروں میں اپنے آپ کو ڈال لیتے۔ 1947ء میں حفاظتِ مرکز آپؒ کی ذمہ داری تھی۔ ایک دن جب محصور خواتین کو گلی کی دوسری طرف سے چھت پر پھٹے رکھ کر مسجد اقصیٰ لایا جا رہا تھا اور آپ مسجد کی ایک کھڑکی کے پاس کھڑے تھے اس وقت نیچے سے ایک سکھ نے فائر کرنے کے لئے رائفل اٹھائی تو چودہری ظہور احمد صاحب (سابق ناظر دیوان) کی نظر اس پر پڑی۔ آپؒ کو ہوشیار کرنے کا وقت نہیں تھا۔ انہوں نے پیچھے سے آپؒ کو دھکا دے دیا اور آپؒ گر پڑے۔ آپ بہت احسان منداور دوست نواز تھے۔ تمام عمر ان کے اس احسان کو نہیں بھولے۔ خلافت کے بعد جب کبھی بیمار ہوتے اور دفتر نہ جاتے تو چودہری صاحب ان ایک دو آدمیوں میں شامل تھے جن کو اپنے بیڈ

روم میں ملاقات کے لئے بلا لیتے۔

(الفضل انٹرنیشنل 20 فروری 2015ء تا 26 فروری 2015ء صفحہ 18)

مرحوم بھائی ظہور احمد کا ذکر خیر

مکرم میاں محمد ابراہیم صاحب سابق مبلغ سلسلہ ڈیٹن اوہایو امریکہ تحریر کرتے ہیں:

مورخہ 29 جون 1982ء کی صبح محترم مولانا عطاء اللہ کلیم صاحب مشنری انچارج نے واشنگٹن سے فون پر افسوسناک خبر دی کہ محترم چوہدری ظہور احمد صاحب (ناظر دیوان) دل پر حملہ ہونے کے نتیجہ میں اچانک وفات پا گئے۔ مولانا موصوف کو معلوم تھا کہ میرے اور محترم چوہدری صاحب مرحوم کے دیرینہ، خاص محبت اور اخلاص کے تعلقات ہیں ایسے مجھے یہ خبر سن کر یقیناً صدمہ ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اصل خبر سنانے سے پہلے کہا کہ جو خبر وہ سنا رہے ہیں اس کے سننے کے لئے میں اپنے دل کو مضبوط کرلوں اور اس کو ذہنی طور پر سننے اور برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاؤں۔

چل نہیں سکتی کسی کی کچھ قضا کے سامنے
جو پیدا ہوا اسے مرنا ہی ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میرا اور چوہدری صاحب مرحوم کا دسمبر 1929ء سے دوستانہ تعلق قائم تھا۔ میں جب تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں بطور ٹیچر آیا۔ مرحوم ان دنوں سکول میں کلرک تھے۔ ان دنوں میری طرح پتلے دبلے جسم کے مالک اپنے کام میں منہمک، پہلی ہی ملاقات میں دونوں میں دوستی اور محبت پیدا ہوگئی اور جوں جوں وقت گذرتا گیا۔ ہمارا تعلق مضبوط ہوتا گیا۔ اور ہم سگے بھائیوں سے بھی زیادہ قریب ہو گئے اور ہماری یہ دوستی جو محض للہ تھی، مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی۔ اور دوستی کے اس عہد کو فریقین نے وفاداری

سے آخری دن تک نبھایا۔ ابھی دو تین دن ہی ہوئے ربوہ برادرم مظفر احمد جو حضور رحمہ اللہ کی وفات پر امریکہ کے نمائندہ بن کر پاکستان گئے تھے واپس آئے تو میرے اس دینی بھائی نے مجھے پاکستانی اخبارات کے تراشے بھیجے جن میں حضور کی وفات اور خلافت کے انتخاب پر نوٹ شائع ہوئے تھے۔ اور ساتھ لکھا کہ حضور کی وفات نے نڈھال کر دیا ہے ابھی تک صدمہ کا دھکا برداشت نہیں ہوا۔ انہوں نے جو کچھ لکھا چند دن کے بعد ان کے انتقال نے اس کی تصدیق کر دی۔

محترم چوہدری صاحب جو اپنا وعدہ پورا کر کے اللہ کو پیارے ہو گئے بعض خوبیوں میں یکتا و منفرد تھے ایک خوبی ان میں ایسی تھی جس پر مجھے ہمیشہ رشک آتا رہا وہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ علیہ سے ان کی وفاداری اور فدائیت تھی۔ صحیح معنوں میں وہ حضور کے جان نثار خادم تھے اور دل و جان سے حضور کے فدائی اور تابع فرمان تھے۔

صدر انجمن احمدیہ میں تو مفوضہ کام تو دیانتداری اور محنت سے کرتے ہی تھے۔ سلسلہ کی ذیلی تنظیموں میں بھی جو خدمت ان کے سپرد ہوئی یا وہ اپنے ذمہ لیتے اس کو بھی نہایت توجہ اور ذمہ داری سے ادا کرتے۔ معمولی کلرک سے ہیڈ کلرک، محاسب اور پھر حضور رحمہ اللہ کو نوازش اور قدر دانی سے صدر انجمن احمدیہ کے ناظر مقرر ہوئے اور اپنے سارے عرصہ کارکنی میں حضور کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مسلسل سعی کرتے رہنا ہی اپنا اصول بنائے رکھا۔ بے حد محنت کرنے والے۔ حسابی دماغ والے بیدار مغز، سلسلہ کا درد رکھنے والے، غیرت مند وجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے ساتھ احسان اور محبت کا سلوک کیا۔ اور انہیں جو حضور رحمہ اللہ کی ذات بابرکات سے خلافت سے پہلے ہی خدام الاحمدیہ، انصار اللہ اور دیگر اداروں میں حضور کے سایہ میں، حضور کے مقاصد اور پروگراموں کی تکمیل میں حصہ پانے کی سعادت ملتی رہی اور حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس اپنی تربیت میں لے کر انہیں سلسلے کا مفید وجود بنا دیا۔

مرحوم بھائی نے سلسلہ کی وفاداری۔اس کے اموال کی حفاظت اوراس کے مفاد کو بے نفسی سے مقدم رکھنے کی ایک قابلِ قدر مثال پیش کردی اورآخردم تک سلسلہ کی خدمت کرنے کی توفیق پائی اللہ تعالیٰ ہم سب کوآپ کی سی خوبیوں کا وارث بنائے۔وہ یقیناً اپنی مراد کوپہنچ گئے۔اللہ تعالیٰ ان سے احسان کا سلوک فرماوےاوران کے نیک اعمال اورنیت کا بہترین اجرعطافرمائے۔آمین۔

ان کی زندگی سلسلہ کی خدمت کرنے کی خواہش اورنیت رکھنے والوں کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ہمارا سلسلہ کوئی دنیاوی سلسلہ نہیں۔لیکن اس کے کارکنوں کے لئے قواعد وضوابط موجود ہیں اور ہرشخص کے لئے اس کے استحقاق اورکارکردگی کے مطابق ترقی کرنے کے مواقع موجود ہیں چنانچہ ادنیٰ درجہ سے ترقی کرتے کرتے ریٹائرمنٹ کی عمرتک کارکن صدرانجمن احمدیہ کے انتہائی گریڈ تک پہنچ سکتا ہے۔محترم چوہدری صاحب مرحوم نے بھی ایسے ہی زینے طے کئے۔لیکن ان میں جومنفرد خصوصیت تھی وہ اپنی وفاداری،دیانت اوراخلاص سے حضور کی خوشنودی حاصل کرنے کا عزم تھا۔حضور نے ان پراعتماد کیا۔اورانہیں جس کام پر بھی عارضی طور پر یا مستقل طور پر مامور فرمایا ہمارے بھائی ظہور احمد نے حضور کی منشاء مبارک کے مطابق ہرمہم کوسرکرنے کی سعادت پائی۔وہ حضور کے خاص معتمدین میں تھے اورجس انہاک اورفدائیت سے کام لے کرمحترم چوہدری صاحب مرحوم نے حضور کی نگاہ میں خاص مقام حاصل کیا وہ کسی کسی کو ہی نصیب ہوتا ہے۔ان کے دل میں حضور کی محبت اورحضور کے منشاء مبارک کے مطابق حضور کی خوشنودی حاصل کرنے کا جذبہ ہی تھا جوانہیں کہیں کا کہیں لے گیا۔

حضور رحمہ اللہ کے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد تو وہ پروانے ہی بن گئے تھے ویسے انہیں شروع سے ہی حضور سے والہانہ محبت تھی۔

حضور کو دیکھ لیتے تو دل قابو میں نہ رہتا یہی چاہتے کہ جہاں بھی ہیں حضور کی خدمت میں پہنچیں۔ایک واقعہ مجھے کبھی نہیں بھولتا۔

بہت سالوں کی بات ہے حضور ابھی خلیفہ نہیں ہوئے تھے ایک روز بہت سے احباب کسی جنازہ کے موقعہ پر بہشتی مقبرہ میں جمع تھے ہم چند دوست بھی ایک حلقہ بنائے اندر کی چار دیواری کے قریب کھڑے گفتگو میں مصروف تھے کہ اتنے میں بہشتی مقبرہ کے شرقی دروازہ سے ان دنوں کے حضرت میاں صاحب (خلیفہ ثالث اندر داخل ہوتے نظر آئے کسی مسئلہ پر گرما گرم بحث ہو رہی تھی اور سب دوست یا راس میں حصہ لے رہے تھے۔ چوہدری صاحب مرحوم سمیت، لیکن جونہی چوہدری صاحب مرحوم نے حضور کو آتے دیکھا اس وقت ''اوہ میاں صاحب، میاں صاحب، کہنا شروع کر دیا۔ جو بات کر رہے تھے وہ وہیں کی وہیں رہ گئی اور بے ساختگی کے عالم میں گیٹ کی طرف تیز تیز چلنا شروع کر دیا تا کہ جتنی دور تک ممکن ہو سکے جا کر استقبال کریں۔ اپنے ''میاں صاحب'' کو دیکھ کر وہ دوستوں کی مجلس سے بے رخی سے منہ موڑ کر بے تابی سے ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور اپنے ساتھ اپنے محبوب کو اندرونی چار دیواری تک لائے۔ یہ مثالی دلی محبت اور فدائیت ہی تھی جو اپان رنگ لائی اور حضور نے شفقت اور قدر دانی کا سلوک روا رکھا جس پر وہ فرحاں رہے اور اپنی مراد کو پہنچ گئے۔ **فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۔**

(روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ 14 جولائی 1982ء صفحہ 5)

اعلیٰ اخلاق کی بدولت خلقِ خدا سے داد وصول کرنے والا وجود

مکرم چوہدری صاحب موصوف کی بھانجی مکرمہ سلیمہ اہلیہ چوہدری محمد حسین صاحب مرحوم تحریر کرتی ہیں:

بعض انسان اتنے خوش نصیب ہوتے ہیں کہ جب تک زندہ رہے اپنے اعلیٰ اخلاق کی بدولت خلقِ خدا سے داد وصول کرتے رہے اور وفات کے بعد بھی سب کی زبانوں پر ان کا ذکر خیر ہی جاری و ساری رہا۔ ماموں جان (چوہدری ظہور احمد صاحب) کا نام بھی انہی

بزرگ و محترم ہستیوں میں شامل ہے۔

ہمارے نانا جان کے دو بیٹے تھے بڑے چوہدری نثار احمد صاحب اور چھوٹے ظہور احمد صاحب) دونوں بھائیوں کے اعلیٰ ترین تربیت کا سہرا میرے پیارے ابا جان حضرت بھائی محمود احمد صاحب کو جاتا ہے۔ اس بات کا اقرار ہمارے نانا اکثر کیا کرتے تھے یہ بتاتے وقت وہ اتنے بے قرار اور چشم پُر آب ہو جاتے کہ ان کی زبان پر ابا جان کے لئے دعائیں ہی دعائیں ہوتیں۔ ابا جان نے اپنی تین اعلیٰ ترین صفات سچائی، فیاضی اور مہمان نوازی دونوں بھائیوں میں منتقل کر دی تھیں۔ میں نے اکثر ماموں جان کو کہتے سنا تھا کہ انکی عطا کردہ یہ تینوں چیزیں عمر بھر میرے لئے مشعل راہ بنی رہیں۔ نانا جان سرکاری ملازمت میں تھے ان کا تبادلہ بہت جلد جلد ہو جاتا اس طرح بچوں کی پڑھائی بری طرح متاثر ہوتی اس لئے ابا جان اپنے دونوں برادر نسبتی کو اپنے پاس لے آئے اور دونوں بھائیوں نے قادیان میں رہ کر ابا جان کے زیر سایہ اپنی تعلیم مکمل کی۔

بڑے ماموں جان بہ سلسلہ ملازمت نیروبی تشریف لے گئے اور چھوٹے ماموں جان نے صدر انجمن احمدیہ کی ملازمت اختیار کر لی۔ یہاں پر انہیں اپنے عمدہ ترین خصائل کی بدولت خدا تعالیٰ نے بے پناہ عزت اور شہرت سے نوازا۔ خلفائے وقت نے ان کی بے حد قدر دانی فرمائی۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اکثر فرمایا کرتے کہ ظہور احمد مجھے بھائیوں کی طرح عزیز ہیں۔ ہماری والدہ کو جس کو ہم ماموں جان کی طرح آپا جی کہتے تھے اپنے بھائی سے بے تحاشا محبت کرتی تھی۔ ایک دفعہ ماموں جان کو بخار نے آ لیا۔ معمولی بخار تھا سو اتر گیا مگر آپا جی کی بری حالت تھی۔ وہ چاہتی تھیں کہ ماموں جان کو کسی صحت افزا مقام پر بھجوا دیا جائے تاکہ خوب تندرست توانا ہو کر لوٹیں۔ سب اقرباء نے شملہ یا ڈلہوزی بھجوانے کے مشورہ سے نوازا۔ لیکن انہوں نے ادھر بھجوانے سے انکار کر دیا۔ ان کا موقف تھا کہ ان کے ہفت اقلیم کی

دولت سے بھی بڑھ کر قیمتی بھائی کے لئے یہ جگہیں درست نہیں انہیں کشمیر جانا چاہئے۔

ابا جان کے ایک ہندو دوست کشمیر کے کسی سکول کے ہوسٹل میں وارڈن کے عہدے پر تعینات تھے انہوں نے اسی ہوسٹل میں ماموں جان کے لئے رہائش کا بندوبست کر دیا۔ میں اب یہ بتاتی چلوں کہ یہ سکول نہ صرف کشمیر بلکہ دنیا بھر کی حسین ترین وادی گل مرگ میں واقع تھا۔ اب بانی بان کا مسئلہ درپیش تھا انہیں اپنے شوہر محترم سے ایک پل کی جدائی گوارہ نہ تھی کجا تین ماہ کا طول وطویل اکتا دینے والا عرصہ۔ ویسے یہ بھی حق پر تھیں ان کے چاروں بچے بہت کم سن تھے یہ غالباً 1944ء کا زمانہ تھا۔

سفر کشمیر

کچھ جنگ نے ہراساں کر رکھا تھا کچھ احراریوں نے۔ مانی جان نے رو رو کر برا حال کر کیا تھا۔ آخر کار آپا جی نے حضرت ام طاہر احمد صاحب سے مدد طلب کی انہوں نے مانی جان کو سمجھایا۔ اور مجھے اور میری کزن سودہ کو حکم صادر فرمایا کہ ہم دونوں رات کو مانی کے پاس سویا کریں نیز مولوی روشن دین صاحب بھی اتنا عرصہ ادھر ہی رہیں۔ یوں مانی جان رضامند ہو گئیں۔ ماموں جان تین ماہ گزار کر واپس تشریف لائے تو اتنے سرخ وسفید ہو رہے تھے کہ آپا جی نظر اتارتی پھر رہی تھیں۔ کشمیر کے اس دورے کا ماموں جان پر اتنا اثر ہوا کہ وہ کشمیر کی محبت میں پور پور ڈوب چکے تھے۔ ماموں جان بڑے موثر انداز میں ہمیں وادیٔ گل مرگ کے دل کو موہ لینے والے نظاروں کا حال سناتے۔ پھر اگلے سال بھائی جان نے جو میڈیکل کے فائنل ایئر میں تھے ان کا ساتھ دیا۔ ان کے جنت نظیر کے قصے بیان کرنے میں بھائی جان بھی پیش پیش تھے۔ جب انہوں نے جھیل ڈل اور ان میں تیرنے والی ہاؤس بوٹ کا ذکر کیا تو مارے اشتیاق کے میں اتنی بے بس ہوں کہ ان کی منتیں کرنے لگی اگلے سال مجھے بھی ساتھ لے چلیں۔ میں ابھی سے پیسے جمع کرنا شروع کر دوں گی۔

ابا جان پہ میری منت سماجت کا بہت اثر ہوا انہوں نے کہا پتر اگلے سال نہیں اس سے اگلے سال میں انشاء اللہ سب کو لے کر جاؤں گا۔ ماموں جان نے بھر پور تائید کی مگر اس کی اگلا سال ہمارے لئے بہت بھیانک ثابت ہوا ملک کا بٹوارہ ہو گیا اور پیارا قادیان ہم سے چھن گیا۔ اور اس کے بعد کہاں کا کشمیر اور کہاں کے سیر سپاٹے۔

ثمر بہشت نامی آموں کا باغ

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا ثمر بہشت نامی آموں کا باغ تھا. اس کے آم اتنے لذیذ میٹھے اور خوشبودار تھے کہ آج بھی ان کے یاد آنے پر میرے منہ میں شہد بھر جاتا ہے۔ ان آموں کی تعریف ایک شاعر ہی کر سکتا ہے میرے بس کی بات نہیں۔ اور ایک شاعر نے کی بھی تھی۔ وہ انڈیا کے مشہور شاعر ساحر لدھیانوی صاحب تھے۔ ماموں جان نے آم بھجوائے اور انہوں نے جواباً ثمر بہشت آموں کی مداحت میں بے حد اعلیٰ پایہ کے شعر لکھ کر ارسال کئے۔ یہ باغ ماموں جان کے لئے وجہ شہرت بنا تھا وہ اس طرح کہ اس باغ کے آموں کی بکنگ ماہ اپریل میں ہو جاتی تھی۔ یہ تول کر نہیں گنتی کر کے ملتے تھے یعنی چار یا پانچ روپے میں ایک سینکڑا۔ ابا جان اور ماموں جان کا نام بکنگ میں سرفہرست ہوتا تھا۔ ابا جان قادیان سے باہر رہنے والے رشتہ داروں کو اور ماموں جان بڑے بڑے شاعروں، لیڈروں وغیرہ کو بھجواتے ان کی جانب سے شکریہ کے خطوط موصول ہونے پر ماموں جان بے حد خوش ہوتے۔ جناب فیض احمد فیض صاحب ان دنوں گورنمنٹ کالج فار بوائز میں پروفیسر تھے انہوں نے ماموں جان کو پیام بھجوایا تھا کہ وہ بھی مقالہ والے تشریف لائیں گے۔ دنیا بھر کے ممالک سے اخباری رپوٹر، نمائندے جج صاحبان تشریف لائے تھے۔ جولائی میں اس باغ کو حکومت انگریزی کی جانب سے بہت بڑے اعزاز سے نوازا جانا تھا۔ مگر وہی کچھ ہو گیا جو میں پہلے بتا چکی ہوں یعنی کہ منحوس بٹوارہ۔ اور وا حسرتا کہ دل کی دل میں ہی رہی اور بات

نہ ہونے پائی۔ میں بتا رہی تھی کہ ماموں جان کو کشمیر سے بے حد وحساب الفت تھی۔ اس بات پر حضور پُر نور خلیفۃ المسیح الثانی نے خوشنودی کا اظہار فرمایا تھا اور فرمایا تھا کہ سب احمدیوں کو کشمیر سے محبت ہونی چاہیئے اور اس کے حصول کے لئے کوشش بھی۔ کیون کہ انڈیا نے اس پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے یہ مسلمانوں کا ہے اسے پاکستان میں شامل کر کے دم لیں گے۔

سانپ سے ڈرنا

ایک مزے کی بات سناؤں کہ ماموں جان بچپن سے سانپ سے بہت ڈرتے تھے۔ ایک روز وہ اپنے ڈرائینگ روم سے نکل کر باہر صحن میں آنے لگے تو دروازے کے قریب ایک سانپ ٹہل رہا تھا۔ ماموں جان دوڑ کر بیڈ پر چڑھ گئے۔ سامنے صحن میں مانی جان ہنڈیا پکانے میں مصروف تھیں۔ ماموں جان نے آواز دی اقبال جلدی سے آؤ سانپ کو مار ڈالو۔ ممانی جان نے فرمایا آپ کیوں نہیں مار دیتے۔ کہنے لگے آپ بہت اچھی ہو پلیز اسے مار ڈالو۔ ممانی جان نے چولہے میں سے جلتی لکڑی اٹھائی اور اسے سانپ کے سر پر رکھا جب وہ مر گیا۔ تب لکڑی اٹھائی ماموں جان فوراً بیڈ سے اتر آئے اور فرمایا۔ آپ تو خواہ مخواہ ڈر رہی تھیں اتنی سی بات تھی نا۔ ویسے ممانی جان نامی نڈر عورت تھیں صاف دل اور منہ پر کھری سنا دینے والی۔ ہائے اب وہ کھرے اور پُر خلوص لوگ کہاں گئے۔

کچے کوارٹرز

بہت عرصہ پہلے کی بات ہے پاکستان کو معرض وجود میں آئے غالبًا آٹھ سال گزر چکے تھے میرے وہاں کو Relieving Doctor پڑے گا دیا گیا۔ وہ فیملی کو ساتھ نہیں رکھ سکتے تھے ان کا خیال تھا کہا اگر ربوہ میں رہائش کا بندوبست ہو جاتا ہے۔ تو یہ بات بہت بہتر اور مناسب رہے گی۔ اندروں ربوہ میں پختہ مکان بہت ہی کم بنے تھے۔ صدر انجمن احمدیہ کے

اپنے ملازمین کے لئے عارضی طور پر خام کوارٹر تعمیر کروائے تھے۔ ماموں جان کو بھی دو کمروں اور کچن پر مشتمل ایک مکان ملا ہوا تھا۔ ان کے بچے ابھی کمسن تھے اور جڑانوالہ سکول میں پڑھ رہے تھے۔ مانی جان ان کے ساتھ ہوتی تھیں اور ماموں جان اور مبارکہ ربوہ میں رہ رہے تھے۔ میں نے ماموں جان کو خط لکھ کر اپنی پریشانی کا اظہار کیا میرا خیال تھا شاید کوئی کچا مکان خواہ سنگل روم ہی کیوں نہ ہو ہمیں کرایہ پر دلوا دیں۔ بہت جلد جواب آ گیا کہ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ فوراً چلی آ ؤ۔ میں نے اپنے مکان سے ملحقہ مکان میں حضرت مولوی محمد الدین صاحب کو لے آیا ہوں۔

حضرت مولوی محمد الدین صاحب کا ذکر خیر

مولوی صاحب سلسلہ عالیہ احمدیہ کے معزز اور مشہور بزرگ تھے وہ اکیلے تھے اور نو جوان ہونہار بیٹے اور اس کے بعد اہلیہ محترمہ (جو کہ ماموں جان کی فرسٹ کزن تھیں) کی وفات کی وجہ سے از حد ملول اور رنجیدہ تھے اور ان دنوں آنزی طور پر سلسلہ کی خدمات سرانجام دے رہے تھے ناظر تعلیم بھی تھے۔ بہت قابل تھے۔ بی اے انہوں نے علی گڑھ یونیورسٹی سے کیا تھا۔ انگریزی حکومت اتنے ذہین وفطین انسان کو بغرضِ اعلیٰ تعلیم امریکہ بھیجنا چاہتی تھی مگر آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے حکم کی تعمیل میں ہر دنیاوی جاہ وجلال کو ٹھکرا دیا، زندگی وقف کر دی اور قادیان میں لڑکوں کے تعلیم الاسلام ہائی سکول میں تعلیم وتدریس کا عہدہ سنبھال کر دنیا کو حیران کر کے رکھ دیا۔

حکومتِ ہند نے دوسرے نمبر پر آنے والے جی پی سنگھ نامی سنگھ کو اعلیٰ تعلیم کے لئے بیرون ملک بھجوا دیا۔ جو اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے انڈیا لوٹے تو پنجاب یونیورسٹی میں رجسٹرار کے عہدے پر فائز ہو گئے وہ اکثر مولوی صاحب کا شکریہ ادا کرنے قادیان جاتے۔ کیونکہ انہی کی بدولت وہ اتنے بڑے عہدے پر فائز ہوئے تھے۔ اگر میں مولوی صاحب کی عدیم

المثال قربانیوں اور اعمال صالحہ کا ذکر کرنے بیٹھ گئی تو ایک ضخیم کتاب بن جائے گی یہ تھوڑا سا بھی میں نے محض اس لئے لکھا تھے۔ اس میں ماموں جان کا دوسروں کے لئے کام آنے کا جذبہ شامل ہے دوسرے میں نے سوچا شاید ہماری نئی پود پر اپنے آبا وَاجداد کے عظیم الشان کارہائے نمایاں کا کچھ اثر پڑ سکے۔

میں بتا رہی تھی کہ ماموں جان نے ہمیں ربوہ آ کر اپنے گھر میں رہنے کے لئے کہا اور ہم ربوہ آ گئے یوں پورا گھر ہماری تحویل میں تھا ماموں جان اپنا بیڈ مولوی صاحب کے کمرہ میں لے گئے۔ درمیان میں دروازہ نکال لیا اور یوں چار کمروں دو کچن اور دو صحن پر مشتمل ایک وسیع گھر کی شکل اختیار کر گیا۔ مولوی صاحب صبح سات بجے دفتر تشریف لے جاتے ایک بجے واپس آتے کھانا کھاتے اور نماز ظہر ادا کر کے ایک گھنٹہ آرام فرما کر دوبارہ دفتر چلے جاتے اور پھر شام سات بجے کی خبر لاتے ماموں جان مبارکہ اور مولوی صاحب کا کھانا دار الضیافت سے آتا تھا ایک فرد کے لئے تین تنوری روٹیاں صبح اور تین شام کو ملتی تھیں صبح کو دال یا سبزی اور شام کو گوشت کا سالن۔ مہینہ پورا ہونے پر ایک فرد کے کھانے کے 20 روپے۔ مائی گاڈ اونلی 20 روپے۔ ماموں جان نے دریافت کیا کیا تمہارے لئے راشن کا بندوبست کروں یا اپنی طرح پکا پکایا منگوا دوں میں نے خوشی سے چُور لہجہ میں کہا کیا میرے لئے بھی پکا پکایا مل سکتا ہے؟ ماموں جان میری بے تابی پر ہنس پڑے اور بولے کیوں نہیں ہو سکتا اور میرے لئے دو کھانے لگوا دیئے۔ ہم اپنے اپنے سالن کے لئے ڈھکن والے ڈبے اور روٹیوں کے لئے صاف رومال دے دیتیں۔ یہ سب کچھ ایک ٹوکری میں رکھ کر چپڑاسی ہمیں دے جاتا اب اگر آپ کو اس کھانے کے بارہ میں بتانے بیٹھ گئی تو کئی صفحات سیاہ کرنا پڑیں گے دال اتنی لذیذ اور خوشبودار ہوتی تھی کہ اس کی اشتہا انگیز خوشبو آج بھی یاد آنے پر بھوک کو بھڑکا دیتی ہے۔ بس یوں سمجھیں وہ دن میری زندگی کا سنہری دور تھا جنہیں بھلانا میرے بس کی بات نہیں ان دنوں خلافت لائبریری کا اجراء ہو چکا تھا۔ منور ہر ہفتہ ربوہ آیا کرتا تھا اس

نے میرے ناول پڑھنے کے شوق کو دیکھتے ہوئے مجھے اس کا ممبر د بنا دیا اور ہر ہفتہ میرے لئے چھ سات ناول لے آتا یا خدا یہ کیسے لوگ تھے ایک تو مجھے رہنے کے لئے گھر مہیا کیا اوپر سے یہ نوازشیں (نئی پود کے لئے لمحہ فکریہ) میرے سسرالی گاؤں سے ان کے مزارعے آتے۔ (پینڈو اور گنوار) ماموں جان اور مبارکہ ان کی یوں خاطر تواضع کرتے جیسے وہ کوئی نواب زادے ہوں۔ میرے منع کرنے پر مجھ سے خفا ہوتے۔ چل چل باتیں نہ بنا نوکر ہوں گے تمہارے خاوند کے ہمارے گھر میں وہ ہمارے مہمان ہیں دوبارہ لمحہ فکریہ ہے پڑھنے والوں کے لئے۔

مہمان نوازی

ایک روز سرگودھا سے بھائی جان تشریف لائے۔ واپسی میں انہوں نے آپا صفیہ (بھائی جان) سے میری اس آرام دہ زندگی کا نقشہ اتنے موثر انداز میں بیان کیا کہ وہ بے تاب ہو گئیں اور اپنے دو چھوٹے بچوں اور میری چھوٹی بہن رشیدہ کے ساتھ چلی آئیں۔ ہم سارا دن یونہی فضول گومتے پھرتے گزار دیتیں۔ ماموں جان اور مبارکہ بے حد خوش تھے۔ ماموں جان کا یہ گھر ہمارے لئے کسی حسین ترین محل سے کم نہیں تھا۔ پھر پختہ مکانات تعمیر ہو گئے۔ ماموں جان کو صدر انجمن کی جانب سے کواٹر مل گیا اور مولوی صاحب نے اپنا مکان تعمیر کروالیا۔ انہوں نے بہت زور دیا کہ ہم ان کے ساتھ ان کے گھر میں رہیں مگر مجھے وہاں کو رات تین بجے والی گاڑی سے جانا پڑتا تھا دارالصدر سے آنا مشکل تھا سو ہم نہیں گئے۔ ایک پختہ مکان (نیا تعمیر شدہ) سٹیشن سے چند قدم کے فاصلہ پر ماموں جان کی وساطت سے مل گیا۔ یوں ہم اس میں منتقل ہو گئے مگر وہ بادہ شبانہ کی سرمستیاں کہاں۔ ماموں جان کے گھر جلسہ کے موقع پر اتنے مہمان آتے کہ ان کا شمار نہیں۔ کیا مجال کہ ان کے ماتھے پر ذرا سی شکن پڑی ہو صحن میں خیمے نصب کروا لیتے۔ مرد حضرات خیموں میں

اورعورتیں کمروں میں سوتیں۔ مانی چار بجے جاگ جاتیں،تہجد پڑھتیں اورنماز فجر کے بعد چائے کے لئے بڑے بڑے دیگچے چولہوں پر چڑھا دیتیں۔ ماموں جان مع بیٹوں اور بھتیجوں کے جوئے شیر لانے میں محو ہو جاتے۔ کہیں سے پاؤ ملتا کہیں سے لیٹر اور کہیں سے آدھا لیٹر۔قصہ کوتاہ مانی جان سب کو ناشتہ کروا کے سات بجے فارغ ہو جاتے۔

میں جب اپنے نواسے نواسیوں کو یہ واقعات سناتی ہوں تو بڑی دلچسپی سے سنتے ہیں اور کہتے ہیں نانی جان آپ کے ماموں کہیں الہ دین کے چراغ والے جن کو نہیں بلوا لیتے تھے جو اتنی جلد ان کے کام نپٹ جاتے تھے۔میں جواب دیتی ہوں میرے پیارو آپ بھی بلوا لیا کریں ایسے موقعوں پر۔ اولاد کے معاملے میں ماموں جان بے حد خوش نصیب تھے ان کی بیٹی اور بیٹے بہت فرمانبردار اور ماں باپ کے آگے اف نہ کہنے والے ہیں۔ اور لئیق نے بہت سی اچھی عادتیں باپ سے چرائیں ہیں۔ مثلاً سچی اور کھری بات کہنا۔ اپنی بہن اور بھائیوں اور کزنوں سے محبت بھرا سلوک رکھنا وغیرہ وغیرہ۔لئیق چاہتا تھا کہ مانی جان ربوہ میں اکیلی نہ رہیں اس کے پاس مستقل لاہور رہیں مگر وہ جاتیں اور کچھ عرصہ رہ کر واپس آ جاتیں۔ کہتیں میرا لاہور دل نہیں لگتا وہ لوگ اسراف بہت کرتے ہیں۔ میرا آنکھوں کا اپریشن ہے۔سر میں درد ہے تب بھی مہنگے ڈاکٹر کے پاس لے جاتے ہیں کھانا گھر میں نہیں پکتا۔ بھلا بریانی چکن روسٹ کھانا ضروری ہے کیا اوراس کی ویسے تو بہت اچھی ہے۔ میرا بہت خیال رکھتی ہے مگر اس کی یہ بات مجھے پسند نہیں رات کو دودھ سے لبالب بھرا گلاس لے کر میرے سر پر سوار ہو جاتی ہے کہ پیو اور میرے لئے اتنے قیمتی کپڑے، جوتے اور سوئیٹر، شالیں خرید لاتی ہے۔ اگر کہوں کہ ابھی تو پہلے بہت پڑے ہیں تو فرماتی ہیں وہ آؤٹ آف فیشن ہو چکے ہیں غریبوں میں بانٹ دیا کریں۔ اپنی بہو کے خلاف لگائی شکائتیں سن کر ان کا مارے ہنسی کے برا حال ہو گیا بعد میں کئی بار یہ سب کو یہ لطیفہ سنا کر خوب ہنستے۔

ایک روز ان کی جانب سے فون موصول ہوا کہ میری طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے۔ محمد

حسین (میرے میاں) کو جلدی سے بھیجو۔ میں نے دریافت کیا لئیق کو فون کردیا ہے انہوں نے بتایا کردیا ہے۔ ہم دونوں بھاگم بھاگ ان کے پاس پہنچے۔ اکیلی تھیں طبیعت واقعی بہت خراب تھی پسینے میں شرابور تھیں اور نبض بہت تیز تھی۔ ہمارے جانے سے خاصہ افاقہ ہوا اور ایک گھنٹہ بعد لئیق کی سواری باد بہاری بھی آ پہنچی۔ بائی ایر آئے ہو کیا؟ میرے میاں بہت غصہ میں تھے یا خودکشی کا ارادہ تھا اتنی تیزی دکھانے کی کیا ضرورت تھی؟ ممانی جان نے بھی ان کا ساتھ دیا اور بے چارے لئیق احمد کو داد کی بجائے جھڑکیاں ملیں۔ یہ بیٹے بھی کیا چیز ہیں بیٹے کی شکل دیکھتے ہی ماں کی بیماری کافور ہوگئی۔ لئیق کی بیگم بڑی اچھی صفات کی مالک ہیں آتے ہی ساس کی ناز برداری میں مصروف ہوگئیں۔

ساس بہو کا رشتہ

میں نے کہا صبیحہ بیگم تمہاری ساس کو تم سے بہت شکایات ہیں۔ وہ گھبرا گئیں۔ میں نے کہا وہ فرماتی ہیں کہ جب وہ لاہور جاتی ہیں تو تم ان پر بہت ظلم ڈھاتی ہو ہر روز رات کو کلو دودھ سے بھرا اٹھوٹا لے کر ان کے سر پر سوار ہو جاتی ہو۔ بھلا وہ اتنا دودھ کیسے پی سکتی ہیں۔ شکایت نمبر 2 ان کی آنکھوں کا اپریشن لاہور کے سب سے بڑے اور مہنگے ترین ڈاکٹر سے کیوں کروایا۔ شکایت نمبر 3 معمولی بیماری میں بھی ڈاکٹر کو دکھائے بغیر گزارہ نہیں۔ شکایت نمبر 4 بلاضرورت ان کے لئے قیمتی سوٹ، جوتے، سوئیٹر اور گرم شالیں خریدنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ منع کرنے پر کہتی ہو پہلے والے غریبوں میں بانٹ دیا کریں۔ شکایت نمبر 5 روزانہ کنگھی، برش لے کر ان کے سر میں کرنے لگ جاتی ہو اور سب سے بڑی شکایت کہ کھانا گھر نہیں پکتا بہت مزے دار کیا تکے، بریانی، چکن روسٹ کھانا ضروری ہے۔ لئیق، صبیحہ اور ممانی جان نے قہقہے لگا دیئے۔

دلجوئی

ممانی جان نے فرمایا چل اب اپنا لطیفہ بھی سنا دے قادیان والا۔ لیجئے سناتی ہوں بہت پرانی بات ہے ماموں جان نے اپنے چند دوستوں کو کھانے پر مدعو کیا تھا۔انقلاب اخبار کے مدیر اعلیٰ سالک صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ ماموں جان نے مجھے بلوا بھیجا کہ آ کر کباب بنا دوں۔ میں نے اور کزن مسعودہ نے کباب بنائے۔مہمانوں نے بہت تعریف کی ماموں جان نے کہا یہ میری بھانجی نے بنائے ہیں۔ ماموں جان ہمیشہ ہر جگہ اپنے بھانجے بھانجیوں کی بہت تعریف کرتے تھے سوانہوں نے سالک صاحب سے کہا یار اس کے لئے کچھ کرو وہ بہت پڑھائی چور ہے۔صبح اٹھ کر رونا شروع کر دیتی ہے پھر مجھے ان کے گھر جانا پڑتا ہے اور سکول چھوڑ کر آتا ہوں اس کا اردو بہت عمدہ ہے۔حساب ماشاء اللہ ہر ٹیسٹ میں زیرو لیتی ہے اس کے رو پیٹ کر سکول جانے کی وجہ بھی حساب ہے۔انہوں نے دریافت کیا کون سی کلاس میں ہے وہ بچی۔ ماموں جان نے کہا نویں میں۔Oh My God نہم میں ہے اور پھر رو کر جاتی ہے۔انہوں نے کہا اسے کہیں رو پیٹ کر میٹرک کر لے پھر اس کے لئے ضرور کچھ کریں گے۔اس لطیفہ پر ہم خوب ہنس رہے تھے اور ممانی جان بھی اب ہشاش بشاش نظر آ رہی تھیں۔ بہو صاحبہ فرما رہی تھیں بس یہ ہمارے ساتھ چلی چلیں اب شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔ یہ بھی ماموں جان کی خوش نصیبی ہی تو تھی کہ ان کی ساری اولاد ان کی بے حد فرماں بردار تھی مگر عزیزم لئیق احمد ذرا زیادہ ہی حساس تھا۔ یہی وجہ تھی اس کی اہلیہ محترمہ بھی ساس کے لئے بہت نرم رویہ رکھتی تھی۔

کئی سال بعد ہمیں پتہ چلا کہ ممانی جان نے پنشن لینے کے لئے محض اس لئے انکار کر دیا ہے لئیق کہتا ہے کہ مجھے پسند نہیں کہ میری ماں پنشن کے حصول کے لئے دھکے کھاتی پھرے میں انہیں اس سے دگنی تگنی دے دیا کروں گا۔میرے میاں نے کہا آپ دھکے کیوں کھائیں

گی۔ میں لاکر دیا کروں گا پنشن ماموں جان کی حق حلال کی کمائی حصہ ہے۔ باقی رہا لئیق کی ناراضگی سے مت ڈریں۔ مجھ سے بہت چھوٹا ہے میں اس کے کان کھینچ سکتا ہوں آپ ضرور ضرور پنشن جاری کروائیں۔ ویسے لئیق کی ماں کے لئے صحبت کی میں قدر کرتا ہوں۔ اور پھر جون کے مہینے میں غالباً ساتواں یا آٹھواں روزہ تھا جب اس فرشتہ سیرت انسان نے وفات پائی جس کا نصب العین تھا۔

ہم ہیں راہی پیار کے سب کی مانگیں خیر
ہماری سب سے دوستی، نہیں کسی سے بیر

اور اس روز روتے ہوئے میں کہہ رہی تھی پیارے ماموں جان آپ نے جانے میں اس لئے جلدی کی کہ آپ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اس رعایت سے فائدہ اٹھائیں کہ رمضان المبارک میں وہ جنت کے دروازے کھول دیتا مگر کیا آپ اس بات سے بے خبر تھے کہ جنت کے دروازے تو آپ کے لئے سدا کھلے رہتے ہوں گے۔

(تاثرات مکرمہ سلیمہ اہلیہ چوہدری محمد حسین صاحب مرحوم فیکٹری ایریا، ربوہ)

دوسروں کی تکلیف کا احساس

مکرمہ صفیہ اشرف صاحبہ آف پیر محمد کالونی یونیورسٹی روڈ سرگودھا جو مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ کی بھانجی ہیں تحریر کرتی ہیں:

1974ء میں جب احمدیوں کو اقلیت قرار دے دیا گیا تو بھی اس وقت کے حکمرانوں کے کلیجے ٹھنڈے نہ ہوئے اور ان کی چیرہ دستیاں بے گناہ احمدیوں کے ساتھ بڑھتی گئیں تو انہوں نے جھوٹے بہانے بنا کر ہمارے گھر جلائے اور سب سے بڑا گھر جو میرے بھائی ڈاکٹر حافظ مسعود احمد صاحب کا تھا اور بیس کمروں اور کلینک پر مشتمل تھا مکمل جلا دیا اور تینوں اطراف سے آگ لگا دی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آتش نمرود سے ہمیں بحفاظت نکال لیا کہ کسی کو اس بات کا یقین نہیں آتا تھا۔ اس دن سرگودھا میں ایک قیامت برپا تھی۔ جب حضور

خلیفۃ المسیح الثالث کو خبر ہوئی تو آپ بقول ماموں جان کے بے حد گھبرائے ہوئے تھے اور صدمے سے چُور تھے آپ نے ماموں جان کو بُلا کر کہا کہ کسی ایسے خادم کو سرگودھا بھیجو جسے وہاں کے لوگ پہچانتے نہ ہوں اور اس سے کہو کہ وہ مسعود احمد اور اس کے گھر والوں کی خبر لائے۔ شام تک اس بات کا کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ اس گھر کو جسے مکمل جلا دیا گیا ہو سے کیسے نکلا جا سکتا ہے۔ اس وقت ہم دس بارہ احمدی اس گھر میں تھے۔ یعنی میرے بھائی حافظ مسعود احمد صاحب، ان کا بیٹا منصور احمد، مَیں (صفیہ اشرف) میری بیٹی شیما ارم صاحبہ (جو اَب ڈاکٹر ہے اور ماشاء اللہ ایم بی بی ایس، ایم سی پی ایس اور ایف سی پی ایس ہے) میرے شوہر راجہ محمد اشرف اور چند ایک احمدی جو سحری کے بعد عام طور پر ہماری ذاتی مسجد میں نماز پڑھ کر وہیں سو جاتے تھے اس آناً فاناً لگائی گئی آگ میں سب گھر گئے تھے اور نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا کیونکہ ہر طرف بد طینت ملاں اور ان کے چیلے چاروں طرف ہزار ہا کی تعداد میں اکٹھے ہو کر پہرہ دے رہے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کسی اور رنگ میں کام کر رہی تھی کہ ہمارے ایک ہمسائے نے جس کا واحد گھر ہمارے گھر کے ساتھ ملتا تھا اپنی دیوار میں سے چند اینٹیں اس طرح سے نکالیں کہ کسی کو پتہ نہ چل سکا اور اللہ کی شان یہ کہ وہ دیوار پہلے سے خستہ سی تھی اور مٹّی کی چنائی کی تھی وہاں سے ایک ایک کر کے سب کو نکال کر اپنے ایک کمرے میں بٹھا کر باہر سے تالہ لگا دیا اور جو دیکھنے کے لئے آتے تھے ان کو کہہ دیا کہ اس کمرے میں میری بہن کا سامان ہے۔ مختصر یہ کہ شام کو جب پولیس اپنی کارروائی ڈالنے کے لئے آئی تو پتہ چلا کہ اس گھر والے بچ گئے ہیں حالانکہ یہ بات ان کے نزدیک ناممکن تھی۔ یہ دن ہمارے لئے انتہائی کسمپرسی کے تھے ہم پانچوں اپنی بڑی بہن کے گھر چلے گئے۔ دوسرے دن ماموں جان ایک جیپ پر ہمارے لئے پانچ چھ بستر رضائیاں، گدے اور چادریں لیکر ربوہ سے سرگودھا آئے اور نہایت پیار اور ہمدردی سے ہماری دارس بندھائی اور فرمایا کہ حضرت صاحبؒ بھی آپ کے لئے پریشان ہیں لیکن فرماتے ہیں مسعود احمد کی مدد اب خدا

تعالیٰ کرے گا اور اسی جگہ شاندار گھر اور کلینک بنے گا۔ بعد کے حالات نے پھر ظاہر بھی کر دیا کہ حضورؓ کا یہ کہنا کتنا صحیح اور سچ نکلا۔

قادیان کی ابتدائی زندگی

جب ہماری امی زینب بی بی کی شادی ہمارے ابّا سے ہوئی اس وقت ماموں جان بہت چھوٹے تھے۔ بڑے ماموں نثار احمد صاحب بھی ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے تھے دیہاتوں میں تعلیم کا کوئی انتظام نہیں تھا اس لئے ہمارے نانا جان (جو اپنی سروس کے سلسلہ میں دیہاتوں میں ہی کام کرتے تھے) نے اپنے دونوں بیٹوں کو تعلیم کے لئے قادیان بھیج دیا اور ابّا جان کی زیر سرپرستی چھوڑا۔ ہمارے ابّا جان بہت شریف النفس اور محبت کرنے والے انسان تھے انہوں نے اپنے ان دونوں بھائیوں کو بہت پیار دیا اور تعلیم و تربیت میں ان کی بہترین رہنمائی کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد بڑے ماموں نثار احمد صاحب تو مشرقی افریقہ روزگار کے سلسلہ میں چلے گئے اور چھوٹے ماموں جان قادیان میں ہی رہے اور وہاں ہی سروس کی سلسلہ سے وابستہ رہ کر ہمارے نانا جان نے قادیان میں ہی ایک قطعہ زمین خریدا اور ریٹائرمنٹ کے بعد وہاں ہی رہائش پذیر ہو گئے۔ بڑے ابا جی نے دونوں بیٹوں کے لئے بالکل ایک نقشے کے مکان بنوائے جو آمنے سامنے تھے چھوٹے ماموں جان تو اپنے مکان میں رہے اور بڑے ماموں جان چونکہ افریقہ سیٹل تھے اس لئے ان کے گھر میں ابا جی ۔ممانی جی اور ہمارے ایک خالہ جو بیوہ ہو گئی تھیں اپنے دو بچوں کے ساتھ رہنے لگے۔ ماموں جان کی بڑی بہن کی شادی ہمارے ابّا جان ڈاکٹر بھائی محمود احمد سے ہوئی۔ میرے ابّا جان بھی صحابی تھے اور اپنے گھر ڈنگہ ضلع گجرات سے چھوٹی عمر میں قادیان آ گئے تھے اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ آپ نے قادیان کے ایک رسالے پر منارۃ المسیح کی تصویر دیکھی اور یہ

تصویر وہ تھی جو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خواب میں دکھائی گئی۔اور اس وقت ابھی منارہ بننا بھی شروع نہیں ہوا تھا۔آپ سات آٹھ سال کی عمر میں ہی اپنے والدین کی شفقت سے محروم ہو گئے تھے بڑی بہن اور بڑا بھائی آپ کی سرپرستی کرتے تھے۔ڈنگہ کے پرائمری سکول میں پڑھتے تھے کہ ایک دن منارہ دیکھنے کی خواہش میں ڈنگہ سے قادیان کی طرف چل پڑے کبھی پیدل اور کبھی ٹرین پر پوچھتے پچھاتے قادیان پہنچ گئے عمر ابھی تقریباً دس سال تھی دو چار روز وہاں قیام کیا اور واپس اپنے گھر آ گئے آپ کے بہنوئی بہت مخلص احمدی تھے انہوں نے پیار سے سمجھایا تو پھر قادیان گئے اور بیعت کر لی۔مسیح موعود علیہ السلام کی اجازت سے چھٹی کلاس میں داخلہ لے لیا۔آپ کی والدہ نے کچھ رقم اور چیزیں آپ کے لئے چھوڑی تھیں اور بڑی بہن آپ کی اس امانت سے وقتاً فوقتاً کچھ رقم دے دیتیں اور کچھ زمین کے حصہ سے آپ کو رقم مل جاتی اس طرح آپ نے ڈسپنسر کا کورس کر لیا اور کچھ عرصہ فضل عمر ہسپتال قادیان میں کام کیا اور پھر اپنا پرائیویٹ کلینک بنا لیا۔

والدین کا تعارف

چوہدری ظہور احمد صاحب کے والدین ابتدائی احمدیوں میں سے تھے۔یعنی کہ آپ کے والد مکرم محترم حضرت منشی امام دین صاحب 313 صحابہ میں سے تھے اور انتہائی مخلص اور اپنی سروس میں ایماندار اور مخلص تھے۔اپنے گاؤں سے یا جہاں آپ تعینات ہوتے جمعہ کی نماز میں پیدل چل کر شامل ہوتے اور کبھی کبھی اپنے چھوٹے بچوں کو بھی اپنے ساتھ قادیان لے آتے۔اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا قرب حاصل کرتے۔آپ کا تعلق جن احمدی احباب کے ساتھ تھا وہ سارے مخلص اور نیک اور احمدیت پر جان نچھاور کرنے والے تھے۔اگر ان کی زندگیوں پر نظر ڈالیں تو حیرت ہوتی تھی کہ اس دھرتی نے کیسے موتی پیدا کئے

۔ہم اپنے نانا جان کو بڑے ابّا جی اور نانی کو ماں جی کہتے تھے۔ان کی اولاد چار بیٹیوں اور دو بیٹوں پر مشتمل تھی۔اور سب صحابہ وصحابیات میں شامل تھی۔ ماموں جان ظہور احمد گو کہ بہت چھوٹے تھے اور مسیح موعودؑ کی زندگی میں ہی پیدا ہوئے تھے۔

حضرت منشی امام الدین صاحبؓ

بڑے ابّا جی کے تعلقات منشی عبدالعزیز سے بہت قریبی تھے یعنی کہ وہ ماں جی کے سگے بھائی تھے اور احمدیت کے ابتدائی درخشاں ستاروں میں سے تھے۔ دونوں بھائی یا یہ کہہ لیں کہ سالا بہنوئی بیحد عبادت گذار، نیک اور سادہ طبیعت کے مالک تھے۔منشی عبدالعزیز جن کو ہم لوگ نانا جی کہتے تھے مخیرّ اور بے نفس انسان تھے تاریخ احمدیت میں انکا ذکر تفصیل سے آتا ہے ان کا وصیت نمبر ایک تھا۔یعنی جب حضورؑ نے وصیت کے نظام کا ذکر کیا تو آپ اس وقت وہاں موجود تھے اور نانا جی کے پاس اس وقت ایک روپیہ تھا آپ نے فوراً وہ روپیہ حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا اور اپنی وصیت کا اقرار کرلیا۔اس کے علاوہ ان کی زندگی کے بےشمار واقعات سے ان کی نیکی اور مسابقت بالخیر کا پتہ چلتا ہے۔

والدہ محترمہ

چوہدری ظہور احمد صاحب کی والدہ محترمہ بھی انتہائی نیک سادہ دل اور مخیرّ تھیں تاریخ احمدیت سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ابتدائی ایام میں وصیت کی تھی اور اپنا سارا زیور جو کہ سونے اور چاندی کا تھا راہ حق میں دے دیا تھا اور یہ بھی کہ ان دنوں ان کا زیور اتنا تھا کہ ترازو میں تول کرلیا گیا تھا۔آپ نے اپنی ساری زندگی خاوند کی موجودگی میں اور بعد بیوگی کی حالت میں نہایت صبر وشکر اور توکل علی اللہ پر گذاری اور اپنی بیٹی اوران کے بچوں کو اپنے

سایۂ عاطفت میں جگہ دی ان کی بیٹی حشمت بی بی شادی کے کچھ سال بعد بیوہ ہوگئی تھیں اس لئے وہ اپنی والدہ کے ساتھ قادیان میں رہیں۔

حضرت منشی عبدالعزیز صاحب پٹواری

نانا جی یعنی منشی عبدالعزیز کی چار بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ چاروں بیٹیوں کے خاوند احمدیت کے جان نثار خدمت دین کے لئے ہمیشہ تیار رہنے والے اور خلافت وابستہ ہر قسم کی جانی و مالی خدمت کے لئے تیار رہنے والے تھے آپ کے بڑے داماد مکرم ومحترم مولوی محمد دین تھے جو جماعت کے مختلف عہدوں پر کام کرتے رہے اور وفات سے پہلے ربوہ میں صدر، صدر انجمن احمدیہ تھے۔ سادہ طبیعت کے مالک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور احمدیت کے معتبر فرد کی حیثیت سے معروف تھے اپنی تعلیم کے لحاظ سے انہیں اعلیٰ عہدوں پر مامور کیا گیا تھا۔ انگلش میں بہت اچھا تجربہ لکھنے پڑھنے اور بولنے میں رکھتے تھے اس لئے حضرت خلیفہ ثانیؓ نے ان کو مختلف کاموں کے سلسلہ میں بیرون ملک بھی بھیجا ہید ماسٹر ہائی سکول بھی رہے۔ باوجود دینی ودنیاوی انعامات کے وہ منکسر المزاج تھے۔ طالب علموں اور خصوصاً ذہین ولائق بچوں کی ہر رنگ میں مدد کرتے اور حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

حضرت مولانا رحمت علی صاحب

نانا جی کے دوسرے داماد حضرت مولانا رحمت علی صاحب تھے جن کی زندگی کا زیادہ حصہ تبلیغ اسلام میں گزرا اور آپ انڈونیشیا اور ماریشس میں پیغام حق پہنچاتے رہے ان کی خدمات کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔

تیسرے داماد مکرم ومحترم احمد جان صاحب تھے جو لمبا عرصہ راولپنڈی میں امیر جماعت

رہے بہت۔دھیمی طبیعت کے مالک تعلیم یافتہ اور دینی و دنیاوی نعماء سے متمتع ہوتے رہے۔
ان کے چوتھے داماد مکرم عبدالستار صاحب تھے جو ایل ایل بی تھے۔ کچھ عرصہ لاہور میں وکالت کی لیکن یہ محسوس کر کے کہ اس پیشے میں جھوٹ کا عمل دخل بہت ہوتا ہے۔انہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر مشورہ لیا کہ آیا میں اس پیشے کو چھوڑ دوں کیونکہ مجھ سے جھوٹ نہیں بولا جاتا تو حضرت صاحب نے اجازت دیدی۔انہوں نے اپنی ساری زندگی تقویٰ کی راہوں پر چل کر بسر کی اور اپنے ہر کام میں سچائی اور دیانت داری کو مدّنظر رکھا۔حال ہی میں 28 مئی 2010ءکو انکے ایک پوتے ڈاکٹر عمر نے شہادت کا درجہ پایا اور لاہور کے شہیدان دارالذکر میں شامل ہوکر ربوہ میں مدفون ہوئے۔
الغرض نانا جی کے تمام داماد اور پھر ان کی اولادیں در اولادیں احمدیت سے وابستہ رہیں اور ہیں۔ان کی نسلیں دنیا کے کئی ممالک میں بس رہی ہیں اور اخلاص سے خدمت دین بھی کر رہی ہیں۔نانا جی سے مراد منشی عبدالعزیز صاحب ہیں۔

مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب

مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب منشی امام دین کی اولاد میں سے سب سے چھوٹے تھے۔ آپ بچپن سے ہی خاموش طبع ، ذہین اور بے ضرر انسان تھے۔ چلتے ہوئے نگاہ نیچی رکھتے اور پروقار انداز سے چلتے آپ میں عباد الرحمٰن کی سی صفات تھیں۔آپ نے قادیان میں رہ کر تعلیم حاصل کی اور ہمیشہ کے لئے دین سے وابستہ ہوکر زندگی گزاری۔خدمت دین آپ کا شعار تھی۔ جماعت کے اعلیٰ عہدوں پر کام کیا اور ہمیشہ دیانت وامنت کو مدّنظر رکھا۔ہجرت کے بعد ربوہ میں قیام کیا اور ناظر دیوان کے طور پر کام کیا۔ابتداء میں یعنی بعد از ہجرت ربوہ میں بہت مشکل حالات میں کام کیا لیکن زبان پر کبھی حرف شکایت یا شکوہ نہ آیا بچے اور بیوی

جڑانوالہ میں رہتے اور آپ اکیلے ربوہ میں مقیم رہے کبھی کبھار جڑانوالہ جانا ہوتا وہاں ممانی جی کے پاس ان کی والدہ رہتی تھیں اس لئے بےفکر ہو جاتے یہاں تک کہ جب حالات کچھ ٹھیک ہوئے تو بچوں کی تعلیم کی خاطر انہیں ربوہ کچے کوارٹر میں لے آئے۔ یہ صرف دو چھوٹے کمروں اور ایک برآمدے پر مشتمل تھا۔ ماموں جان اپنے بچوں اپنے بھانجے بھانجیوں کی تعلیم کا بہت ہی خیال رہتا۔ آپ اور ہمارے ابّا جان اس معاملے میں بہت حسّاس تھے اور ہر وقت یہ خیال رکھتے کہ کس نے کس لحاظ سے نمایاں پوزیشن حاصل کی ہے اور اگر ہمیں کوئی معمولی سی دقت بھی ہوتی آپ اسے دور کرنے کی کوشش کرتے اور ہمارے سکول جا کر پتہ کرتے رہتے اور جب ہم میں سے کوئی اچھی پوزیشن لیتا تو بہت خوش ہوتے اور اس کی حوصلہ افزائی کرتے۔

تقسیم ملک کے بعد ممانی جی اور بچے جڑانوالہ میں مقیم ہو گئے اور مکان بھی الاٹ کروا لیا لیکن ماموں جان کو کبھی لاہور جانا پڑتا اور پھر ربوہ میں عارضی رہائش گاہوں میں رہنا پڑتا یعنی کہ آپ کبھی یہاں اور کبھی وہاں رہتے بچے ابھی چھوٹے تھے ان کو جڑانوالہ سکول میں داخل کروایا لیکن بیٹی مبارکہ کے لئے وہاں کوئی سکول نہیں تھا اس لئے اسے ہمارے پاس سرگودھا بھیج دیا جہاں میری چھوٹی بہن رشیدہ اور مبارکہ کو سکول داخل کروایا جہاں سے پھر ان دونوں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اسی دوران ربوہ میں آپ کو ایک چھوٹا کچا کوارٹر جو دو کمروں پر مشتمل تھا الاٹ ہو گیا۔ تو آپ نے اپنے بچوں کی تعلیم کی خاطر ہر طرح کی تنگی برداشت کر کے انہیں ربوہ شفٹ کر لیا۔

شفقت و محبت

ماموں جان کو ہمارے ابّا جان سے بہت پیار تھا اور آپ ہر معاملے میں ایک دوسرے

سے مشورہ لیتے اور گھریلو امور میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ۔قادیان میں یتامیٰ کے لئے دارالشیوخ کا ادارہ بنایا گیا تھا ابا ہر ماہ ایک یا دو دفعہ دارالشیوخ کے افراد کی گھر پر دعوت کرتے تھے جہاں ہم اپنے صحن میں چٹائیاں بچھا کر اوپر لمبے لمبے دستر خوان بچھا دیتے اور برتن لگا دیتے ۔نائی کھانا پکاتے تھے اور ہمارے گھر اس دن بڑی رونق ہوتی ہم چھوٹے بچے خصوصیت سے چھوٹے چھوٹے کام کر کے خوشی محسوس کرتے تھے۔اور جب ہمارے بھائی یتامیٰ بڑی تنظیم کے ساتھ اپنے نگران کے ہمراہ آ کر کھانا کھاتے تو بہت اچھا لگتا تھا۔ ماموں جان اس دن ہمارے ہاں آ جاتے تا کہ ابّا کے ساتھ اور بھائی کے ساتھ ہاتھ بٹا سکیں ۔ابّا جان کی ساری زندگی میں جو نمایاں وصف علاوہ اور بے شمار خوبیوں کے تھا وہ یتامیٰ کی پرورش اور دیکھ بھال کا تھا۔آپ نے گھر میں بھی سب کو اس بات کی سختی سے نصیحت کی ہوئی تھی کہ ہم نے سب یتیموں کو اپنا بھائی سمجھنا ہے اور جو بھی بن پڑے ان کے لئے ہمدردی کے اسباب پیدا کرنے ہیں اور جو مدد کر سکیں کرنی ہے۔اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ میرے ابا سات سال کی عمر میں اپنے والدین سے محروم ہو گئے تھے اس لئے آپ کو شدت سے یہ احساس تھا کہ یتیم کے کیا جذبات ہوتے ہیں اس لئے آپ نے اپنی ساری زندگی یہ خیال رکھا کہ کسی بن باپ کے بچے کو کوئی ٹھیس نہ پہنچے۔

قادیان میں بچپن

ماموں جان بچپن سے ہی قادیان رہے اور آپ نے اچھے ماحول میں پرورش پائی اور پھر سروس بھی قادیان میں کی اس لئے خاندان کے افراد اور دوسرے مخلص اور معتبر بندوں کے ساتھ آپ کے تعلقات رہے اس لئے آپ معززین سلسلہ میں شمار ہوتے تھے۔حضرت مرزا شریف احمد صاحب سے آپ کے برادرانہ تعلقات تھے۔اس کے بعد حضرت مرزا ناصر احمد

صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ساتھ بہت پیار کا تعلق تھا جو وفات تک قائم رہا۔ تقسیم ہند کے بعد چونکہ قادیان انڈیا میں آ گیا تھا اور ہندوؤں اور سکھوں نے احمدیوں کو وہاں سے نکالنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں اور ایک بُرا اور سخت وقت آ گیا تھا۔ ایک دن ماموں جان اور میاں ناصر احمد صاحب مسجد اقصیٰ کی سیڑھیوں سے اُتر رہے تھے۔ ماموں جان کی نظر نیچے پڑی تو ایک سکھ کو میاں صاحب کی طرف نشانہ لیتے دیکھا۔ ماموں جان نے پلک جھپکتے میں میاں صاحب کو دھکا دے کر پرے گرا دیا۔ یہ سارا واقعہ ایک لمحے میں ہوا کہ میاں صاحب کو پہلے تو کچھ سمجھ نہ آیا اور جب بات کھلی تو وہ ماموں جان کے شکر گذار ہوئے اور آپ کے تعلقات اور بڑھ گئے۔

ربوہ میں رہائش

ماموں جان کو ربوہ میں ایک چھوٹا کوارٹر الاٹ ہوا اور کسی قسم کا سامان وغیرہ نہیں تھا اس لئے آپ نے اپنے کھانے کا انتظام کر لیا کہ مقررہ رقم پر آپ کو دونوں وقت کا کھانا مل جاتا۔ اسی طرح دوسرے کارکنوں کو کھانا مہیا کیا جاتا۔ انہی ایام کی بات ہے کہ مبارکہ اور رشیدہ کا میٹرک کا امتحان قریب آ گیا ان کی انگلش کی تیاری نہیں تھی کیونکہ ان دنوں سرگودھا کے واحد سکول میں لڑکیوں کو انگلش پڑھانے والی ٹیچر نہیں تھی۔ ماموں جان کو معلوم ہوا تو آپ نے میاں ابراہیم صاحب جمونی جو کہ ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے سے بات کی کہ میں دونوں بچیوں کو ربوہ اپنے پاس بلوا لیتا ہوں۔ آپ دس پندرہ دن میں انہیں ضروری گرائمر وغیرہ سمجھا دیں تا کہ وہ امتحان میں کامیاب ہو سکیں۔ چنانچہ میں یعنی صفیہ اشرف، مبارکہ اور رشیدہ ربوہ چلی گئیں جہاں تھوڑے دنوں میں ماسٹر صاحب نے انہیں بڑی اچھی طرح امتحان کی تیاری کروا دی۔ ان دنوں ہم تینوں نے ربوہ میں خوب موجیں کیں۔ پکا پکایا کھانا

ملتا موسم بھی اچھا تھا اس لئے ہم سیریں بھی کرتیں خصوصاً ایک چھوٹی پہاڑی پر تو ہر روز چڑھتیں اور خوب انجوائے کرتیں وہ دن کبھی بھول نہیں پائیں گے۔ پڑھنا تو کم ہی ہوتا سیریں زیادہ ہوتیں۔

دیانتدار زندگی

ماموں جان کی شادی سیالکوٹ کے ایک مخلص گھرانے میں ہوئی۔ ممانی جی اقبال بیگم کا مولوی نذیر احمد مبشر صاحب مرحوم سے نزدیکی رشتہ تھا۔ اس لئے میری بڑی بہن آمنہ خاتون کی شادی مولوی صاحب سے ہوئی۔ یہ واقف زندگی تھے اور بہت عرصہ مغربی افریقہ (گھانا) میں کامیاب مبلغ رہے۔ (آپ کے حالات زندگی تابعین اصحاب احمد میں شائع شدہ ہیں) ماموں جان نے اپنی ساری زندگی سلسلہ کے کاموں میں گزاری۔ قادیان میں صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر میں کام کیا اور پاکستان آنے کے بعد بھی اپنے عہدہ پر کام کرتے رہے اور وفات تک کام کیا۔ وفات کے وقت ناظر دیوان تھے۔ آپ نے انتہائی محنت اور دیانت داری سے کام کیا۔ آپ ایک ایک پیسے کا حساب رکھتے تھے اس کی گواہی حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بھی دی تھی۔ آپ اتنی محنت سے کام کرتے تھے کہ کبھی کبھی سارا سارا دن اور رات کو بھی مصروف رہتے ماموں جان اور ممانی جان کا پیار اور محبت کا رشتہ تھا آپ کے ماشاءاللہ پانچ بیٹے اور ایک بیٹی تھے وہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل سے صاحب اولاد ہیں اور دینی اور دنیوی لحاظ سے بہترین زندگی گزار رہے ہیں۔

ماموں جان میں انتظامی صلاحیتیں بھی بدرجہ اتم موجود تھیں۔ قادیان میں میری بڑی بہنوں کی شادیوں کے موقعہ پر سارے انتظامات آپ کے سپرد ہی ہوتے تھے ویسے بھی آپ اپنے بھائیوں کے ساتھ ہر معاملے میں بہت ہی محبت اور خلوص سے کام کرواتے تھے۔ اس

طرح آپ سلسلہ کے ان امور میں بھی کام سنبھال لیتے تھے اور بہت ذہانت سے ہر کام کرواتے اور خوشی محسوس کرتے۔ میری بڑی بہن بشریٰ انور بتاتی ہیں کہ بڑے ماموں جان نثار احمد صاحب کے بڑے بیٹے کی شادی کے موقعہ پر سرگودھا میں ان کے گھر ہمارے کافی رشتہ دار ٹھہرے تھے کہ صبح ناشتہ کے وقت جب ناشتہ تیار کروالیا تو میں اس بات پر گھبرا گئی کہ اب ان سب کو کس طرح اکٹھا ناشتہ کرواؤں کیونکہ ڈائننگ ٹیبل پر گنجائش کم تھی۔ ماموں جان نے نہایت پیار سے فرمایا کہ گھبراؤ نہ میں اس کا انتظام کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے بڑے میز کو باہر صحن میں نکلوایا اور چند کرسیاں بھی رکھوادیں اور کھانے پینے کی چیزیں بھی بمعہ برتنوں کے رکھوادیں اور بخیر وخوبی سب لوگوں کو ایک ہی جگہ ایک ہی وقت میں ناشتہ کروادیا تو میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ سب نے ایک جگہ بیٹھ کر پیارے ماحول میں ناشتہ کیا۔

یہ ایک لمبی داستان ہے جسے بہت ہی اختصار کے ساتھ لکھ رہی ہوں کہ جب تقسیم ہند کے بعد قادیان کے لوگوں کا وہاں سے نکلنا ناگزیر ہوگیا اور سکھوں نے قادیان کے محلّہ جات پر حملہ کردیا تو ہمارے محلّہ دارالرحمت میں ہمارے مکان میں سارے عزیز رشتہ دار اور محلّہ کے لوگ جمع ہوگئے۔ عورتیں اور بچے ہمارے سارے کمروں میں بیٹھ گئے اور مرد جن کے پاس کچھ گنیں وغیرہ تھیں مقابلہ کرنے کے لئے اوپر چوبارے میں چلے گئے لیکن جب وہاں ٹھہرنا بھی ناممکن ہوگیا تو ہم سب کو مردوں نے اپنی حفاظت میں ہائی سکول کے بورڈنگ میں پہنچا دیا کیونکہ سب سے بڑی اور محفوظ بلڈنگ وہی تھی۔ اس کے اوپر والے حصہ میں سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحب کی رہائش تھی جن کے بچے پاکستان جا چکے تھے اور کمرے مقفل تھے۔ ان کے بھانجے بشیر احمد شاہ صاحب وہاں موجود تھے۔ جنہوں نے سارے خاندان کے لوگوں کو اوپر بلالیا۔ اس طرح سے ہمیں بہت ہی آرام اور سہولت ملی۔ دوسرے دن انہوں نے شاہ صاحب جو شہر کے دوسرے حصے میں تھے جدھر حضرت صاحب کے خاندان کے گھر تھے اور وہ پاکستان جا چکے تھے سے اجازت لیکر ہمیں ان کا بڑا

کمرہ کھول دیا جس میں ایک بڑی دری تھی یا غالباً ایک میز اور دو تین کرسیاں ہی تھیں۔
ہم نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اس کمرے میں سب سکڑ سکڑا کر اپنے لئے جگہ بنالی۔ اس جگہ ہم سب بڑے ماموں جان ان کے بچے اور سسر اور دادی ساس، خالہ جان ان کے بچے، خالہ جی بڑے ماں جی غرضیکہ ہمارا سارا خاندان جن میں معصوم بچے زیادہ تھے وہاں پناہ گزین ہو گئے۔ ماموں جان حملہ سے قبل دفتر جا چکے تھے اور ابّا جان بھی اپنے کلینک جا چکے تھے اس لئے وہ قادیان کے دوسرے حصہ میں رہ گئے۔ دوسرے دن جب ماموں جان کو علم ہوا کہ سب بورڈنگ ہاؤس میں پناہ لے چکے ہیں اور محلوں کے مرد بھی جن میں میرے بھائی ڈاکٹر حافظ مسعود احمد صاحب اور پھر ابّا جان بھی بچتے بچاتے آ گئے تھے۔ محفوظ ہیں تو پھر ماموں جان کو ہمارے لئے کچھ ضروریات کی چیزیں لانے کی فکر ہوئی۔ چنانچہ آپ نے ایک واقف کار سکھ تھانیدار سے درخواست کی کہ ان کی مدد کرے اور آپ اس کے ساتھ بورڈنگ ہاؤس تشریف لائے۔ شیر خوار بچوں کے لئے شہر کے ایک سٹور سے بمشکل دوڈبّے خشک دودھ کے غالباً گلیکسو تھا حاصل کیا اور جو بھی بن پڑا لیکر آئے اور جائزہ لیکر پھر دوسرے دن کھدر کے کئی تھان اور سٹار ہوزری کے سامان سے جو اس حصہ میں تھا جہاں باقی احمدی محصور تھے ہمارے لئے کچھ سویٹرز وغیرہ لئے اور اسی تھانیدار کی مدد سے یہ سامان بورڈنگ ہمیں دیا جہاں ہم لوگوں نے جو بالکل بے سروسامان تھے اس کھدر سے اپنے لئے چادریں بنائی اور موسم کے لحاظ سے اس کی ضرورت بھی تھی۔ اور ہم پر ماموں جان کا یہ احسان اتنا بڑا تھا کہ کبھی بیان نہیں ہو سکے گا۔ آپ نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر سب کے لئے سہولتیں مہیا کیں۔

دوسری دفعہ 1974ء میں جب ہمارے مکان کو بمعہ لاکھوں کے سامان کے جلا کر خاکستر کر دیا گیا اور ہمارے پاس کسی چیز کا ایک ذرّہ بھی نہیں رہا تھا تو تب بھی ماموں جان نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی اجازت سے ربوہ سے رضائیاں گدے اور چادریں لیکر

سرگودھا پہنچائیں اور یہ بھی بہت بڑا احسان اور کرم تھا جو ماموں جان نے اپنی نیک فطرت کے مطابق کیا۔

مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب ناظر دیوان کے بارے میں مَیں نے جو کچھ لکھا بہت ہی اختصار سے اور اپنی ناقص کاوش کے مطابق لکھا اگر آپ کی شخصیت کے بارے میں لکھا جاتا تو کتابیں بن جاتیں ۔ان اوراق کی مَیں نے کوئی ترتیب یا ان میں کوئی ربط نہیں رکھا۔ سوائے چند ایک کے جن کو ترتیب دیا ہے۔اللہ تعالیٰ ان کے سب چاہنے والوں کو سلامت رکھے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔آمین اور میرے پیارے ماموں جان کو اعلیٰ علیین میں رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔میرے خیال میں بہت ہی کم خوش نصیب ایسے ہونگے جن کو خلیفہٗ وقت نے بعد وفات پیار کیا اور ماتھے پر بوسہ دیا اور بے شمار تعریفیں کیں۔

تاثرات

مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب کی بھانجی مکرمہ صفیہ اشرف صاحبہ بیان کرتی ہیں:

ماموں جان ظہور احمد صاحب کے والدین انتہائی نیک اور مخلص احمدی تھے اور بالکل ابتدائی صحابہ میں سے تھے۔ والد صاحب منشی امام دین صاحب تو تین سو تیرہ صحابہ میں سے اور ابتدائی موصیوں میں سے تھے ۔والدہ صاحبہ امام بی بی صاحبہ سلسلہ کے ایک بہت ہی نامور اور مخلص بندے منشی عبدالعزیز صاحب کی حقیقی بہن تھیں ۔ یہ لوگ بے غرض ، بے نفس اور قربانیوں کا جذبہ رکھنے والے تھے۔آپس میں قریبی رشتہ داری تھی اور پیار بھی بہت تھا عموماً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مجالس میں اکٹھے بیٹھتے تھے اور اس نعمت سے مستفید ہوتے تھے۔ بڑے ابّا جی اور نانا جی (حضرت منشی عبدالعزیز صاحب اوجلوی) پٹواری تھے

اور اچھا خاصا اثر رسوخ رکھتے تھے۔ جب بھی حضور علیہ السلام کی طرف سے کسی قربانی کا مطالبہ ہوتا تو فوراً لبیک کہتے اور اسی بات کا ثمر ان کی اولادیں در اولادیں پارہی ہیں اور اپنے آباء کی قربانیوں کی بدولت ان میں دینی اور دنیاوی نعمتوں کی بھرمار ہے اور مخلص احمدی ہیں اور خدمت دین کا جذبہ بھی رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہر طرح کے ثمرات سے نوازے اور یہ اپنے آباء کے نقش قدم پر چلنے والے ہوں۔

خدمات سلسلہ

ماموں جان کو اپنے سب بچوں کی تعلیم کا بہت خیال رہتا تھا سمیت اپنے بھانجے بھانجیوں کیا ور پھر جو بھی اچھے رزلٹ لاتا تو آپ بھی اور میرے ابّا جان بھی بہت خوش ہوتے اور حوصلہ افزائی کرتے تھے ان کے اپنے بچے تو ابھی چھوٹے تھے اس لئے ہم سب کی پڑھائی کا پوچھتے رہتے۔ ہم سب بہن بھائی خدا تعالیٰ کے فضل سے پڑھائی میں اچھے تھے خصوصاً میرے بھائی حافظ مسعود احمد صاحب اور دو بہنیں سیدہ خاتون اور بُشریٰ خاتون یہ دونوں اپنی ہر کلاس میں اوّل آتی تھیں اور دونوں نے اپنے اپنے سال میٹرک میں نہ صرف اپنے سکول میں اوّل پوزیشن حاصل کی بلکہ ضلع گورداسپور میں اوّل آئیں اس وقت میٹرک کا امتحان پنجاب یونیورسٹی کے تحت ہوتا تھا۔

ماموں جان اور مکرم محترم مولوی محمد الدین صاحب (سابق صدر، صدر انجمن احمدیہ) بھی بہت خوش ہوئے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد ہم سرگودھا آ گئے اور اس وقت یہاں کوئی لڑکیوں کا کالج نہیں تھا۔ بُشریٰ نے پرائیویٹ طالبہ کی حیثیت سے راولپنڈی بورڈ سے ایف اے کا امتحان دیا تو سرگودھا کے سارے لڑکے لڑکیوں میں فرسٹ آئی ماموں جان کو اس کی کامیابی پر بہت خوشی ہوئی۔ اسی طرح میرے بی-اے اور ایم-اے کرنے پر مجھے بذریعہ خط مبارک

یاد دی اور ایڈریس پر میرے نام کیساتھ بی۔اے لکھا اور ایم۔اے کرنے پر ایم۔اے لکھا اور میری کامیابیوں پر بہت مسّرت کا اظہار کیا۔ اسی طرح جب مبارکہ نے جامعہ نصرت میں داخلہ لیا تو انتہائی خوش تھے پھر اپنے دونوں چھوٹے بیٹوں لئیق احمد اور انیس احمد کی اعلیٰ پڑھائی پر بہت خوش ہوتے تھے۔ بتانے کا مطلب یہ ہے کہ ماموں جان کو تعلیم سے کتنی دلچسپی تھی۔ ماموں جان کو ہمارے ابّا جان بھائی محمود احمد صاحب سے بہت اُنس تھا۔ اسی طرح اپنی بڑی بہن یعنی ہماری امی جان زینب بی بی سے بھی بہت پیار تھا۔ آپ باقاعدہ ہر روز دفتر جاتے ہوئے ہمارے گھر آتے اور سب کی خیر خیریت معلوم کر کے اور چند منٹ رک کر دفتر جاتے ان کا اور ہمارا مکان ایک سیدھی گلی میں ایک فرلانگ کے فاصلے پر تھا یعنی کہ دفتر کے راستے میں ہمارا مکان پڑتا تھا۔ ہر جمعہ والے دن جس دن آپ کو چھٹی ہوتی آپ صبح سویرے ناشتے سے قبل بہشتی مقبرہ ضرور جاتے اور سب قبروں پر دعا کرتے ہمارے نانا جی بھی وہیں مدفون تھے۔ نانی امّاں ربوہ میں بہشتی مقبرہ میں اولین موصیات میں چار دیواری کے بالکل نزدیک دفن ہیں۔ پاکستان آنے کے بعد ہماری نانی امّاں ڈاکٹر محمد الدین صاحب کے پاس گوجرہ رہیں۔ ڈاکٹر صاحب میرے ابّا کے بھتیجے اور ماموں جان کے بہنوئی تھے ان کی بہن آمنہ بی بی کے ساتھ ان کی شادی ہوئی تھی۔ جب ماموں جان کو وہ چھوٹا سا کوارٹر الاٹ ہوگیا تو وہ اپنی والدہ محترمہ کو اپنے پاس ربوہ لے آئے اور وہاں ہی انکی والدہ صاحبہ کی وفات ہوئی بالکل ابتدائی قبروں میں ان کی قبر ہے۔

سیرت و اخلاق

میں اس جگہ آپ کی سیرت کے متعلق کچھ کہنا چاہوں گی ویسے تو انسان کی فطرت میں یہ بات ہے کہ وہ اپنے والدین اور اپنے پیارے عزیزوں اور رشتہ داروں میں صفات دیکھتا اور

پاتا ہے لیکن میں حقیقت بیان کر رہی ہوں میرے ابّا بھائی محمود احمد صاحب قادیانی اور ماموں ظہور احمد صاحب میں عباد الرحمٰن کی ساری صفات تھیں وہ زمین پر چلتے پھرتے فرشتے تھے ۔ ماموں جان نے اپنی ساری زندگی سلسلہ کے کاموں میں اور خلافت سے وابستگی اور محبت میں گزاری ۔ تین خلفاء کا زمانہ دیکھا اور اس میں ان کی محبت اور وفا داری قابل مثال تھی ۔ آپ کی طبیعت میں دھیما پن اور عجز وانکساری تھی کسی کے ساتھ اونچی آواز سے یا تلخ لہجے میں بات نہیں کرتے تھے ۔ چال پُر وقار اور نگاہ نیچی کر کے چلتے ۔ لباس سادہ صاف ستھرا اور اس میں نفاست ہوتی ۔ اپنے بیوی بچوں اور دیگر رشتے داروں سے حسن سلوک کی مثالیں قائم کر دیں ۔ محلے، گلی اور ارد گرد رہنے والے آپ کے مداح تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسن سیرت کے ساتھ ساتھ حسن صورت سے بھی نوازا تھا آپ نے اپنی زندگی میں نشیب و فراز بھی دیکھے اور ہر حالت میں مولیٰ کی رضا پر راضی وبرضا رہے ۔ اللہ تعالیٰ نے پھر آپ کو ہر نعمت سے بھی نوازا ۔ بیوی وفادار اور بچے باپ پر جان چھڑکنے والے پائے ۔

مکرم چوہدری ظہور احمدؐ صاحب

سابق آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ ۔ ناظر دیوان صدر انجمن احمدیہ ربوہ

(تاثرات مکرمہ بشریٰ خاتون صاحبہ زوجہ محمد دین انور جو مکرم چوہدری صاحب موصوف کی بھانجی ہیں اپنے ماموں کے بارہ میں بیان کرتی ہیں :

اخلاق عالیہ

میرے ماموں جان چوہدری ظہور احمدؐ صاحب ناظر دیوان وسیکرٹری صد سالہ جوبلی فنڈ بہت مخلص اور سلسلہ کے دیرینہ خادم تھے ۔ حضورؓ نے فرمایا مجھے کچھ عرصہ ان کے ساتھ کام

کرنے کا موقع ملا اوران کی بعض اچھی صفات کوقریب سے دیکھنے کا موقع ملا (1) ایک تو بہت محنت کی عادت تھی۔

(2) دوسرے راز داری کا مادّہ اتنا تھا کہ ان پر کلیۃً انحصار کیا جاسکتا تھا۔

(3) وفا بہت تھی اور خلافت احمدیہ کے ساتھ ایسی کامل اور غیر متزلزل وفا تھی ان کے اندر کہ جس کو بھی نصیب ہو قابل رشک ہے۔

حضورؓ نے فرمایا دوست دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور یہ بھی دعا کریں کہ اگر اللہ تعالیٰ ایک اچھا خادم اُٹھالے تو اُس کی جگہ ہزار ایسے خادم دیدے۔

حضورؓ نے فرمایا کام بہت ہے۔ ہمت کم ہے۔ بہت زیادہ کام ہے ابھی تو ایک بھی ملک میں ہم نے روحانی غلبہ حاصل نہیں کیا اگر اچھے کارکن اُٹھتے رہے تو کام کیسے چلے گا تو کل تو بہرحال اللہ پر ہے کہ وہ ہمیں اچھے کارکنوں سے کبھی خالی نہیں چھوڑے گا انشاء اللہ تعالیٰ

آپ 12 جنوری 1908ء کو حضرت منشی امام الدینؓ صاحب کے ہاں پیدا ہوئے۔ ان کا وطن قلعہ ضلع گورداسپور تھا۔ آپ بہت بڑی زمیندار فیملی سے تعلق رکھتے تھے۔ 12 جنوری حضرت مصلح موعودؓ کا بھی یوم پیدائش ہے آپ کے والد گرامی (حضرت منشی امام الدینؓ صاحب) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے 313 صحابہؓ میں سے ہیں۔ ہماری نانی جان محترمہ کریم بی بی صاحبہ اہلیہ حضرت منشی امام الدینؓ صاحب صحابیہؓ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گاؤں اوجلہ ضلع گورداسپور تھا۔ نانی جان محترمہ نے بتایا حضرت منشی امام الدینؓ صاحب آپ کے والد گرامی حضرت صاحبؑ کی خدمت میں گئے۔ بچے کی پیدائش کا بتایا حضورؑ نے خوشی کا اظہار کیا اور دعا کی اور بچے کا نام ظہور احمد تجویز فرمایا۔ نانی جان بتاتی تھیں کہ ان کو بہت شوق تھا کہ نام احمد والا ہو۔ حضورؑ نے بڑے بیٹے کا نام دریافت فرمایا۔ انہوں نے بتایا کہ نثار احمد چنانچہ حضورؑ نے ان کا نام ظہور احمد رکھا۔

میرے نانا جان یعنی والد گرامی چوہدری ظہور احمد صاحب کا ذکر خدا تعالیٰ کے فضل سے

حضرت مصلح موعودؓ، حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ، حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس (ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز) نے بھی خطبہ جمعہ میں کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ منشی امام الدین صاحب نے سیکھوانی برادران حضرات میاں جمال الدین صاحب، میاں خیر الدین صاحب اور میاں امام الدین صاحب کے ذریعے احمدیت قبول کی اور بیعت کی۔

پھر منشی عبدالعزیز صاحب صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے منشی امام دین صاحب سے جو میرے بہنوئی تھے پہلے بیعت کی اور میری دلی خواہش تھی کہ میرے بہنوئی بھی احمدیت قبول کر لیں لیکن میں ان کے پُر رعب چہرہ اور اعلیٰ شخصیت سے جو قدرے سخت بھی تھی ڈرتا تھا کہ ایک دن مجھے یہ خوشخبری ملی کہ انہوں نے بیعت کر لی ہے میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اور سجدہ شکر بجالائے۔ اس کے بعد میری نانی جان محترمہ کریم بی بی نے بھی بیعت کر لی جن کے اخلاص کے متعلق میں نے ماہنامہ انصاراللہ اور ماہنامہ خالد میں تفصیل کے ساتھ پڑھا تھا کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مینارۃ المسیح کے لئے چندہ کی تحریک کی تو محترمہ کریم بی بی صاحبہ نے اپنا سارا چاندی کا زیور جو جو سیروں کے حساب سے تھا سارے کا سارا چندہ میں دے دیا یہ تھا۔

چاندی کا حقہ باہر پھینکوا دیا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحابیات کا اخلاص اور اعلیٰ نمونہ حضرت منشی امام الدینؓ صاحب کے متعلق نانی جان نے بتایا کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقہ نہ پینے کے بارہ میں جماعت کو نصیحت کی تو تمہارے نانا جان نے گھر آتے ہی اپنا حقہ جو سارا چاندی کا تھا۔ باہر پھینکوا دیا۔ کسی نے کہا چاندی بیچ لیتے آپ نے فرمایا بری چیز کی چاندی بھی میرے لئے حرام ہے اس کے بعد ساری عمر حقہ کو ہاتھ نہیں لگایا۔

والدین کے ساتھ سلوک

آپ اپنے والدین کے ساتھ بہت ہی نیک سلوک کرتے تھے اور قرآن پاک کے اس حکم پر عمل کرتے اور ہم سب کو بھی اس پر عمل کرنے کی نصیحت فرماتے:

وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيماً ○ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيراً ○

قادیان دفتر جاتے اور آتے اپنی والدہ محترمہ کا حال پوچھتے۔ 1949ء نومبر ہماری نانی جان بہت کمزور ہو گئیں دراصل انہیں قادیان چھوڑنے کا بہت غم اور صدمہ تھا اس وقت ماموں جان چوہدری ظہور احمد صاحب ربوہ کچے کوارٹرز میں رہتے تھے اور ممانی جی جڑانوالہ تھیں ماں جی کو اپنے چھوٹے بیٹے سے والہانہ محبت تھی فرمایا کہ مجھے اس کے پاس ربوہ لے جاؤ چنانچہ میرے والد صاحب بھائی محمود احمد صاحب میری والدہ زینب بی بی صاحبہ اور میں یعنی ان کی نواسی بشریٰ بھائی جان حافظ مسعود احمد صاحب کے ساتھ ربوہ لے کر آ گئے۔ ماں جی کا میرا آپس میں بہت لگاؤ تھا اور میں ان کو سنبھالتی تھی۔

ماموں جان نے جڑانوالہ میں ممانی جی کو پیغام بھجوا دیا کہ آپ ربوہ آ جاؤ۔ چنانچہ ہمارے ربوہ پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد ممانی جی ربوہ آ گئیں اور گھر اور کچن سنبھال لیا۔ ماں جی کے پاس میں ہر وقت رہتی تھی فرمانے لگیں کہ مجھے گنے کے رس کے دو گھونٹ پلاؤ۔ میں گھبرا گئی ممانی جی سے کہا انہوں نے کہا کوئی بات نہیں اپنے ماموں سے کہو کہیں سے گنّا مہیا کریں چنانچہ تابعدار اور فرمانبردار بچے نے چند منٹوں میں گنّا لا دیا میں نے گنڈیریاں بنائیں اور پھر ممانی جی سے کہا اب رس کیسے نکالیں۔ اس عقلمند اور دانشمند خاتون نے کونڈی ڈنڈا دھویا

گنڈیریوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے کُوٹے اور ململ کے پونے سے پُن کر رس نکال دیا اور کہنے لگیں جاؤ اپنی نانی کو پلاؤ۔ ماں جی بہت خوش ہوئیں رس پیا۔ اگلے دن ماں جی نے کہا مجھے سرسوں کے ساگ کے ساتھ دو لقمے کھلاؤ میں گھبرا کے ممانی جی کے پاس گئی اور بتایا فرمانے لگیں کوئی فکر نہ کرو اپنے ماموں سے کہو تھوڑا ساگ مہیا کر دیں ماموں ایک لحظہ بھی گھر میں نہ ٹھہرے اور چند منٹوں میں ساگ لے آئے۔ ممانی جی نے صاف کر کے اور دھو کر چولہے پر چڑھا دیا۔ میں نے کہا ممانی جی ہمارے پاس چمچ تو ہے مگر ڈوئی نہیں کیسے گھوٹیں گے کہنے لگیں تم دیکھتی جاؤ۔ ساگ کو اتارا ہاتھ دھوئے اور ایسا مسلا کہ شاندار ساگ گھٹ گیا مکھن ڈال کے کہنے لگیں لو اب اپنی نانی کو کھلا دو۔ ماموں جان نے اپنی والدہ کی چارپائی کے پاس ہی بیٹھے دعائیں پڑھتے رہے تابعداری کا ایسا حسین نظارہ کم ہی دیکھنے میں آیا ہے۔

دلجوئی اور حوصلہ افزائی کا بے مثال نمونہ:

اپنی والدہ کی وفات پر الفضل میں مضمون دیا اسمیں لکھا کہ میری بھانجی بشریٰ نے اپنی نانی کی بہت خدمت کی۔ اللہ اللہ! محبت پیار اور دلجوئی کرنا چھوٹی چھوٹی بات پر کیا حسین نمونہ تھا۔ اللہ اللہ! کس قدر شفقت اور رافت آپ کے وسیع اور پر درد دل میں ایک ناچیز حقیر بھانجی کے لئے تھی وہ بھانجی باوجود اپنی بے شمار کوتاہیوں اور کمزوریوں کے کس قدر نا داں تھی۔

آمدنی کے کم ذرائع اور توکل علی اللہ:

ممانی جی کے سگھڑاپے کی وجہ سے اور گھریلو کاموں میں محنت اور دلچسپی کی بدولت گھر ہمیشہ صاف ستھرا دیکھا۔ قادیان میں بھی اور ربوہ میں بھی ماموں جان فرماتے تھے میں کئی کاموں میں اپنی اہلیہ اقبال بیگم کی مدد کرتا تھا۔ ربوہ جب صدر انجمن احمدیہ کے مکان میں اور

پہلے ایک اور کوارٹر میں رہائش پذیر تھے تو فرماتے تھے کہ میں میٹھا پانی ختم نہ ہونے دیتا تھا۔ پھر جب پانی کمیٹی کا آ گیا تو اس کا کوئی وقت نہ ہوتا تھا عام طور پر صبح سویرے آجاتا تھا میں جتنے برتن ہوتے بھر دیتا تھا۔ تا کہ اقبال بیگم کو تکلیف نہ ہو۔ خیر کم خیر کم لا هله ۔ پر ہمیشہ عمل کرتے آئے ۔ کہتے ہیں تمہاری ممانی سے پوچھا دعائیں کیسے کرتی ہیں انہوں نے جواب دیا گریہ وزاری میں حد کر دیتی ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حضور متضرعانہ دعا کرتی ہوں ۔

غیر ممکن کو یہ ممکن میں بدل دیتی ہے   اے میرے فلسفیوز ور دعا دیکھو تو

خلافت سے وابستگی

میں اپنی عقیدت اور محبت کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ کو مالا میں پرونے کی کوشش کروں گی مگر اپنی کم علمی کی وجہ اس عظیم شخص ۔ نہ بھولنے والا شخص بہت بڑا انسان بہت بڑا لکھاری جس نے کشمیر کی کہانی کو موتیوں میں پرویا جب احمدیت کی تاریخ لکھی جائے گی جب دین حق کے لئے ایثار ۔ خلیفۂ وقت سے محبت فرمانبرداری ۔ احمدیت کے لئے انتھک کوششوں پر قلم اُٹھایا جائے گا تو ماموں جان کا ذکر خیر ان کی قربانیاں خلافت سے وابستگی اور قربانی ۔ دین حق کے خادموں ۔ اشاعت اور ترقی کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے والوں میں میرے ماموں جان کا نام بہت اونچا ہوگا ۔ وہ حوصلوں کے آسمان تھے ۔ جو کوئی اپنا یا پرایا ملنے آتا بھرپور حوصلہ افزائی کرتے اور آنے والا بھرپور جینے کا حوصلہ لیکر اُٹھتا ۔ اپنی تمام زندگی سلسلہ احمدیہ کے لئے قربان کر دی ۔

ہے محمدؐ کی خلافت امن عالم کی امیں

آپ نے 1925ء تا 1982ء سلسلہ کی خدمت کی ۔ آپ فرماتے تھے بیعت کے معنی ہر ایک از بر کرے ۔ اتنے سال آپ نے اپنے آپ کو خلفاء کے لئے وقف کر دیا ۔ بے لوث

خدمت کی خلیفۂ وقت کے ہر حکم پر فوراً لبیک کہا۔ آپ ہر وقت اسی فکر میں لگے رہتے تھے کہ آپ زیادہ سے زیادہ خدمات سلسلہ بجا لا کر خلفاء کے عظیم الشان کام میں مدد و معاون ہو جائیں آپ نے حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ، حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ، حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خلافت کے چند روز دیکھے اور وفات پا گئے۔

وقت کی پابندی:

آپ وقت کے بہت پابند تھے۔ ہر کام کے لئے وقت مقرر ہوتا۔ فجر کی نماز کے بعد تلاوت قرآن کریم اور سیر سے فارغ ہو کر ناشتہ کر کے جو انتہائی سادہ ہوتا سفید شلوار ہاف کوٹ۔ پگڑی پاؤں میں پالش کی ہوئی مکیشن تیز تیز قدموں سے چلتے راستے میں اپنے دوست قاضی رشید احمد ارشد جو انتظار میں کھڑے ہوتے ساتھ لیتے پھر آگے مولوی علی محمد صاحب اجمیری کو ساتھ لے کر تینوں دوست عازم دفتر ہوتے۔ اور ہمیشہ وقت پر دفتر پہنچتے سوائے اشد مجبوری کے ناغہ نہیں کرتے۔ صبح فجر کی نماز کی بعد صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب ابن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آجاتے اور ماموں جان اور صاحبزادہ میاں صاحب سیر کے لئے کھیتوں سے ہوتے ہوئے D.A.V. High School تک ریلوے لائن کے نزدیک جاتے۔ یہ سلسلہ کافی عرصہ تک جاری رہا۔ سیر کے لئے قادیان ڈی۔اے۔وی ہائی سکول قادیان شہر باہر ریلوے لائن کے قریب ہندوؤں کا تھا ارد گرد کھیت تھے۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے عقیدت

حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمدؓ صاحب خلیفۃ المسیح الثانی و مصلح موعودؓ کے ساتھ بہت قریبی تعلق رہا۔ آپ کے بچوں کے نام حضورؓ نے تجویز کئے ہوئے ہیں۔ ربوہ میں پہلے قافلہ

میں ماموں جان کو شمولیت کا شرف حاصل ہے۔ ربوہ کے ابتدائی بہت تکلیف دہ حالات تھے جو آپ نے باوجود اپنی کمزوریٔ طبع بہت ہی صبر وتحمل سے محض خدا تعالیٰ پر توکل کر کے گذارے۔ ربوہ میں پانی کا بہت مسئلہ تھا انگریزوں کے دور حکومت میں کئی سروے کرنے والے آئے اور اس علاقہ کو نا قابل رہائش قرار دیا کہ یہاں پانی نہیں نکل سکتا۔ حضرت مصلح موعودؓ جب ربوہ آئے آپ اپنے قافلہ کے ساتھ جسمیں ماموں جان بھی شریک تھے جب اب جہاں چوہدری ظفراللہ خاں صاحب کی کوٹھی کے سامنے حضور کھڑے ہو گئے اور فرمایا الہاماً

جاتے ہوئے حضور کی تقدیر نے جناب
پاؤں کے نیچے سے میرے پانی بہادیا

نشاندہی کر لی گئی وہاں ٹیوب ویل لگایا گیا اور ڈھیروں پانی سے زمین سیراب ہوگئی۔ یہ واقعہ ماموں جان بہت ہی جذب سے سنایا کرتے تھے پھر ربوہ پانی پانی سے سیراب ہو گیا اور آج دنیا میں ایک نشان ہے حضورؓ کی اولوالعزمی کا۔ حضرت مصلح موعودؓ نے ایک کشف کی بناء پر حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی ''داغ ہجرت'' کو پورا کرتے ہوئے ربوہ کی بنیاد 20 ستمبر 1948ء کو رکھی اس میں بھی ماموں جان شریک تھے۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ساتھ تعلق

آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد کا بہت احترام کرتے تھے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کے ساتھ بہت دوستی اور قریبی بے تکلفی کا گہرا تعلق تھا حضور کی وفات 8،9 جون 1982ء تک رہا۔ آپ فرماتے تھے کہ حضور کی پیدائش یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی الہام حضرت مسیح موعودؑ ''انّا نبشّرک بغلامٍ نافلۃً لّک

'' کے الہام کے تحت ہوئی۔ پھر ایک دفعہ آپ نے مجھے فرمایا حضور کا الہام ''بُشریٰ لَکُم'' الہام حضرت خلیفۃ المسیح الثالث اس میں تمہارا نام ہے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کا یہ الہام ہے۔ صد سالہ جوبلی فنڈ کا منصوبہ کا اعلان 28 دسمبر 1973ء کو جلسہ سالانہ کے موقع پر فرمایا اور صد سالہ جوبلہ فنڈ کی دعاؤں پر مشتمل روحانی منصوبہ کا اعلان 8 فروری 1974ء کو فرمایا ماموں جان نے 24،25 جون 1982ء تک صد سالہ جوبلی فنڈ میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

بزرگی

آپ بہت خوش شکل تھے اور اکثر لوگ کہا کرتے تھے کہ آپ حضور سے کچھ کچھ مشابہت رکھتے ہیں۔ 24 فروری 1981ء کو میرے بیٹے عزیز منیر احمد کی شادی کے موقعہ پر آپ کی فوٹو سابق اسپیکر پنجاب اسمبلی اور وفاقی وزیر فخر امام کے ساتھ ایک فوٹو صرف ماموں جان کی بہت ہی شاندار تھیں۔ یہ فوٹو ایک غیر از جماعت فوٹو گرافر نے سرگودھا میں بنائی تھی۔ ایک دن کافی عرصہ کے بعد وہ فوٹو گرافر وہ فوٹو لیکر ہمارے گھر آیا اور دریافت کیا یہ کس کا فوٹو ہے۔ میں نے بتایا تو اس نے کہا یہ فوٹو اتنا شاندار اور پر کشش تھا کہ میں نے اسے بڑا کر کے سرگودھا میں اپنی دکان میں لگایا ہوا تھا۔ ایک دن تین مولوی حضرات دکان میں تشریف لائے اور کہا کہ تم نے مرزائیوں کے خلیفہ کا فوٹو کیوں لگایا ہوا ہے؟ اُتارو۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے انہیں یقین دلایا کہ یہ فوٹو ان کے خلیفہ کا نہیں۔ پھر وہ تصدیق کے لئے میرے پاس آیا اور فوٹو کے پیچھے چوہدری ظہور احمد لکھوایا۔

دورۂ یورپ:

آپ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ساتھ جبکہ حضور 1978ء میں دورہ یورپ برائے شرکت کسرِ صلیب کانفرنس گئے تو حضورؒ کے ساتھ وفد میں شامل تھے۔وہ تاریخی کسرِ صلیب کانفرنس 2 تا 4 جون 1978ء لنڈن میں ہوئی۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ بنفس نفیس شریک ہوئے اور 4 جون کو اختتامی خطاب فرمایا۔ ماموں جان حضور کے وفد کے ارکان کے ساتھ اس میں شامل تھے۔آپ کی حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ساتھ وفاداری اور فدائیت قابل رشک تھی۔اور آپ نے حضورؒ کی نگاہ خاص میں مقام حاصل کیا جو کسی کسی کو ہی نصیب ہوتا ہے۔آپ حضورؒ کے فدائی اور تابع فرمان تھے۔آپ نے سلسلہ سے وفاداری اس کے اموال کی حفاظت اور اس کے مفاد کو بے نفسی سے مقدم رکھنے کی ایک قابل قدر مثال پیش کر دی۔ وفات تک خدمت سلسلہ کی توفیق پائی۔اللہ تعالیٰ ان کی قربانیوں کو قبول فرمائے اور ان کو ان کے نیک اعمال اور نیک نیتی کا بہترین اجر دے۔

اقرباء پروری و مہمان نوازی

ہمارے خاندان میں اقرباء پروری اور مہمان نوازی میں آپ کی مثال بے مثال تھی۔ جلسہ سالانہ کے دنوں میں سارا گھر مہمانوں سے بھرا ہوتا۔ ماموں جان اپنی ڈیوٹی کے باوجود دوپہر اور رات مہمانوں کا بہت خیال رکھتے ممانی جان فجر کے بعد کچن میں بہت بڑا دیگچہ چائے کے لئے رکھ دیتے سب مہمانوں کو ناشتہ کرواتے۔مگر مجال ہے ماتھے پر کوئی شکن بھی نمودار ہو۔اللہ اللہ! کیا بزرگوں کے اطوار تھے۔

خاندان میں کوئی وفات ہوتی ماموں جان کا گھر مہمانوں کے کھلا ہوتا۔ بچوں کی شادیوں کے موقعہ پر مہمان نوازی اور اقرباء پروری کا نمونہ قابل دید ہوتا۔آپ حضرت

رسول پاک ﷺ کے فرمان کے مطابق کہ قیامت کے دن تم میں سب سے زیادہ مجھے محبوب اور سب سے زیادہ میرے نزدیک وہ لوگ ہونگے جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہو نگے ۔آپ اور ممانی جی سب مہمانوں کے ساتھ بہت حسن اخلاق سے پیش آتے ۔اور یہی کوشش ہوتی کہ مہمانوں کو کوئی تکلیف نہ ہو۔خاندان یا غیر خاندان سب کی حتی الامکان مدد کے لئے تیار رہتے ۔اپنی بہنوں ان کے بچوں بھائی اور ان کے بچوں کے ساتھ کمال محبت کرتے ۔ان کی ہر حاجت میں تعلیم میں دلجوئی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے صلہ رحمی میں ان کا بشاشت قلبی سے سلوک سارے خاندان میں مشہور تھا اور آپ کی مثال تھی ۔میری بہنوں (1) فاطمہ خاتون بنت بھائی محمود احمد صاحب اہلیہ راجہ محمد افضل صاحب (2) سیدہ خاتون بنت بھائی محمود احمد صاحب اہلیہ عبدالحمید صاحب (3) سلیمہ خاتون بنت بھائی محمود احمد صاحب اہلیہ چوہدری محمد حسین صاحب کی شادیوں پر کمال انتظام دکھایا۔میری بہن فاطمہ خاتون کی شادی 1940ء میں ہوئی کل انتظام بہت محنت اور کمال ذمہ داری سے کیا۔پھر 1945ء میں میری دو بہنوں سیدہ خاتون اور سلیمہ خاتون کی شادی کا انتظام کیا۔ خود تھکن سے چُور ہو گئے مگر اتنا کام کیا کہ سب رشتہ دار دنگ رہ گئے ۔

سرگودھا 1970ء کی بات ہے میرے بڑے ماموں جان نثار احمد صاحب کے بچے عزیز بشارت کی شادی پر رشتہ دار ہمارے گھر یعنی میرے میاں محمد دین انور صاحب کے ہاں جن کے ساتھ ماموں جان بہت ہی شفقت سے پیش آیا کرتے تھے ۔ ہمارے سارے کمروں میں مہمان رشتہ دار تھے ۔صبح میں ناشتہ کا انتظام کرنے کچن میں آئی ماموں جان کچن میں آ گئے میں گھبرا گئی اتنی بڑی شخصیت اور میرے واجب الاحترام اور معزز ماموں جان نے ساتھ دو تین کو بلا کر میز صحن میں لگوا دیئے اور فرمایا کمرے میں مشکل ہے باہر ناشتہ لگاؤ۔ پھر فرمایا بُشریٰ تم بہت خوش قسمت ہو کہ تمہارے ہاں مہمانوں کی رحمت ہے اور سب کو ناشتہ اپنی نگرانی میں کروایا اور میرا بہت بڑا وزن اپنے سر لے لیا۔عزیز لئیق احمد کی شادی پر کسی

خاتون نے ازراہِ مذاق میرے میاں محمد دین انور صاحب جن کو ماموں جان کے ساتھ بہت ہی عقیدت تھی ۔ کہا ماموں جان کا نائی کیا کر رہا ہے؟ محمد دین انور صاحب نے کہا میں تو ماموں جان کا نائی بننے میں اپنی بہت بڑی خوش قسمتی سمجھتا ہوں ۔ خدا کرے میں تازنگی ان کا نائی رہوں اور خدا تعالیٰ مجھے توفیق دے کہ میں ان کی اور انکی اولاد کی کوئی خدمت کر سکوں ۔

غرباء پروری

20 فروری 1982ء کو عزیزہ مبارکہ بنت چوہدری ظہور احمد (جو ماموں جان کی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی تھی) ممانی جی (اقبال بیگم اہلیہ چوہدری ظہور احمد صاحب) اور عزیز بشارت احمد ابن چوہدری نثار احمد صاحب ہمارے گھر آئے مجھے بہت خوشی ہوئی ممانی جی نے فرمایا ہم عزیزہ طلعت (طلعت اہلیہ چوہدری نفاست احمد صاحب ابن چوہدری نثار احمد صاحب) کو چھوڑنے آئے تھے ۔ میں تمہیں تمہارے ماموں کی امانت دینے آئی ہوں مجھیسو روپیہ دیا اور کہا تمہارے ماموں کہتے تھے بُشریٰ کو آم بہت پسند ہیں ان پیسوں کے آم کھائے ۔ اللہ اللہ! کتنا خیال کیا ایک غریب بھانجی کا ۔

تعلیمی شوق

قبلہ ماموں جان کو تعلیم کا بہت شوق تھا خاندان کے بچوں کو گاہے گاہے تعلیم میں شوق دلوانے کے متعلق نصیحت فرمایا کرتے تھے ۔ اور جو بچہ کوئی پوزیشن لیتا اس کو انعام سے بھی سرفراز فرمایا کرتے تھے ۔ 1946ء میں نظارت تعلیم کی طرف سے قادیان میں دینیات کا امتحان ہوا جس میں قرآن باترجمہ اور حقیقۃ الوحی سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام شامل تھیں ۔ الفضل میں رزلٹ آیا میری اس میں پہلی پوزیشن آئی خوشی خوشی آئے مبارک باد دی اور پانچ روپے انعام دیا اس وقت پانچ روپے بھی بہت بڑی رقم تھی میری خوشی کی حد نہ رہی

اور میں نے ان پیسوں کا عید کے لئے سوٹ لیا پھر بھی پیسے بچ گئے۔ اس قدر فراخ دل اور تعلیم کا قدر دان معزز انسان بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔ غرضیکہ جو خاندان کا بچہ اچھے نمبر لیتا بہت ہی خوشی کا اظہار فرماتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کے ساتھ والہانہ عشق تھا وفات سے چند دن قبل میں ربوہ گئی بڑے انہاک سے اپنے کمرے میں الماری سے کتب نکال کر کپڑے سے صاف کر کے روحانی خزائن کی جلدوں کو کمال محبت سے ترتیب سے رکھ رہے تھے اور ساتھ ساتھ یہ پڑھ رہے تھے۔

جب گذر جائیں گے ہم تم پہ پڑے گا سب بار
سستیاں ترک کرو طالب آرام نہ ہو

میں نے کمال ادب سے سلام کیا فرمانے لگے سلسلہ کی کتب اور روحانی خزائن کی جلدوں کو صاف کر رہا تھا اور خدا تعالیٰ کے حضور دعا کر رہا تھا کہ اے خدا اے میرے مالک میری اولاد کو ان کتب کے پڑھنے کی ہمت و طاقت دینا۔ میرا ان کے لئے یہی ورثہ اور یہی میری دولت ہے۔ اتنے میں ممانی جی آئیں اور کہنے لگیں آج صبح سے کتابوں کے صاف کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ پھر کہا ماموں بھانجی کھانا کھالو۔ دسترخوان میں دو پھُلکے اور کٹوری میں ماش کی دال کہنے لگیں دونوں ایک ایک پھُلکا کھالو۔ سادگی کا زبردست نمونہ۔ پھر ماموں جان نے فرمایا تحریک جدید کے مطالبات میں ایک وقت میں ایک ہی کھانا پر ہم عمل کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! آپ کی شخصیت علم و عمل کا دلآویز اور حسین مرقع تھی۔

میری بہن صفیہ آپی نے جب ایم اے کے امتحان میں اعلیٰ کامیابی حاصل کی تو بہت ہی خوشی کا اظہار کیا اور کہا شکر ہے میری کسی بھانجی نے میری خواہش کو پورا کیا ہے۔ جب اس نے ڈبل ایم اے کیا تو پیارے ماموں جان کا محبت بھرا مبارک کا خط آیا اور اپنی نیک دعاؤں سے عزیزہ کو نوازا۔

آپا سلیمہ اور سیدہ خاتون کی شادی کے موقع پر آپا سلیمہ کے سسرال والوں نے ماموں جان کے آگے کئی ہزار روپے رکھے کہ ہماری طرف سے لاگ کے ہیں ماموں جان نے انتہائی مہذب طریقے سے انہیں کہا کہ ہم نے احمدیت اس لئے قبول کی ہے کہ رسومات کا قلع قمع کریں اس لئے آپ مہربانی کر کے یہ روپے رکھ لیں ہم لاگ خود دے دیں گے۔

28/اکتوبر 1979ء کو حضور نے یہ تحریک فرمائی کہ ہر احمدی لڑکا کم از کم میٹرک اور ہر احمدی لڑکی کم از کم مڈل تک ضرور علم حاصل کرے اور پوزیشن لینے والوں کو تمغہ جات دینے کا اعلان فرمایا اور تمغہ جات کی پہلی تقریب 13 جون 1980ء کو منعقد ہوئی۔ ماموں جان نے اس تحریک پر بہت ہی خوشی کا اظہار کیا

قبلہ ماموں جان اور قبلہ مولوی محمد دین صاحب سابق ہیڈ ماسٹر ٹی۔ آئی ہائی سکول قادیان اور سابق صدر، صدر انجمن احمدیہ جو ہمارے خالو ہیں اکٹھے کچے کوارٹر میں رہائش پذیر تھے۔ جب دفتر سے آتے تو اکثر ان کی علمی محفل لگتی جو بہت ہی دلچسپ اور علم میں زیادتی کا باعث ہوتی میں جتنے دن رہی اس محفل سے فائدہ اُٹھاتی رہی۔ ایک دن خالو جی نے میرا امتحان لیا اور الحمدللہ کہ مجھے کامیاب قرار دیا۔ ساتھ والے کوارٹر میں مولوی دوست محمد شاہد صاحب رہائش پذیر تھے۔ وہاں ہی وہ شادی کے بعد اپنی دلہن کو لیکر آئے۔ قبلہ ماموں جان اور خالو جی نے مجھے دو، دوسو روپے دیئے کہ جاؤ جا کر سلامی دے کر آؤ میں نے مولوی صاحب کی دلہن کو سلامی دی اور بتایا تو مولوی دوست محمد شاہد صاحب فرمایا! الحمدللہ کہ مجھے دو بزرگوں کی طرف سے تبرک ملا۔ سادگی کی انتہا تھی ایک دن ماموں جان اور خالو جی نے اپنے کپڑے مرمت کے لئے دیئے۔ میں نے ماموں جان کے کپڑے جہاں کہیں سے مرمت کے قابل تھے کر دیئے۔ قبلہ خالو جی کے پاجامے اور کُرتے مرمت کرنے میں بہت وقت لگا۔ کوٹ کی مرمت کر رہی تھی قبلہ خالو جی دیکھ کر فرمانے لگے بچارا محمد دین اور بچارا محمد دین (میرے میاں) دونوں ہی غریب اور سادہ اور ہم نام ٹھیک ہے۔ بُشریٰ ممانی جی نے بتایا کہ جب

تمہارا رشتہ ہو رہا تھا تو میں نے تمہارے ماموں سے کہا اس کی تعلیم تو پوری ہونے دیں تو ممانی جی کہتی ہیں ماموں جان نے کہا میں نے بھائی جی سے بات کی تھی انہوں نے کہا رشتہ آپ کی بہن نے کیا ہے اور میں نے ''اِنَّ اَکْرَمَکُم عِندَاللّٰہِ اَتقٰکُم '' کے تحت قبول کیا ہے تو ماموں جان نے فرمایا میں پھر چُپ ہو گیا۔

ماموں کی تصنیف شدہ کتاب ''کشمیر کی کہانی'' جب منصۂ شہود پر آئی تو میرے میاں محمد دین انور صاحب سے ان کے ایک غیراز جماعت کولیگ نے پڑھنے کے لئے لی۔ انہیں بہت ہی پسند آئی پھر کئی اوروں کی فرمائش پر انور صاحب نے بیس کتب منگوائیں اور ان کو دیں۔

عجز وانکسار

عزیز قمر احمد (چوہدری ظہور احمد کا نواسہ) ابن ڈاکٹر رشید احمد صاحب 9 ستمبر 1973ء کو ہمارے گھر سرگودھا میں پیدا ہوا۔ ربوہ اطلاع دی۔ چنانچہ 10 ستمبر 1973ء قبلہ ماموں جان اور ڈاکٹر رشید احمد صاحب سرگودھا تشریف لائے اور بچے اور عزیزہ مبارکہ کے لئے بہت دعائیں کیں۔ پھر فرمایا بُشریٰ تم میری دعاؤں کی بہت مستحق ہو۔ اس کے بعد جب آپ سے ملاقات ہوتی تو کہتے بُشریٰ، قمر تمہارا بیٹا ہے شکل بھی تم سے ملتی ہے۔ ''وَیَمْشُوْنَ فِی الاَرض ھَوْناً '' کی زندہ تصویر تھے۔ آپ ڈاکٹر رشید احمد صاحب یعنی اپنے داماد کے بہت ہی قدر دان تھے اور فرماتے تھے ان جیسا شریف خصلت نیک اور تابعدار انسان کم ہی دیکھا ہے۔ (ڈاکٹر صاحب میں شگفتگی، اخلاقی عظمت، فراست ،وسعت قلب اور دیگر کئی اعلیٰ صفات کی فراوانی تھی۔ لطیف حس مزاح اور انسانیت کی محبت آج بھی ان کے عقیدت مندوں کو یاد ہے)

جب عزیز لئیق احمد نے ایم اے کیا تو بہت ہی خوشی کا اظہار کیا اور کہا جس جس نے مجھے مبارک باد کا خط لکھا ہے میں نے ان سب کو فرداً فرداً جواب دیا ہے پھر فرمایا اس بچے کے متعلق جب وہ تقریباً ایک سال کا تھا اس کی والدہ نے کہا تھا یہ بچہ انشاءاللہ ذہین و فطین ہوگا اور ترقی پائے گا الحمدللہ کہ اس کی ماں کی یہ بات پوری ہوئی۔عزیز لئیق احمد اپنے پدر محترم کی طرح صلہ رحمی اور اقرباء پروری میں مثال ہے۔اللہ تعالیٰ اس کو زندگی دے اور اپنے بچوں کی خوشیاں دکھائے۔اور لئیق احمد شخصیت میں دلآویز اور اپنے دادا کی طرح بارعب اور تین باادب اور خوبصورت بچوں کا باپ۔

جب عزیز انیس احمد ابن چوہدری ظہور احمد کی بیوی کی مغربی افریقہ زیمبیا میں بیٹی کی پیدائش پر وفات ہوئی تو ماموں جان کا میرے میاں محمد دین انور صاحب کے نام خط آیا وہ خط کیا تھا غم واندوہ اور انتہائی صدمہ کے عالم میں لکھا ہوا۔جس نے ہم سب کو بے اختیار رلا دیا۔اولاد کے ساتھ محبت کا یہ عالم تھا۔

اولاد:

اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کو اپنے فضل اور کرم سے پانچ بیٹوں اور ایک بیٹی سے نوازا۔ سب خدا کے فضل سے صاحب اولاد ہیں۔آپ کا نواسہ انور رشید خدا تعالیٰ کے خاص فضل سے سویڈن کا امیر جماعت رہا ہے۔اسے اللہ تعالیٰ نے خدمت احمدیت کی بہت زیادہ توفیق دی۔اس کی امارت کا دور بہت کامیاب رہا۔عزیزہ مبارکہ سویڈن میں تعلیم القرآن کا کام بہت کامیابی سے کرتی رہی ہیں۔

اسی طرح عزیز منور احمد مانچسٹر میں جماعت کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔انہوں نے ضیافت اور دیگر خدمات انجام دیں اور دے رہے ہیں۔خدا تعالیٰ ان کو زندگی دے۔وہ

یعنی اللہ تعالیٰ ذوالقوۃ المتین ہے۔ وہ انکو ہمت اور طاقت دے تا کہ وہ اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سلسلہ کی زیادہ سے زیادہ خدمت کریں اپنے باپ کے اقوال زرّیں ہمیشہ ان کے ممدومعاون رہیں اور سب بچے احمدیت کی نعمت عظمیٰ کے تحت کمال محبت عقیدت اور جذبہ اطاعت خلیفۂ وقت کے ساتھ چمٹے رہیں اور جماعت کی ترقی اور بہبودی کے پروگراموں میں سماوی تائیدات انہیں حاصل ہوں۔ اور وہ اس ثمر دار درخت کے میٹھے ثمر حاصل کرتے رہیں اور خلیفۂ وقت نے جو دل اور بستیاں جو ملک جو براعظم دین حق کے لئے فتح کئے ہیں ان کی ترقی کے لئے ہمہ وقت تیار رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ماموں جان کے بچوں کو وہ مقام غناء اور توکل نصیب کرے جو ان کے دادا اور باپ کو نصیب ہوا تھا۔ اور انہوں نے جو جاودانی نقوش چھوڑے ہیں اور روشنی کے مینار تعمیر کئے ہیں یہ ان کے وارث بنیں اور خدا تعالیٰ باپ کی محبتوں کی خوشبو سے انکے دل ودماغ اور جسم وجان کو مہکا دے اور یہ خوشبو انکو معطر کرتی رہے۔ اور اللہ تعالیٰ انکو ہمدوش ثریا بنادے۔ انکے والد گرامی کے جسم اطہر نے گومٹی اوڑھ لی ہے مگر اس کی عظمت کردار وسیع علم گہرا للّٰہی عرفان۔ دل نواز مسکراہٹ سب چیزیں بچوں کے ساتھ رہیں اور یہی ان کا اثاثہ ہیں۔ ان کی خوشبو سے ہی سکون نصیب ہوگا اور خدا تعالیٰ آپ کی تپش ہجر کو کم کر دے۔

(1)۔ آپ کی اولاد مبارک احمد انکی بیٹی اور ایک بیٹا

(2)۔ مبارکہ خاتون، تین بیٹے اور دو بیٹیاں، انور احمد، انس احمد، وجیہہ، قمر احمد، انیسہ

(انور احمد کے تین بچے، انس احمد کے تین بچے، قمر احمد کی ایک بیٹی، وجیہہ کی دو بیٹیاں، انیسہ کا ایک بیٹا)

(3)۔ رفیق احمد، چار بیٹیاں اور دو بیٹے

(4)۔ لئیق احمد، دو بیٹیاں اور ایک بیٹا

(5)۔ انیس احمد، دو بیٹیاں اور ایک بیٹا

(6)۔منور احمد، دو بیٹے اور تین بیٹیاں

جب میری عمر سات سال تھی اس وقت کا ایک واقعہ رات میرے ذہن میں آ گیا۔ رات دو بجے کا وقت تھا میں نے اسی وقت اُٹھ کے لکھا۔ جولائی کا مہینہ تھا 1937ء کا سال تھا افریقہ سے بڑے ماموں جان چوہدری نثار احمد صاحب کا خط آیا (اس وقت خط کافی دنوں کے بعد ملتا تھا) کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بیٹا عطا فرمایا ہے مجھے والدہ صاحبہ نے خط دیا کہ تم بھاگ کر جاؤ بڑے ابّا جی (منشی امام دین صاحبؓ) کے پاس۔ میں کا کا، کا کا کرتی بھاگتی گئی بیٹھک میں بڑے ابّا جی ہوتے تھے دروازہ کھٹکھٹایا بڑے ابّا جی کو کہا کا کا اور خط دیا۔ ابھی بھی وہ نظارہ سامنے ہے انہوں نے سجدہ کیا۔ ماں جی (کریم بی بی صاحبہ) کو اور باقی سب کو بتایا بڑے ابّا جی نے مجھے پانچ پیسے اور ماں جی نے ایک آنہ دیا پھر ممانی جی کو بتایا انہوں نے کہا خدا نے ایک مہینے میں ابّا جی کو دو پوتے دیئے۔ یعنی رفیق احمد ابن چوہدری ظہور احمد اور بشارت احمد ابن چوہدری نثار احمد۔ نام تو بعد میں حضرت مصلح موعودؓ سے رکھوائے۔ پھر صحیح یاد نہیں

1942ء کا سال تھا بڑے ماموں جان کو اللہ تعالیٰ نے بیٹا دیا۔ غالباً آصفہ سے چھوٹا تھا میں اور آپا جان حضرت مصلح موعودؓ کے پاس نام رکھوانے گئے حضورؓ نے سات نام تجویز کئے جو مجھے یاد ہیں (1) رفاقت احمد (2) نفاست احمد (3) ارادت احمد (4) صباحت احمد (5) شفاعت احمد (6) ملاحت احمد (7) شجاعت احمد۔ ماموں جان کو نام لکھے انہوں نے رفاقت احمد نام لکھا۔

ایک واقعہ:

ماموں جان کے داماد ڈاکٹر رشید احمد صاحب جو ماموں جان کو نیک عادات اور فرمانبرداری اور سعادت مندی کی وجہ سے بہت پیارے تھے بہت قابل انسان تھے۔ ڈاکٹر ہونے کے باوجود ایک زبردست لکھاری تھے۔ رشتہ داروں اور عزیزوں کے ساتھ انکا

سلوک قابل رشک تھا۔کبھی دنیاوی ارتیج نہیں کیا۔آپا سلیمہ ایک لطیفہ سناتی ہیں کہ میں مفت علاج کرواتے کرواتے بہت شرمندہ تھی۔ایک دن میں برقعہ پہن کر چہرے پر نقاب کر کے ان کے کلینک گئی تا کہ وہ نہ پہچانیں۔ڈاکٹر صاحب نے باری پر بلایا۔میں آہستہ آواز میں بتاتی رہی ڈاکٹر صاحب سنتے رہے، چپ رہے، جب میں آنے لگی ڈسپنسر سے بل پوچھا تو ڈاکٹر صاحب ہنستے ہوئے آگئے اور فرمایا بھیس بدل کے آپا سلیمہ آئی ہیں ۔ اور میری کارکردگی کہ آج دوائی کے پیسے دے کر آؤں گی فیل ہوگئی۔ایک دفعہ میں نے عزیزہ مبارکہ کو لکھا کہ غریب و بےکس بےعقل کسی کے کام نہیں آسکی۔اس کا جواب آیا تو ڈاکٹر صاحب نے لکھا۔

تم سب کی آنکھ کا نور ہو سب کے دل کا قرار ہو
جو سب کے کام آسکے وہ ایک مشت غبار ہو

ماہ وسال گزر گئے مگر آپ کے جانے سے آپ کی عظمت اور محبت اسی طرح قائم ہے۔بنی نوع انسان کے ساتھ آپ کی شفقت ومحبت کے کئی نظارے ان آنکھوں نے دیکھے تھے۔

ایک دوست کے تاثرات:

مکرم میاں ابراہیم جمونی صاحب کے ساتھ بہت محبت تھی۔اور وہ ان کے لئے مثل بھائی کے تھے۔ان کے بچوں کے ساتھ وہ مشفقانہ تعلقات اور بےلوث محبت تھی۔ایک دفعہ میاں ابراہیم صاحب کو ہمارے گھر سرگودھا میں قیام کا موقعہ ملا۔سیکنڈری تعلیمی بورڈ میں سیکرسی آفیسر لگے ہوئے تھے ماموں جان کی طرح بہت ہی نیک بےضرر اور خوبیوں کے مالک تھے۔وہ اکثر ماموں جان کے اخلاق حسنہ،سادگی اور خلافت کے ساتھ گہری وابستگی کے متعلق باتیں کیا کرتے تھے۔اور اکثر بہت مسرت اور خوشی سے بتایا کرتے تھے کہ مجھے خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اکثر افراد کو پڑھانے کی سعادت حاصل

ہے۔ میرے میاں محمد دین انور صاحب اور آپ نماز کے بعد اکثر مصلّے پر ہی بڑی علمی اور احمدیت سے پیار اور محبت کی باتیں کیا کرتے تھے۔ محمد دین انور صاحب بھی بڑے فخر سے بیان کیا کرتے تھے کہ ہم دونوں ہی خوش قسمت ہیں ۔ کہنے لگے مجھے بھی سیدہ مہر آپا، صاحبزادی امۃ القدوس اور میاں طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ کو پڑھانے کا شرف حاصل ہے۔ اور ماموں جان چوہدری ظہور احمد صاحب اور خالو جی مولوی محمد دین صاحب سابق صدر، صدر انجمن احمدیہ کی آپس میں گفتگو کی طرح میاں ابراہیم صاحب اور محمد دین انور صاحب کی علمی، ادبی اور سلسلہ کی فدائیت کے متعلق گفتگو سننے کے قابل ہوتی تھی۔

محمد دین انور صاحب بڑی خوشی سے ہر ایک کو بتایا کرتے تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ مجھے خط میں ہمیشہ پیارے ماسٹر صاحب لکھتے ہیں۔ میاں ابراہیم کا ماموں جان کے متعلق مضمون ان کی ماموں جان کے ساتھ محبت کا آئینہ ہے۔ آپ 14 جولائی 1982ء کے اخبار الفضل میں ''مرحوم بھائی ظہور احمد کا ذکر خیر'' کے عنوان سے مندرجہ ذیل مضمون لکھتے ہیں جس سے ان کی ماموں جان کے ساتھ محبت اور تعلق کا ذکر ہے۔

میرے والد بھائی محمود احمد صاحب کا تعلق:

میرے والد بھائی محمود احمد صاحب کو ماموں جان سے بہت پیار تھا۔ انکی احمدیت اور خلافت احمدیت کے ساتھ محبت اور والہانہ عشق سے ابّا جان بہت متاثر تھے۔ اور بڑے خلوص ومحبت سے ان کا نام لیا کرتے تھے۔ ماموں جان بھی ہم سب بہن بھائیوں کے ساتھ بہت مشفقانہ رویہ رکھتے تھے ہماری دنیاوی تعلیم کے علاوہ دینی تعلیم میں کوشاں رہتے ۔ 1948ء میں ماموں جان کی طبیعت بہت خراب ہوگئی ممانی جی اور بچے جڑانوالہ تھے۔ ابّا جان ماموں جان کو سرگودھا لے آئے اور دل وجان سے ان کا علاج کیا ایک دن فرمایا

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنَى وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ أَجْراً عَظِيْما ○

اور مجھے فرمایا کہ ہر وقت اپنے ماموں کا خیال رکھنا اللہ تعالیٰ یہ ہم سے افضل ہیں۔ چنانچہ میں ہمہ وقت تیار رہتی کہ ماموں جان کوئی کام کہیں اور میں بجا آوری میں کوتاہی نہ کروں۔ مگر اس بے ضرر عظیم نافع الناس وجود نے کبھی کسی کو تکلیف نہ دی آپ صبر و رضا کے پتلے تھے۔ ابّا جان کے پیار کا واقعہ ایک سکھ نے امرتسر سے ابّا جان کے اوورکوٹ کے لئے کپڑا بھیجا کاغذ میں لپیٹ کر ماموں جان کو جاتے ہوئے دیا اور کہا ظہور احمد بڑے بھائی کا چھوٹے بھائی کو تحفہ۔

1945ء کا واقعہ ہے حضرت مصلح موعودؓ نے ساری جماعت کو ''تجلیاتِ الٰہیہ'' اور ''مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی'' کے ہندوستان اور باہر کی جماعتوں کو بھی ہمارے سکول نصرت گرلز ہائی سکول کے سب اساتذہ کرام دینیات کلاس کی طالبات نویں دسویں کی طالبات سب اس امتحان کی تیاری کر رہی تھی۔ میری سب بڑی بہنوں نے بھی امتحان دینا تھا۔ مجھے بھی شوق پیدا ہوا گو میرا اس وقت بہت محدود علم تھا مگر جذبہ اور شوق کی وجہ سے میں نے کہا میں نے بھی امتحان دینا ہے میری ٹیچرز نے کہا کہ تم ابھی اس قابل نہیں ہو کہ امتحان دے سکو۔ ماموں جان کو پتہ چلا اسی دن عنایت اللہ صاحب تاجر کتب سے دونوں کتابیں لا کر دیں اور کہا ضرور امتحان دو۔ اس وقت میں زبانی یاد بڑی جلدی کر لیا کرتی تھی۔ چنانچہ میں نے یہ کتب بار بار پڑھیں دو شعر ابھی بھی یاد ہیں۔

ا ح م د می خوانم
نام آں نامدار می بینم
دور او چوں شود تمام بکام
پسرش یادگار می بینم

میں نے حضرت شاہ نعمت اللہ ولی دہلوی کے یہ اشعار صداقت حضرت مسیح موعودؑ کے بارہ میں سارے کے سارے زبانی یاد کر لئے۔ امتحان نظارت تعلیم کی طرف سے تھا تقریباً ایک

ماہ بعد، بعد نماز مغرب ماموجان تشریف لائے اور پوچھا بچے کدھر ہیں؟ میں ڈر گئی۔ ماموں جان نے فرمایا ابھی بعد نماز مغرب مجھے مولانا ارجمند صاحب نے بتایا ہے کہ آپ کی بھانجی بُشریٰ نے اس امتحان میں پوزیشن لی ہے۔ ماموں جان نے سب سے پہلے مجھے انعام دیا۔ میرا خیال ہے یہ میری قابلیت نہیں تھی بلکہ میرے واجب الاحترام معزز ماموں جان کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی کا نتیجہ تھی۔ میرے ابّا جان نے فرمایا انعام تو ظہور احمد کو دینا چاہیئے۔ میرے ماموں جان علم دوست، مہمان نواز، غریب پرور، منکسر المزاج، درویش، خوش شکل، دراز قد انسان تھے۔ انکی خوبیاں لامحدود ہیں جو میرے جیسی کم علم، کم عقل غریب بیان کرنے سے قاصر ہے۔ اللہ تعالیٰ جو غفور الرحیم ہے ان کو اپنی جوار رحمت میں بلند مقام بخشے اور میرے ماموں جان کو اللہ تعالیٰ کے نور کے ہالے میں رسول پاک ﷺ، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت مصلح موعودؓ، اور خلفائے احمدیت کے قدموں میں جگہ دے۔ آمین۔ ان کی ساری اولاد کا ہر آن اور ہر لمحہ حافظ و ناصر ہو۔ انہیں عزت، شہرت، احمدیت، خوشحالی، فرخندگی سے نوازے۔ آمین۔

حافظ ڈاکٹر مسعود احمد صاحب سے تعلق

میرے بھائی ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کے ساتھ ماموں جان کو والہانہ محبت تھی۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مسعود احمد اپنی بعض خصوصیات علمی، طبّی اور مذہبی اتقاء کی وجہ سے بہت شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ جب مخالفوں نے مخالفت کی حد کر دی تو خداوند کریم نے ان کی مدد اور فتح کے واسطے غیب ہی سے سامان مہیا کر دیئے۔

1974ء میں جب احمدیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا مگر اس کے باوجود مخالفین کے ظلم اور درندگی کا نشانہ احمدیوں کو بنایا گیا۔ ان کو مالی اور جانی بہت نقصانات پہنچائے گئے

۔5/اکتوبر کو ہمارے بھائی ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کا کلینک اور رہائش سب کو معہ سامان جلا دیا گیا۔ موٹر سائیکل، کارغرضیکہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہمسائے کو رحمت کا فرشتہ بنایا اور اس نے دیوار میں سے اینٹیں نکال کر میرے بھائی حافظ مسعود احمد انکا بیٹا منصور احمد بہن صفیہ اور بھانجی ڈاکٹر شیما ارم کو معجزانہ طور پر بچایا گیا۔ قبلہ ماموں جان نے بتایا کہ جب یہ خبر حضور کو ملی تو آپ بہت گھبرائے ہوئے اور صدمہ میں تھے۔ ماموں جان نے بتایا کہ حضور خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے مجھے فرمایا کہ کسی ایسے خادم کو سرگودھا بھیجو جسے وہاں کے لوگ پہچانتے نہ ہوں وہ مسعود احمد اور اس کے اہل خانہ کی خبر لائے۔ حضور نے ہزار ہا روپے احمدیوں کے لئے سرگودھا بھجوائے جن کے مکان، سامان جلا دیئے گئے تھے تاکہ یہ مظلوم اپنے لئے ضروری چیزیں لے لیں۔ ڈاکٹر حافظ مسعود احمد نے امداد لینے سے معذرت کر دی۔ ماموں جان فرماتے تھے کہ جب اس کی رپورٹ حضور کو دی گئی کہ حافظ صاحب نے امداد نہیں لی تو آپ نے فرمایا ٹھیک ہے انہوں نے کوئی رقم لینی ہی نہیں تھی مجھے معلوم تھا میں ان کے لئے الگ دعا کررہا ہوں ماموں جان کہتے ہیں اس وقت میں نے دعا کی کاش ہمیں بھی وہ مقام غناء اور توکل نصیب ہو جو اللہ تعالیٰ نے میرے بھانجے کو دیا ہے۔

اسی دوران صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نے جو ابھی مسند خلافت پر نہیں بیٹھے تھے اپنی کار بھائی جان کو بھجوادی اور ڈرائیور کے ہاتھ ایک خط بھائی جان کو بھجوایا۔ اس کے جواب میں بھائی جان نے کہا کہ صاحبزادہ صاحب گو میرے بھائی ہیں، حضرت مصلح موعودؓ کے بیٹے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے بھائی ہیں میں گستاخی نہیں کرسکتا اور ان کو لکھا آپ نے موٹر کار بھجوا کر مجھ پر بہت احسان کیا ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے عرش پر اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ کیا میرے خزانے میں تمہارے لئے کچھ باقی نہیں۔ اس لئے خدا کے کئے آپ ناراض نہ ہوں آپ کی کار آپ کو واپس بھجوا رہا ہوں۔ ماموں جان فرماتے تھے کہ حضور خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی درد بھری اور گریہ وزاری کی دعائیں عرش الٰہی میں قبول ہوئیں کہ نہ معلوم کہاں

سے اللہ نے اتنا رزق عطاء فرمایا کہ دیکھتے ہی دیکھتے مارکیٹ بھی بن گئی اور عالی شان رہائش اور کلینک بھی۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ رزاق ذو القوۃ المتین پر جو توکل کرے اسے وہ اسی طرح ہی رزق دیتا ہے۔

6/ اکتوبر 1974ء قبلہ ماموں جان جو اپنے بھانجے کی تکلیف پر جو مخالفین نے اینٹ مار کر پیٹ میں بہت بڑا زخم کر دیا تھا تڑپ رہے تھے۔ ایک جیپ پر بستر رضائیاں گدے چادریں وغیرہ لے کر خود ربوہ سے اپنے بھانجے کو دیکھنے اور ڈھارس بندھانے کے لئے تشریف لائے۔ اور فرمایا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے فرمایا ہے کہ مسعود احمد کی مدد خود اللہ تبارک تعالیٰ کرے گا اور اسی جگہ اس کا مکان اور کلینک بنے گا۔ اور آپ نے فرمایا! مسعود احمد انشاء اللہ مخالفین دیکھیں گے کہ حضور کی دعاؤں اور پاکیزہ فرمان کے کی بدولت اللہ تعالیٰ یہ بات پوری کرے گا۔ بعد کے حالات نے یہ بات ثابت کر دی۔ الحمد للہ۔

یہ ہے اقرباء پروری اور صلہ رحمی کی زبردست مثال۔ کس قدر درد تھا ماموں کے دل میں اپنے بھانجے کے لئے اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ اپنی اکلوتی بچی عزیزہ مبارکہ خاتون اہلیہ ڈاکٹر رشید احمد صاحب کے ساتھ بہت پیار تھا۔ عزیزہ کا ہم بہنوں کے ساتھ بہت تعلیم کے دوران ساتھ رہا۔ عزیزہ بہت ہی مرنجان مرنج طبیعت کی باادب، لائق اور نیک بچی۔ کبھی کسی کا بُرا نہیں چاہا۔ عزیزہ کے لباس، کھانے پینے اور رہنے سہنے میں سادگی کا رنگ نمایاں ہے۔ طبیعت میں اپنے محترم باپ کی طرح خودداری بہت ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس کی نیک عادات کی وجہ سے اس کے بہت قدردان تھے۔ سویڈن میں تعلیم القرآن کا کام نہایت تندہی سے کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ان کے کام کو دیکھ کر خوشنودی کا اظہار کیا۔ ماموں جان اور ممانی جی کی اعلیٰ تربیت کی وجہ سے بہت ہر دلعزیز خاتون ہیں۔ ڈاکٹر رشید احمد صاحب نے ماموں جان کی بیماری میں دل و جان سے خدمت کی اور اعلیٰ طبّی سہولتیں مہیا کیں۔

ماموں جان اپنی بہو اہلیہ منور احمد صاحب مانچسٹر یُو کے کی بہت تعریف کرتے تھے۔ جب عزیزہ مبارکہ کا بی اے کا امتحانی سنٹر سرگودھا بنا تو اس کی غیر موجودگی میں اس کے بچوں کا ثریا نے بہت خیال رکھا نیز ممانی جی نے بتایا کہ ڈاکٹر رشید صاحب جب تعلیم کے سلسلہ میں کراچی گئے تو عزیزہ نے ان کی خدمت کا حق ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔

عزیز ناصر احمد ابن رفیق احمد صاحب ربوہ کو کچھ عرصہ میرے پاس رہنے کا موقعہ ملا۔ عزیز ناصر احمد کو خدمت احمدیت کا بہت شوق اور جذبہ تھا عزیز خدا کے فضل سے بی ایس سی آنرز کا طالب علم تھا اور موصی بھی۔ سب سے خوشی کا باعث اس کی پانچ وقت التزام کے ساتھ نماز کی پابندی تھی۔ قرآن کریم کی تلاوت بڑے شوق سے کرتے۔ باادب، بااخلاق اور نیک بچہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو دین اور دنیا کی برکات سے نوازے۔

عزیز لئیق احمد اور انکی اہلیہ صبیحہ نے والدین کی خدمت اور ان کی خوشنودی حاصل کی۔ عیدین کے موقعہ پر لاہور سے ربوہ باقاعدہ عید والدین کے پاس کرنے آتے اور عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی اپنے والدین کے پاس کرتے۔ ممانی جی کی وفات پر انکی بیٹی ساجدہ کا غم اور صدمے سے بُرا حال تھا۔ عزیز لئیق احمد نے اپنے گراں قدر والد محترم کی طرح صلہ رحمی میں رسول پاک ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ہمت اور طاقت دے تا وہ انسانیت کی زیادہ سے زیادہ خدمت کریں۔

عزیز رفیق احمد ابن چوہدری ظہور احمد نے چونکہ رہائش ربوہ میں تھی والدین کا بہت خیال رکھا۔ ماموں جان کی وفات کے بعد اپنی سروس سے تھکن سے چُور آتے اور ممانی جی کے پاس روزانہ انکی خیریت کا پتا کرنے جاتے اور اپنی بیٹی عزیزہ مسعودہ کو ممانی جی کی خدمت کے لئے ان کے پاس رکھا اس بچی نے دل وجان سے اپنی دادی کی خدمت کی۔ اور رفیق احمد کو اللہ جزائے خیر دے کہ اس نے ماں کی خوشنودی حاصل کی۔

عزیز مبارک احمد ابن چوہدری ظہور احمد صاحب ماموں جان کا سب سے بڑا بیٹا ہے اس

کا بچہ فرید احمد ربوہ میں قیام پذیر ہے۔عزیز مبارک احمد 1947ء میں ابھی کم عمر بچہ تھا اور قرآن مجید حفظ کر رہا تھا۔3/اکتوبر 1947ء کو جب سکھوں نے دارالرحمت پر حملہ کیا تو ہم سب ایک ہی جگہ ابّا جان بھائی محمود احمد صاحب کے گھر جمع تھے جب حملہ نے شدّت اختیار کر لی تو عورتوں اور بچوں کو سب مردوں نے بحفاظت بورڈنگ ہاؤس پہنچایا۔میری نانی جان آنکھوں کی بینائی سے محروم تھیں اسوقت عزیز مبارک احمد نے باوجود کم عمری کے اپنی دادی کو گود میں اُٹھالیا اللہ تعالیٰ نے اس بچے کو ہمت اور طاقت دی اور وہ ماں جی کو خیریت سے بورڈنگ ہاؤس لے آیا۔میری آنکھوں کے سامنے یہ واقعہ اور اس بچے کی دادی کے ساتھ محبت واُلفت یاد ہے۔اللہ تعالیٰ اس کے بچوں کو زندگی دے اور خود حافظ وناصر ہو۔

محترم پیارے ابا جان کی یاد میں

(از مبارکہ خاتون صاحبہ بنت چوہدری ظہور احمد صاحب مرحوم ناظر دیوان)

پیارے ابا جان مرحوم کی زندگی کے بارے میں کچھ لکھنا چاہوں تو مجھے لفظوں میں لکھنا محال ہے۔ان کی زندگی سلسلہ احمدیہ اور خلفاء کرام کی اطاعت میں مثالی تھی۔سلسلہ اور خلفاء اور خاندان مسیح موعود علیہ السلام کے لیے ہر دم تیار رہتے۔میں چھوٹی سی تھی جبکہ مجھے مذہب نام کی چیز کا کچھ شعور نہ تھا۔لیکن پانچ سال کی عمر میں ہی نمازیں پڑھنا شروع کر دی تھیں۔اور بفضلہٖ تعالیٰ بروقت بشاشتِ قلبی سے پڑھتی۔کیونکہ خاندان کے سارے افراد ایسے کر رہے ہوتے۔اور مرد حضرات مسجدوں کی طرف جارہے ہیں۔اذانوں کی آوازیں گونج رہی ہوتیں۔بڑا ہی روحانی اور لطیف منظر ہوتا۔سب ہی ایک ہی رنگ میں رنگے ہوتے۔گھر اور باہر۔دعائیں گنگناتے ہوئے،اس وقت سے مجھے یہ بات معلوم تھی کہ حضرت مرزا ناصر احمد رحمہ اللہ کی دوستی ابا جان کے ساتھ مثالی تھی۔اور اکثر ان کا ذکر کسی نہ

کسی رنگ میں ضرور ہوتا۔

بڑوں کی طرف سے ہمیں دعاؤں کے لیے تاکید کی جاتی۔ جس پر ہم سب عمل کرتے۔ ہم سب اپنے دادا جان مرحوم اور دادی جان مرحومہ اور پھوپھی جان مرحومہ حشمت بی بی بمع اپنے صاحبزادہ اور صاحبزادی کے ساتھ اکٹھے رہتے تھے۔ کیونکہ ہماری یہ پھوپھی جان مرحومہ جوانی میں ہی بیوہ ہوگئی تھیں۔ اس کے علاوہ ہماری چھوٹی پھوپھی جان بھی ساتھ بچوں کے رہتی تھیں۔ کیونکہ پھوپھا جان محترم ڈاکٹر محمد الدین صاحب مرحوم ملازمت کے سلسلہ میں تبادلہ کی وجہ سے ادھر ادھر رہتے۔ اس طرح بچوں کی تعلیمی حرج کی وجہ سے اکثر دادا جان مرحوم کے ساتھ رہنا پڑتا۔

دادا جان مرحوم صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور دادی جان مرحومہ کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت اماں جان کے گھر بہت محبت اور پیارے کے تعلقات تھے۔ اور آپس میں آنا جانا تھا۔ دادا جان مرحوم کی زرعی زمینیں اور باغات قلعہ درشن سنگھ میں تھے۔ پیارے ابا جان مرحوم کو بچپن میں ہی قادیان تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے بھیج دیا گیا۔ وہ اپنی بہن زینب بی بی اہلیہ ڈاکٹر بھائی محمود احمد صاحب کے گھر رہتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد وہ قادیان مستقل رہائش پذیر ہو گئے۔ ہماری زندگی کا مرکز خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام رہا۔ خلفاء کرام رحمہ اللہ کا ذکر ہوتا رہتا۔ پیارے ابا جان مرحوم حضرت مرزا ناصر احمد صاحب مرحوم کے ساتھ ایک ہی سکول میں پڑھے۔ اور ہم عمر بھی تھے۔ بہت پیار، محبت اور عزت کے جذبات تھے۔

ہمارے خاندان کے سب بچوں، بڑوں کا مرکز محترمہ پھوپھی جان اہلیہ ڈاکٹر بھائی محمود احمد صاحب مرحوم کا گھر تھا۔ وہاں ہم سکول سے گھر آ کر کھانا کھاتے اور ان کے گھر کا رخ کرتے۔ وہاں جا کر بستے کھولتے اور سکول کا کام کرتے۔ نمازیں پڑھتے کھیلتے، ہمارے علاوہ اور بھی محلے کے کافی طالب علم آتے۔ قرآن مجید وغیرہ پڑھتے۔ بھوک لگنے پر پھل،

گنے، مکئی کے بھٹے وغیرہ خوب اڑاتے۔ یہ وہاں سب کچھ وافر موجود موسم کے مطابق ہوتا۔ اس وقت یہ سارے کام مفت ہوتے اور ٹیوشن وغیرہ کا رواج نہ تھا۔ پڑھانے کی ڈیوٹی پھوپھی جان مرحومہ کی صاحبزادیوں کی لگی ہوتی تھی۔ بڑی ہی محبت و پیار کا ماحول تھا۔ خدا ان کو بہترین جزا دے۔ آمین۔

وہاں محلے کے جو بچے بچیاں آتے تھے۔ وہ وہاں قرآن کریم اور دوسری تعلیمی مدد لیتے۔ اور یہ سب بفضل خدا مدد کے طور پر ہوتا تھا۔ ان دنوں ماحول بہت ہی پاکیزہ برادرانہ اور محبت کا ہوتا تھا۔

خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو فوقیت اور خاص اعزاز اور اہمیت دی جاتی۔ میری دادی جان مرحومہ اور دادا جان محترم منشی امام الدین صاحب مرحوم حضرت اماں جان مرحومہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملتے رہتے۔ خاص پیار کا تعلق تھا باہمی، اصحابِ احمد جلد اول میں ان کی سیرت کے بارہ میں بھی ذکر ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے گھر والوں سے خصوصی تعلق تھا اور وہ محترمہ پھوپھی جان کے گھر بھی آتے جاتے رہتے تھے۔ حضرت ام طاہر مرحومہ اور ان کے گھر والے ہمارے پھوپھا جان محترم ڈاکٹر بھائی محمود احمد صاحب مرحوم کے بھائی بنے ہوئے تھے۔ ہم سارے خاندان کے بچے ان کو پھوپھی جان کہہ کر پکارتے اور سید ولی اللہ شاہ صاحب مرحوم، سید محمود اللہ شاہ وغیرہ کو ہم رشتہ دار سمجھتے تھے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب رحمہ اللہ کا ڈاکٹر مسعود احمد صاحب سے برادرانہ پیار تھا۔ اور وہ ان کے گھر آ کر بہت خوش ہوتے۔

پیارے ابا جان مرحوم کی دوستی اور برادرانہ محبت حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ سے تھی۔ وہ چونکہ ہم عمر بھی تھے اور اکٹھے سکول پڑھتے تھے۔ جب حضور کو صدر خدام الاحمدیہ بنایا گیا تو ابا جان مرحوم کو بھی کام کے لیے ساتھ ساتھ رکھتے۔

میں چھوٹی تھی، اس وقت اپنی سمجھ کے حساب سے مجھے یاد ہے کہ پیارے ابا جان مرحوم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اور حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفہ ثالث رحمہ اللہ کے ساتھ دہلی کسی جماعتی جلسہ میں شمولیت کے لیے گئے تھے کہ وہاں لاٹھیوں کے ساتھ مخالفین جماعت نے حملہ کر دیا تھا اس میں ابا جان مرحوم کو بھی معمولی چوٹیں آئی تھیں۔ مجھے تو یہ یاد ہے کہ سارے خاندان میں بڑے غم کی لہر دوڑ گئی تھی۔ اور ہم سب کو دعا کے لیے تاکید کی گئی۔ جب پیارے ابا جان مرحوم گھر بخیریت آئے تو ہماری جان میں جان آئی۔ میری دادی جان مرحومہ نابینا تھی وہ مجھے بہت پیار کرتی تھیں۔ وہ مجھے پیارے ابا جان مرحوم کے لیے دعا کی خاص تاکید کرتی رہتی تھیں اور کہتیں کہ بچوں کی دعا اللہ تعالیٰ جلد سنتا ہے۔

بچپن میں طبیعت میں کھلنڈرا پن تھا۔ چونکہ میں اپنے پانچوں بھائیوں میں صرف اکیلی بہن تھی۔ اس لیے ساری کھیلیں لڑکوں کے ساتھ کھیلتی۔ ایک دفعہ امرود کے درخت پر چڑھ کر امرود توڑ رہی تھی اور زور زور سے بآواز بلند چیخ رہی اور دعا مانگ رہی تھی کہ اللہ میرے ابا جان کو وزیر اور مرزا ناصر احمد رحمہ اللہ کو بادشاہ بنا دے۔ اور گا گا کر دہراتی جا رہی تھی کہ دوسرے لوگوں نے دادی جان مرحومہ سے شکایت کر دی۔ اور دادی جان مرحومہ نے سرزنش کے لیے بلایا۔ میں نے جواباً عرض کیا۔ ماں جی آپ نے ہی تو کہا تھا کہ مرزا ناصر احمد صاحب اور اپنے ابا جان کے لیے دعائیں مانگا کرو تو مجھے یہ دعا کرنا اچھا لگا۔

کہانیوں کو جب سنتے ہیں تو ایسے ہی لگتا ہے کہ بادشاہ اور وزیر بہت اہم ہیں۔ اس کے بعد توبہ کی کہ آپ جس طرح کہیں گی اسی طرح اللہ جی سے مانگوں گی۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ شعور آتا گیا ابھی teenage شروع ہونے پائی تھی کہ ملک کی تقسیم ہوگئی۔ اس بٹوارے میں ہر طرف بدامنی کا دور دورہ شروع ہوگیا کہیں شوٹنگ ہو رہی تھی تو کہیں چھریوں سے قتل و غارت ہو رہے ہیں۔ ہمارے محلے میں بھی وہ لوگ حملہ کے لیے آ گئے۔ تو خدام الاحمدیہ سیکو احمد بورڈنگ، سکول میں لے جانے کو کہا۔ میری والدہ اور بھائی بورڈنگ ہاوس کی

طرف چلے گئے۔ محلے کے کچھ لوگ میرے پھوپھا جان ڈاکٹر بھائی محمود احمد صاحب مرحوم کے گھر اکٹھے ہوئے۔ میں بھی اپنی دادی جان کے ساتھ پھوپھا جان مرحوم کے گھر تھی۔ بعد میں ہم سب کو بھی بورڈنگ میں پہنچا دیا گیا۔ سب رو رہے تھے۔ پیارے ابا جان مرحوم کا بھی کچھ پتہ نہ تھا کہ کہاں ہیں بعد میں پتہ چلا کہ وہ اور مرزا ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ مسجد مبارک گئے ہوئے تھے۔ وہاں سے سیڑھیاں اتر رہے تھے، اور سیڑھیوں اترتے ہوئے مرزا ناصر احمد رحمہ اللہ آگے پیچھے تھے۔ حضور نیچے اور ابا جان مرحوم اوپر کہ گولی چلانے والے نے حضور رحمہ اللہ کی طرف نشانہ لیا۔ معاً ابا جان مرحوم کی نظر پڑی۔ پیارے ابا جان مرحوم نے حضور رحمہ اللہ کو دھکا دیا او آپ رلڑھکتے ہوئے نیچے گئے اور گولی ابا جان کی بغل سے اچکن پھاڑتی ہوئی نکل گئی۔ پھر حضرت صاحبزادہ صاحب کو اصل صورت حال سمجھ آئی۔

پیارے ابا جان مرحوم کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور ان کے خاندان سے بے لوث محبت تھی۔ کہ اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں۔ اس وقت ہم لوگوں کو بورڈنگ سکول میں اکٹھا کیا گیا تھا۔ وہاں اور بھی بہت سے لوگ تھے۔ سب لوگ گھبرائے ہوئے، ہر طرف رونا دھونا ہو رہا تھا۔ سب دعائیں کر رہے تھے۔ ہمارے پیارے ابا جان اور بڑے بھائی کے بارہ میں وہیں اطلاع ملی کہ ان کو گولی لگی ہے۔ اس جگہ جہاں ہم لوگ اکٹھے تھے، وہاں ٹرک آتے تھے۔ اور پاکستان لے جاتے تھے۔ ہمیں ابا جان اور بھائی کے بغیر ٹرک میں بٹھا کر لاہور لے گئے۔ اور کسی مہاجر کی کوٹھی میں ٹھہرایا گیا۔ تھوڑی دیر کے لیے جودھامل بلڈنگھی رکے تھے۔ وہیں سے جماعتی انتظام کے ماتحت اس کوٹھی میں لایا گیا۔ میری والدہ محترمہ کی پھوپھی نے ہمیں جڑانوالہ منگوا لیا۔ وہاں ان کے شوہر محترم ضلعدار تھے۔ انہوں نے ہمارے لیے رہائشی مکان کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ ہمارے ابا جان محترم کچھ عرصہ بعد تشریف لائے۔

حفاظت الٰہی کا ایک واقعہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فیصلہ کیا کہ ربوہ جماعت کے لیے مرکز بنانے کے لیے زمین خریدی جائے۔حضور کو کشفاً جگہ کے انتخاب کا بتایا گیا۔وہ جگہ ویران اور بے آب وگیاہ تھی۔چنانچہ چناب کے کنارے بے آب وگیاہ زمین میں ابا جان اور انکے ساتھ کچھ آدمیوں کو بستر اور خیموں سمیت بھجوایا گیا۔یہ پہلا قافلہ تھا جن کو ربوہ کی سرزمین پر بھیجا گیا۔ ابا جان مرحوم نے ہمیں بتایا کہ جب رات ہوئی سب زمین پر لیٹ گئے۔ان لوگوں میں سے کسی کے پاس چارپائی تھی۔اس نے کہا کہ چودھری صاحب آپ میری چارپائی پر سو جائیں۔آپ نے ان کی پیشکش کو قبول کرلیا۔

بقول ابا جان سب سو گئے اور مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ زمین پر چت لیٹے صاحب پر عین چھاتی کے اوپر اژدھا سانپ اس آدمی کے دائیں اور آدھا بائیں بیٹھا ہے۔سانپ کو دیکھ کر مجھے تو سمجھ نہ آرہی تھی کہ اس آدمی کو کیسے بتاوں۔بے اختیار دل سے دعا نکلی کہ اے خدا تیری مدد کے سوا کوئی چارہ نہیں۔اب تو ہی اس کو بچا سکتا ہے۔رحم کر بے بس ہیں اور وہ آدمی گہری نیند سو رہا تھا۔اس نے سوتے میں غالباً چھاتی پر بوجھ محسوس کیا۔اس نے زور سے کروٹ لی اور اتنے میں سانپ تیزی سے بھاگ نکلا۔میں نے سب کو جگایا اور باقی رات جاگتے اور دعائیں کرتے گزاری۔اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس نے معجزانہ طور پر اس کو بغیر نقصان کے بچالیا۔

ناظم مکانات

اپریل 1949ء میں جب ربوہ میں پہلا جلسہ سالانہ منعقد ہوا۔تو سب لوگ خیمہ میں ٹھہرے۔ہمارے سارے رشتہ دار دور ونزدیک سے آئے ہوئے تھے۔ہم نے وہ جلسہ

بہت انجوائے کیا۔ ہمارے لیے پہاڑیوں پر چڑھنا بہت بڑی تفریح تھی۔ ہمارے لیے بالکل نئی بات تھی۔اس کے بعد جماعت کی طرف سے ریلوے اسٹیشن کے قریب کوارٹر کچے بن گئے۔ابا جان مرحوم بھی ایک کوارٹر میں رہتے تھے۔ وہ محلّہ دارالرحمت کے نام سے آباد ہوا۔ ابا جان مرحوم اس محلّہ کے صدر تھے۔مختلف لوگ مرد وزن اپنے مسائل لے کر آتے رہتے تھے۔جن کو ابا جان مرحوم باحسن سلجھاتے۔ہم لوگ جڑانوالہ میں بھی تھے۔ہمیں زرعی زمین اور مکان میری والدہ مرحومہ کے پھوپھا مرحوم ذیلدار نے الاٹ کروادیئے تھے۔جلسہ سالانہ یا گرمیوں کی چھٹیوں میں ربوہ جاتے جلسہ سالانہ پر اکثر ابا جان ناظم مکانات کی ڈیوٹی پر ہوتے۔ان کی ان دنوں ساری ساری رات ادھر ادھر بھاگتے گزرجاتی۔بمشکل دو تین گھنٹے سونے کو ملتے۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی وفات کے بعد حضرت مرزا ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ بطور خلیفہ ثالث منتخب ہوئے۔ان دنوں ابا جان مرحوم آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ تھے۔ سالہا سال حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے ساتھ کام کیا۔سیکرٹری نصرت جہاں سکیم کا عہدہ، ناظر دیوان، سخت مصروفیت ہوتی۔ساری دنیا سے خط وکتابت بھی چلتی۔حضور رحمہ اللہ یورپ کے دورہ پر بھی ساتھ لے جاتے۔ابا جان مرحوم بتاتے کہ حضور رحمہ اللہ اور میں رات بارہ بارہ بجے کے بعد کہیں سوتے۔ وہاں حضور رحمہ اللہ ابا جان مرحوم کی صحت کا خاص خیال رکھتے کیونکہ وہ دل کے مریض تھے۔حضرت بیگم صاحبہ خصوصی پرہیزی کھانا بھجواتیں۔ وہ بروقت اور بڑی ذمہ داری سے یہ کام کرواتیں۔

پیارے ابا جان مرحوم کی زندگی بہت مصروف گزری۔ وہ بہت محنتی اور ذمہ دار تھے۔ ہر وقت خلیفہ وقت کے لیے مستعد تیار رہتے، وہ حضور رحمہ اللہ کی اجازت کے بغیر ربوہ سے باہر نہیں جاتے تھے۔حتی کہ ربوہ میں بھی رہتے ہوئے ہمارے گھر بہت کم آتے تھے۔ کہ حضور رحمہ اللہ کسی بھی وقت طلب کر سکتے ہیں۔

کشمیر کے کہانی کے مصنف

(مکرم ثاقب زیروی صاحب مرحوم، مدیر ہفت روزہ لاہور)

جس کہانی کے اَوراق اس وقت میرے سامنے بکھرے ہوئے ہیں وہ لذت آفریں کی بجائے درد انگیز اور دلربا سے کہیں زیادہ دل دوز ودل سوز ہے۔ یہ ستم ظریفی بھی کس قدر سوہانِ روح ہے کہ جس گل پوش وادی کا ذکر کرتے وقت اس کے نام سے پہلے ''جنت نظیر'' کا اضافہ کرنے کے بعد بھی اُس کے جمالیاتی تعارف کا حق ادانہیں ہوتا اُسی وادی کے باشندوں کا ماضی اور حال دونوں اس قدر کرب آفریں ہیں کہ انہیں مظلوم ومقہور کہہ کر بھی اُن کی بے بسی وکم پرسی کی صحیح کیفیت بیان نہیں ہو پاتی بلکہ اگر مَیں یہ بھی کہہ دوں تو خلاف واقعہ اور نامناسب نہ ہوگا کہ قیام پاکستان اور ریاست (جموں وکشمیر) کے ایک حصہ پر بھارت کے بالجبر قبضے کے بعد وادی کشمیر کے جو رہنما یا سیاسی کارکن پاکستان آئے ان میں سے بعض نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا یا کہا اُن تحریروں یا تقریروں نے بھی نہ اُس بے کسی کی صحیح تصویر کھینچی ہے۔ جس کے خونی شکنجے میں مسلمانانِ کشمیر صدیوں سے جکڑے چلے آرہے ہیں اور نہ اُس بربریت وبہیمیت ہی کا اصل خاکہ نگاہوں کے سامنے آتا ہے جس کا وہ ایک زمانے سے نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ شاید اس لیے کہ اِن تمام کتب اور سوانحی خاکوں میں لکھنے والوں نے مسئلہ زیرِ بحث سے کہیں زیادہ اپنے آپ کو پیش نظر رکھا ہے اور بعض نے تو خودستائی کی اس مہم میں اس بات سے بھی گریز نہیں کیا کہ اپنے آپ کو سب سے نمایاں ثابت کرنے کے لیے اپنے دوسرے تمام رفقاء کار کی ملی خدمات کے چہروں پر بدظنی کا

کالک مل دیں......ان میں سے بیشتر کی نگارشات ''میں'' سے شروع ہوکر ''میں'' ہی پر ختم ہوجاتی ہیں۔

''مسلمانانِ کشمیر کیوں مقہور و مجبور تھے''؟

''ان کی پس ماندگی و بے چارگی کا اصل سبب کیا تھا''؟

''ریاست میں ان کی اکثریت کے باوجود انہیں کس طرح اقلیتوں بلکہ اچھوتوں کی سی زندگی گزارنے پر مجبور کیا جاتا تھا؟''

''ان میں عزت نفس کا احساس کیونکر پھونکا جاسکتا تھا؟''

''اس کارخیر کا خیال سب سے پہلے کس ذہن میں اُبھرا؟''

''اس جدوجہد آزادی کی چنگاری سب سے پہلے کس سینے میں سُلگی؟''

''کس طرح سُلگی اور اُس کی آنچ کو کن دردمندوں اور خوش نیتوں نے اجاگر کیا؟''

''اِس چنگاری سے اُمید فلاحِ قوم کی لَو کس طرح پھوٹی؟'' اور ''اس روشنی میں ذاتی منفعتوں اور حرص وآرزو کے پردے گرا گرا کر اُس کی آب وتاب کو ماند کرنے کی کِس کِس طرح کوششیں کی گئیں؟''

وہ کون لوگ تھے جو صرف اور صرف انسانیت دوستی کے جذبے سے سرشار اِس مہم میں کُودے اور وہ کون نمک خوارانِ ریاست تھے جنہوں نے مارِ آستین کا رول ادا کرتے ہوئے عین وقت پر ہر پُرخلوص جدوجہد کو سبوتاژ کر کے اسیروں کی رُستگاری کو برسوں پیچھے ڈال دیا
۔

ان تمام موضوعات سے یہ لیڈر لوگ شاید اس لئے پہلو تہی فرماتے رہے کہ اتنے بڑے پھیلاؤ اور تجزیے کے بعد اُن کا اپنا دامن کچھ زیادہ بھرا ہوا دکھائی نہ دے سکتا تھا ۔اُن کی شخصیت اُن کے حسب خواہش نمایاں نہ ہوتی تھی اس لئے اُن کی مصلحت

اندیشیوں نے اِن تمام مراحل سے پہلو بچا کر ہی گزر جانے میں عافیت سمجھی۔لیکن جو باتیں دلوں اور روحوں پر نقش ہوں ۔کیا وہ بھی کبھی نظر انداز ہوئی ہیں ۔کبھی لفاظیوں سے بھی خلوص نیت وحسن عمل کے خلاء پُر ہوئے ہیں؟......کیا کبھی سیاست انسانیت دوستی کی آب وتاب کو بھی ماند کر پائی ہے!

چنانچہ آج وہ تمام مراحل،وہ تمام مساعی،وہ تمام پُر خلوص سرگرمیاں ''کشمیر کی کہانی'' کے رُوپ میں ہمارے سامنے ہیں۔جن کی روشنی میں ہر غیر جانب دار اور نیک نیت قاری بآسانی آغازِ جدوجہد آزادی کشمیر کے مالہ وما علیہ سے آگہی حاصل کرسکتا ہے۔ کہ اس ایوان حریت پسندی کی نیو کس نے رکھی؟ اس کی بنیادوں میں سب سے پہلے کس فرد،جماعت یا دارے کی بے لوث قربانیوں اور جاں نثاریوں کا چُونا گارا کھپا؟ اور آج جس جدوجہد کا ہر پہلو عالمی بلکہ تاریخی حیثیت حاصل کئے ہوئے ہے۔اس کی شریانوں میں دوڑنے والے خون کی آب وتاب کن دردمند انسانیت دوستوں کے حُسن ایثار وعمل کی مرہونِ منت ہے۔

بے شک اس کہانی میں بیان واظہار کا چٹخارہ کم ازکم ہے!اس کی عبارت میں تخیلاتی فقرہ بازیوں کی لذتیں بھی شاید نہ ملیں!سیاسی اُکھاڑ،پچھاڑ اور لتاڑ کی سنسناہٹ بھی مفقود ہو!غیر ضروری افسانہ طرازیوں کا دبیز قشر بھی شاید نہ مل سکے!لیکن یہ اوراق مغز سے خالی نہیں ہیں اس کہانی کے ورق ورق پر آپ اُن جان نثاروں کے خون کے چھینٹے ملیں گے جو شمع حریت پر سب سے پہلے پروانہ وار نثار ہوئے۔اس کا ہر باب یہ ضرور بتائے گا کہ جب قوموں کی رستگاری کے بیڑے اُٹھائے جاتے ہیں تو کس نوع کے ہمہ گیر پروگرام مرتب کرنے پڑتے ہیں اور کس کس طرح ایک ایک قدم گردوپیش سے چوکس ہوکر پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا ہے۔اور جو ذکی الذہن ایسی جان ہارمہموں کا علم بلند کیا کرتے ہیں اُن کی سوچ کیسی بین الاقوامی۔اُن کا حوصلہ کس قدر ارفع وبلند اور اُن کے عزائم کیسے استادہ گیر قسم کے ہوتے

ہیں۔ وہ جب ملت انسانیت کی فلاح و بہبود کی کسی مہم پر ہاتھ ڈالتے ہیں تو کس طرح دامے ،درمے ،قدمے ، سخنے اُسے پروان چڑھانے کے لئے وقف ہو جایا کرتے ہیں۔ مخالفتیں کس سبک سری سے اُن سے پہلو بچایا کرتی ہیں۔ اور وہ مصائب و آلام سے مردانہ وار کھیلتے ہوئے کس طرح بہیمیت و بربریت کے دریاؤں میں سے اپنی پناہ میں آجانے والوں کو ان کا دامن آلودہ ہوئے بغیر انہیں سلامتی کے گھاٹ تک لے کر پہنچ جاتے ہیں۔

میرا خدا چودھری ظہور احمد صاحب کی عُمر میں برکت دے۔ انہوں نے بڑی محبت احتیاط اور دیانت سے جدوجہد آزادی مسلمانان کشمیر کی اولین مہم کے ان اوراق کو محفوظ رکھا اور وقت آنے پر (بلاشبہ ہر چیز اور ہر بات کے منظر عام پر آنے کے لئے بھی ایک وقت معین ہے) یہ تمام دست آویزات من وعن (اس عالمی مسئلہ سے حقیقی ہمدردی اور دلچسپی رکھنے والوں کے) سامنے رکھ دیں۔

میں تو اِسے مسلمانانِ کشمیر کی تقدیر کی شومی ہی کہوں گا کہ اُن کی رُستگاری کے لئے جب بھی کوئی مخلصانہ تحریک پُوری دردمندی سے شروع ہوئی۔ اس کے نقطہ عروج کو پہنچتے ہی سیم وزر کی شہہ پر حریفاں بدخواہ کا ایک گروہ کشمیر دوستی ہی کا نعرہ لگا کر اس کے سبوتاژ کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا گویا ہر دفعہ

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

مسلمانان کشمیر کی آزادی وفلاح سب سے پہلی۔ موثر اور ہمہ گیر مہم تو ''آل انڈیا کشمیر کمیٹی''ہی نے شروع کی تھی جس کی باگ ڈور ملتِ اسلامیہ کے مایہ ناز فرزند اور جماعت احمدیہ کے امام (صدر کمیٹی) حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد کے ہاتھ میں تھی اور جس کی پُشت پر علامہ اقبالؔ ،خواجہ حسنؔ نظامی ،نواب سر ذوالفقار علی ،نواب محمد ابراہیم خاں آف کنج پورہ ،مولانا سید حبیب ،مولانا مہر ،مولانا سالک ،ڈاکٹر شفاعت احمد ،مولانا حسرت موہانی ، مولانا شفیع داؤدی ،ڈاکٹر ضیاء الدین ایچ ایس سہروردی ، چودھری عبدالمتین، سر عبد اللہ

ہارون وغیرہم ایسی (متعدد ہندوستان کی) مقتدر و نامور ہستیاں تھیں۔ جب یہ کمیٹی انتھک جدوجہد کے بعد مسلمانانِ کشمیر کے حقوق منوانے میں کامیاب ہوگئی۔ جب اس کی پُرخلوص سرگرمیاں کے سامنے ریاستی بربریت نے گھٹنے ٹیک دیئے اور لیلائے کامرانی چند قدم پر مجاہدین حریت کے انتظار میں بے قرار ومنتظر صاف دکھائی دینے لگ گئی تو عین وقت پر غیر مسلم حکمران کے خریدے ہوئے کچھ پیشہ ور سیاسی شاطر مذہبی چُبے پہن کر اس میں آن کو دے اور فرقہ وارانہ منافرت کو ہوا دے کر کشمیر ایجی ٹیشن کو اپنے ہاتھ میں لینے کا ہڑ بونگ مچادیا۔ یعنی وہی لوگ جو جواہر لعل نہرو مسٹر گاندھی سبھاش چندر بوس اور سردار پٹیل کو اپنا سیاسی پیر مانتے کبھی ذرا نہ شرمائے وہی ایک کلمہ گو کی قیادت پر چراغ پا ہو گئے۔

عوام نے اُن لوگوں کی معاندانہ سرگرمیوں کو دیکھ کر بار بار کہا:

''آپ ہمارے نمائندے نہیں ہیں ہمیں آپ کی راہنمائی کی ضرورت نہیں ہے''۔

شیخ محمد عبداللہ پورے زور سے چلائے:

''حکومت مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا چاہتی ہے چند مسلمان لیڈر حکومت کے دام فریب میں آ کر مسلمانوں کے اتحاد واتفاق کے شیرازے کو بکھیر کر اپنی ذاتی اغراض کو پورا کرنا چاہتے ہیں اور سنّی۔ شیعہ۔ اہلحدیث اور احمدی سوال اُٹھا رہے ہیں......''

چودھری غلام عباس بہیترا کڑھے اور بار بار پکارے:۔

''...... مجھے یہ دیکھ کر کہ مسلمانانِ کشمیر کے درمیان تفرقہ پردازی کی وسیع خلیج حائل ہوگئی ہے از حد صدمہ ہوا ہے اس وقت مسلمانوں پر دورِ ابتلاء ومصیبت ہے اور رہبرانِ قوم کی ذراسی لغزش بھی تباہی کا حکم رکھے گی......

موجودہ سوال قوم کا من حیثُ القوم سوال ہے اور نہ حکومت ہی نے گولیاں چلاتے ،گرفتاریاں عمل میں لاتے اور تشدد کرتے وقت ،فرقہ وارانہ تمیز سے کام لیا ہے......

خدارا موقع کی اہمیت اور نزاکت کو سمجھئے اور قوم کو افتراق سے بچایئے اور ایسی راہ

اختیار کیجئے جس سے مسلمانانِ ریاست کی مشکلات حل ہوں اور آئندہ مظالم کا سدِ باب ہو......''

لیکن ان پیشہ وروں کے کانوں پر جُوں تک نہ رینگی ۔...... کشمیری رہنماؤں کو کیا خبر تھی کہ یہ جُبّہ پوش تو ہمیشہ گھر سے اپنی پگڑی بغل میں داب کر نکلتے ہیں اور دوسروں کو پگڑیاں اُچھلنے پر اُنہیں ذرا افسوس نہیں ہوتا اور پھر جو ریاستی سکّوں کی کھنک کے زیر سایہ جوڑ توڑ۔ تھکا فضیحتی ،لپاڈ گی اور تشتت افتراق کا سلسلہ چلا تو اسی وقت رکا جب سارا کھیل بگڑ گیا۔ سارا کام معطل ہوگیا اور غیر مسلم حکمران کی بے انصافیوں اور چیرہ دستیوں کے دانت مظلوم مسلمانانِ کشمیر کی گردنوں میں اور گہرے دھنس گئے ۔

ان سیاسی شاطروں نے میدان مبارزت میں کودتے ہی سب سے پہلے :

جہاں تہاں سے خواہ مخواہ سول نافرمانیاں بھڑکا کر ایک موثر جدوجہد کے پائیدار نتائج کا دروازہ بند کیا پھر کشمیر کمیٹی کی طرف سے مظلومین کشمیر کے مقدمات کی بلا معاوضہ پیروی کے لئے بھجوائے جانے والے نامور ومقتدر وکلاء کی بےلوث خدمات کا منہ چڑایا۔

پھر ان کی جگہ روزانہ ساٹھ ساٹھ ستر ستر روپے محنتانہ طلب کرنے والے آئین دان بھجوا کر مقہوروں اور مجبوروں کی بےبسی وکم مائیگی کا مذاق اُڑایا۔

پھر ''اسلام خطرے میں ہے'' کا نعرہ لگا کر سادہ دل مسلمانوں کو خواہ مخواہ جیلوں میں ٹھو نسوایا اور جب دیکھا کہ غیر مسلم ریاستی حکمران اور ہندو کانگرس کی تمام خواہشات پوری ہوچکی ہیں ۔ ریاستی مسلمان پہلے سے بھی کہیں زیادہ احساس کمتری میں مبتلا ہو چکا ہے۔ اُس کے جذبہ حریت کا ایک ایک انگ جھنجوڑا بلکہ توڑا جاچکا ہے۔ حتی کہ مسلم کانفرنس بھی نیشنل کانفرنس کا لبادہ اوڑھ کر ان کے سیاسی پیروں کی شرن میں آ گئی ہے تو یہ اپنا چمٹا کھرپا سنبھال یہ کہتے ہوئے پھر اپنی حشرت گاہوں میں جادبکے۔

''یہ والنٹیئر تو نشے سے صبر نہیں کرسکتا۔ قوم کی عزت وشان بیچ کر معافی مانگ کر ٹھنڈے

گھر کا راستہ لیتا ہے۔ کیا نشے کے عادی افراد کے بل بوتے پر بھی کوئی قومی جنگ جیتی جا سکتی ہے......''

یقین کہ ''کشمیر کی کہانی'' کے ان بے لوث اور غیر جانبدارانہ اوراق کے آئینے میں یہ جُبّہ پوش بھی پوری طرح برہنہ ملیں گے۔

اس کہانی کے مؤلف (چودھری ظہور احمد) آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے اُن خاموش مخلص اور دردمند کارکنوں میں سے ہیں جن کی نگاہوں نے اس اولین شعلہ حریت کو بھڑکتے دیکھا اور جن کی نگاہوں کے سامنے حریفان حریت کی بدنیتیوں نے اس ایمان افروز لَو کی آب و تاب پروار کیے۔ ان کے دماغ و ذہن سے بہتر شاہدان وارداتوں اور ہولنا کیوں کا اور کون ہو سکتا ہے۔ ہمیں آج تحریک کشمیر کے صرف چند لیڈروں ہی کے نام یاد ہیں۔ صرف انہی کے جنہوں نے بصد اہتمام بار بار اپنے آپ کو کسی رنگ میں عوام کی آنکھوں کے سامنے رکھا لیکن یادداشتوں کے کشکول میں تو کئی درجن مجاہدین حریت کی جاں سپاریاں محفوظ ہیں۔ جن کے ایثار کے ذکرِ خیر میں ان کے قلم نے ذرا انقباض یا بخل سے کام نہیں لیا۔ ویسے بھی دو چار افراد کی حقیقت ہی کیا ہے۔ ایسی ہمہ گیر مہموں کے لئے تو ہر مورچے مستعد۔ بے لوث۔ شجاع ایثار پیشہ کارکنوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی مورخ کو یہ کیونکر زیب دے سکتا ہے کہ اُن میں صرف چند ایک کے نام اُچک کر اُن کے سروں پر شہرتِ عام و بقائے دوام کا تاج پہنا دے اور باقی تمام کے چہروں پر فراموش گاری کا لیپ کر دے۔

راقم الحروف کے نزدیک یہ اوراق صرف اسی لئے اہم نہیں ہیں کہ انہیں پڑھ کر مسلمانانِ کشمیر کی آزادی و رستگاری سے دلی ہمدردی رکھنے والوں کو اس سلسلہ کی اولین تحریک کے مقتدر قائد اور اُس کے رفقاء کار کے خلوص کی گہرائی و گیرائی ناپنے میں مدد ملے گی۔ اس لئے بھی اہم ہیں کہ اس کتاب کے مؤلف نہ کوئی سیاسی آدمی ہیں اور نہ کوئی سیاسی عزائم رکھتے ہیں انہوں نے ان اوراق کو اب تک صرف تاریخ کے اہم دستاویزات سمجھ کر سینے سے لگائے

رکھا ہے اور جو کچھ اُن کے کشکول میں محفوظ تھا اُس کا ایک حصہ بغیر کسی حاشیہ آرائی کے بے کم دکاست اپنے قارئین کے ہاتھوں میں دے دیا ہے اللہ کرے اُن کی یہ خوش نیتی اِس شعلہ کی لَو کو اور تیز کرنے میں مدد دے سکے۔

1965ء میں بہ کمال مہربانی انہوں نے راقم الحروف کی التجا قبول کرتے ہوئے اس کہانی کے بعض اوراق ''ہفت روزہ'' لاہور کو اشاعت کے لئے مرحمت فرمائے۔ ان اقساط کو پڑھ کر جب اہل پاکستان کی طرف سے اس کہانی کو جلد از جلد کتابی صورت میں شائع کرنے کا تقاضا اور مطالبہ شدید ہو گیا تو اس عذر وشرط پر کہ میں اشاعت وطباعت کے معاملہ میں ابتدائی شُد بُد بھی نہیں رکھتا ادارہ ''لاہور'' ہی کو اس کی طباعتی نوک پلک سنوارنے کی ذمہ داری قبول کرنا ہوگی) انہیں کتابی شکل دینا منظور کر لیا اور آج اس سلسلہ کی پہلی کوشش آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اُمید کہ آپ کا شوق اور مسلمانانِ کشمیر کی آزادی وفلاح سے آپ کی دلی دلچسپی پہلی نظر ہی میں راز پا جائے گی۔ اس تحریک کے گیسو سنوارنے اور اس کے تار و پود کو اُلجھانے اور بکھیرنے میں کِس کِس کا ہاتھ تھا۔

(محررہ 18 مئی 1968ء)

باب......پنجم

مضامین وتقاریر وخطوط

علمی خدمات

مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب آڈیٹر ایک منجھے ہوئے قلم کار تھے۔آپ نے بیسیوں مضامین لکھے،سینکڑوں خطوط لکھے،بعض کتب لکھیں نیز کئی بزرگان سلسلہ کے بارہ میں مفید و دلچسپ مضامین بھی لکھے جن میں سے مطبوعہ وغیر مطبوعہ شامل ہیں۔ان میں جہاں دوسرے احباب کا ذکر خیر ہے وہاں آپ کی دینی وعلمی خدمات اورسوانح حیات بھی شامل ہیں۔اس لحاظ یہ پرمغز مضامین و مقالات بھی دراصل آپ حیات کا حصہ ہیں۔آپ کے تحریرکردہ مضامین اخبار الحکم، بدر، الفضل اور لاہور میں گاہے بگاہے شائع بھی ہوتے رہے۔اسی طرح بعض مضامین غیر مطبوعہ بھی رہے۔جو پہلی بار اس کتاب کی زینت بن رہے ہیں۔اس حصہ میں آپ کے بعض اہم مطبوعہ وغیر مطبوعہ مضامین پیش ہیں۔مؤلف۔

مسیح اور مہدی کا زمانہ اور بزرگان اُمّت

''اَلْاٰیَاتُ بَعْدَ الْمِائَتَیْنِ۔''

(ابن ماجہ کتاب الفتن باب الآیات......)

یعنی نشانات دوسوسال بعد رونما ہونگے۔

اس حدیث کی تشریح میں برصغیر کے نامور محدث حضرت مُلّا امام علی القاری لکھتے ہیں:۔

’’وَیَحْتَمِلُ اَنْ یَّکُوْنَ اللَّامُ فِی الْمِائَتَیْنِ لِلْعَهْدِاَیْ بَعْدَ الْمِائَتَیْنِ بَعْدَ الْاَلْفِ وَهُوَ وَقْتُ ظُهُوْرِ الْمَهْدِی.‘‘

(مرقاۃ المصابیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد 10 صفحہ 182 از علی بن سلطان القاری مکتبہ امدادیہ ملتان)

یعنی یہ ممکن ہے کہ اَلْمِائَتَیْنِ میں لام عہد کا ہو اور مراد یہ ہے کہ ہزار سال بعد دوسو سال یعنی 1200 سال بعد یہ نشانات ظاہر ہونگے اور وہی (یعنی تیرھویں صدی) زمانہ امام مہدی کے ظہور کا ہے۔

’’اِنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰی رَاسِ کُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ یُجَدِّدُ لَهَا دِیْنَهَا.‘‘

(ابوداؤد، کتاب الملاحم باب مایذکر فی قرن المائۃ)

یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ اس اُمت کیلئے ہر صدی کے سر پر مجدد مبعوث کرتا رہے گا۔

اس حدیث کی رو سے علماء اُمت یہ یقین رکھتے تھے کہ چودھویں صدی کے مجدد مہدی ہونگے۔

چنانچہ اہلحدیث عالم نواب صدیق حسن خان صاحب تیرہ صدیوں کے مجددین کی فہرست دینے کے بعد لکھتے ہیں:۔

’’چودھویں صدی شروع ہونے میں دس سال باقی ہیں اگر اس صدی میں مہدی اور عیسیٰ کا ظہور ہو جائے تو وہی چودھویں صدی کے مجدد و مجتہد ہونگے۔‘‘

(ترجمہ از فارسی حج الکرامہ صفحہ 39 از نواب صدیق حسن خان مطبع شاہ جہانی بھوپال مطبوعہ 1291ھ)

صاحب کشف بزرگ حضرت نعمت اللہ ولی دہلوی

آپ نے اپنے مشہور فارسی قصیدہ میں آخری زمانہ کے حالات بیان فرمائے ہیں۔ آپ نے لکھا:

غین ری سال چوں گزشت از سال
بوالعجب کاروبار می بینم
مہدی وقت و عیسیٰ دوراں
ہر دو را شاہسوار می بینم

ترجمہ :جب غین رے یعنی 1200 سال گزر جائیں گے اس وقت مجھے عجیب و غریب واقعات ظاہر ہوتے نظر آتے ہیں۔مہدی وقت اور عیسیٰ دوراں ہر دو کو میں شاہسوار ہوتے دیکھتا ہوں۔

(اربعین فی احوال المہدیین مرتبہ محمد اسماعیل شہید صفحہ 2و4 مطبوعہ 1268ھ)

واضح ہو کہ مسیح اور مہدی چودھویں صدی کے سر پر آنے والے ایک ہی موعود کے دو لقب ہیں جیسے فرمایا:

" لَاالْمَھْدِیُّ اِلَّا عِیْسٰی بنُ مَرْیَمَ."

(ابن ماجہ کتاب الفتن باب شدۃ الزمان)

یعنی مسیح ابن مریم کے علاوہ کوئی مہدی نہیں ہوگا۔

حضرت حافظ برخوردار صاحب (985 تا 1093ھ)

پچھے یک ہزار دے گزرے ترے سو سال
حضرت مہدی ظاہر ہوسی کرسی عدل کمال

(قلمی نسخہ "انواع" صفحہ 14 از حضرت حافظ برخودار صاحب)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (1114ھ تا 1175ھ)

"عَلَّمَنِیْ رَبِّیِ جَلَّ جَلَالُہ اَنَّ الْقِیَامَۃَ قَدِ اقْتَرَبَتْ وَالْمَھْدِیُّ تَھَیَّا

لِلۡخُرُوۡجِ.''

(التفہیمات الالٰہیہ جلد 2 صفحہ 160 تفہیم نمبر 146 شاہ ولی اللہ اکیڈمی دہلی)

ترجمہ: خدا تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ قیامت قریب آ چکی ہے اور مہدی کا ظہور ہوا چاہتا ہے۔

پھر مولانا نواب صدیق حسن خان صاحب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے متعلق لکھتے ہیں:

''حضرت شاہ ولی اللہ نے امام مہدی علیہ السلام کی تاریخ ظہوری لفظ چراغ دین میں بیان فرمائی ہے جو کہ حروف ابجد کے لحاظ سے ایک ہزار دوسواڑسٹھ 1268ھ ہے۔''

(حجج الکرامۃ فی آثار القیامہ صفحہ 394 از نواب صدیق حسن خان مطبع شاہجہانی بھوپال)

حضرت شاہ عبدالعزیز (1159ھ تا 1239ھ)

''بعد بارہ سو ہجری کے حضرت مہدی کا انتظار چاہیئے اور شروع صدی میں حضرت کی پیدائش ہے۔''

(اربعین فی احوال المہدیین مرتبہ محمد اسماعیل شہید صفحہ آخر مطبوعہ 1268ھ)

الشیخ علی اصغر البروجروی (پیدائش: 1231ھ)

اندر صرغی اگر بمانی زندہ ملک و ملک و ملت و دین برگردد

کہ سال صرغی میں اگر زندہ رہا تو ملک و ملک و دین میں ایک انقلاب آ جائے گا۔ صرغی کے اعداد بحساب ابجد 1300 بنتے ہیں۔

(نور الانوار از شیخ علی اصغر صفحہ 215 مطبوعہ 1328ھ)

مولانا نواب صدیق حسن خان (1248ھ تا 1307ھ)

''بعض مشائخ اور اہل علم کے نزدیک امام مہدی کا ظہور بارہ سو سال ہجری کے بعد ہو گا لیکن تیرہ سو سال سے تجاوز نہیں کرے گا۔''

(حجج الکرامہ صفحہ 394 مطبع شاہجہانی بھوپال مطبوعہ 1291ھ)

پھر لکھتے ہیں:

''اب مدت دَہ ماہ کی ختم تیرھویں صدی کو باقی ہے پھر ھ اور ء سے چودھویں صدی شروع ہوگی اور نزول عیسیٰؑ وظہور مہدی وخروج دجال اوّل صدی میں ہوگا۔''

(ترجمان وہابیہ صفحہ 41-42۔ازنواب صدیق حسن خان مطبع محمدی لاہور 1312ھ)

جناب ابوالخیر نواب نورالحسن خان نے 1301ھ میں لکھا:۔

''ظہور مہدیؑ کا شروع تیرھویں صدی پر ہونا چاہیئے تھا مگر یہ صدی پوری گئی مگر مہدی نہ آئے اب چودھویں صدی ہمارے سر پر آئی ہے......۔شاید اللہ تعالیٰ اپنا فضل و عدل رحم وکرم فرمائے۔ چار چھ برس کے اندر مہدی ظاہر ہو جاویں۔''

(اقتراب الساعۃ صفحہ 221 ازنواب نورالحسن خان مطبع مفید عام 1301ھ)

علامہ سید محمد عبدالحی لکھنوی نے 1301ھ میں لکھا:۔

''اب چودھویں صدی آ گئی ہے۔ چھ ماہ گزر گئے ہیں۔اس صدی کا یہ پہلا سال ہے دیکھیئے کون سے طاق سال میں تشریف لاتے ہیں۔''

(حدیث الغاشیہ عن الفتن الخالیہ والغاشیہ صفحہ 350 مطبع سعید المطابع بنارس 1309ھ)

حضرت حکیم سید محمد حسن صاحب رئیس امروہہ نے 1306ھ میں لکھا:۔

''پس ان (امام مہدی) کی تشریف آوری اکیس سال بعد اس 1306ھ سے ہونے والی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب''

(کواکب درّیہ از حکیم سید محمد حسن صاحب رئیس امروہہ صفحہ 155 مطبع سید المطابع امروہہ)

مولانا عبدالغفور مصنف ''النجم الثاقب'' نے 1310ھ میں لکھا:۔

''البتہ زمانہ بعثت مہدی کا یہی ہے۔''

(النجم الثاقب حصہ دوم صفحہ 233 ابوالحسنات محمد عبدالغفور مطبوعہ پٹنہ)

خواجہ حسن نظامی (1296ھ تا 1374ھ)

''اس میں کوئی شک نہیں کہ جو آثار اور نشانات مقدس کتابوں میں مہدی آخرالزمان کیلئے بیان کئے گئے ہیں وہ آج کل ہم کو روز روشن کی طرح صاف نظر آ رہے ہیں مجبوراً تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ زمانہ ظہور خیر البشر بعد از رسول حضرت محمد بن عبداللہ مہدی آخرالزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام قریب آ گیا۔''

(کتاب الامر: امام مہدی کے انصار اور ان کے فرائض صفحہ 13 از خواجہ حسن نظامی 1912ء)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں:۔

میری جان اس پر قربان ہو۔ اے میرے بیٹو اس تنہا نہ چھوڑ دینا اور جلدی سے اس کے ساتھ ہو جانا۔ (شرح دیوان علی جلد 2 صفحہ 97)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عزیزوں کو نصیحت کی کہ اگر تمہارے زمانے میں عیسیٰ بن مریم آ جائیں تو انہیں کہنا کہ ابو ہریرہ آپ کو سلام کہتا ہے۔

(الدار المنثور جلد 2 صفحہ 245)

بارہویں صدی کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

''اس فقیر کی بڑی آرزو ہے کہ اگر حضرت روح اللہ علیہ السلام کا زمانہ پاوے تو پہلا شخص جو سلام پہنچاوے وہ میں ہی ہوں۔ اور اگر وہ زمانہ مجھے نہ ملے تو میری اولاد یا متبعین میں سے جو کوئی اس مبارک زمانہ کو پاوے وہ رسول اللہ ? کے سلام پہنچانے

کی بہت آرزو کرے کیونکہ ہم لشکر محمد یہؐ کے آخری لشکر میں سے ہوں گے۔''

(مجموعہ وصایا اربعہ صفحہ 84)

مصنف اقتراب الساعۃ نورالحسن خان صاحب

''حضرت ابوہریرہؓ کی اس نصیحت کو درج کر کے اپنی اولاد کو یہی نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔تم میں سے جو کوئی عیسیٰ کو پاوے وہ ان سے میرا اسلام کہے یہ خطاب ہے ساری امت کو۔ میں بھی ایک فرد اسی امت کا ہوں اگر میں نے ان کو پایا تو سب سے پہلے میں ہی انشاءاللہ سلام رسولؐ کا پہنچاوں گا ورنہ میری اولاد میں سے جو کوئی ان کو پاوے بڑی حرص سے سلام نبوت کو ان تک پہنچادے تا کہ پھر لشکر کتائب محمد یہ میں سے میں ہی ہوں یا میری اولاد ہوئے۔''

(اقتراب الساعۃ صفحہ 194)

حضرت مومن دہلویؒ

تیرھویں صدی کے مجدد شہید بالاکوٹ حضرت سید احمد شہید کے درباری شاعر حضرت مومن دہلوی نے دلی آرزو کا اظہار اس طرح کیا ہے:

زمانہ مہدی موعود کا پایا اگر مومن
تو سب سے پہلے تو کہیوں سلام پاک حضرت کا

انتظار کی ان گھڑیوں میں جب کہ امام مہدی کے ظہور کی تمام نشانیاں ظاہر ہو چکی تھیں۔ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی بانی جماعت احمدیہ (1835ء تا 1908ء) نے یہ دعویٰ فرمایا کہ میں وہی مسیح و مہدی ہوں جس کے ظہور کی پیشگوئیاں قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں موجود ہیں اور بزرگان امت جس کا بڑی شدت کے ساتھ انتظار کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ

نے آپ کی سچائی کیلئے وہ عظیم الشان آسمانی نشان چاند سورج گرہن بھی ظاہر فرما دیا جسے آنحضرت ﷺ نے سچے مہدی کی نشانی قرار دیا تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا:۔

''ہمارے مہدی کی سچائی کے دو نشان ہیں کہ جب سے زمین و آسمان پیدا ہوئے وہ کسی کی سچائی کیلئے اس طرح ظاہر نہیں ہوئے۔ رمضان کے مہینے میں چاند کو (اس کی مقررہ تاریخوں میں سے) پہلی رات اور سورج کو (اس کی مقررہ تاریخوں میں سے) درمیانی تاریخ میں گرہن لگے گا اور جب سے اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا یہ دو نشان ظاہر نہیں ہوئے۔''

(سنن دار قطنی کتاب العیدین باب صفۃ صلوٰۃ الخسوف والکسوف)

عین چودھویں صدی کے سر پر چاند گرہن کیلئے مقرر تاریخوں (13، 14، 15) میں سے پہلی رات یعنی تیرہ رمضان 1311ھ بمطابق 23 مارچ 1894ء کو اور سورج گرہن کیلئے مقرر تاریخوں (27، 28، 29) میں سے درمیانی تاریخ یعنی 28 رمضان بمطابق 6 اپریل 1894ء کو گرہن لگا۔ اور حضرت مرزا صاحب نے بڑی شان اور تحدی کے ساتھ اپنی سچائی میں اس نشان کو پیش کرتے ہوئے لکھا:

''ان تیرہ سو برسوں میں بہتیرے لوگوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا مگر کسی کیلئے یہ آسمانی نشان ظاہر نہ ہوا۔ مجھے اس خدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے میری تصدیق کیلئے آسمان پر یہ نشان ظاہر کیا۔ میں خانہ کعبہ میں کھڑا ہو کر حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ اس نشان سے صدی کی تعیین ہو گئی ہے کیونکہ جب کہ یہ نشان چودھویں صدی میں ایک شخص کی تصدیق کیلئے ظہور میں آیا تو متعین ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ نے مہدی کے ظہور کیلئے چودھویں صدی ہی قرار دی تھی۔''

(تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 142، 143)

ڈاکٹر سر علامہ محمد اقبال (9 نومبر 1877ء تا 21 اپریل 1938ء) تحریر کرتے ہیں:۔

یہ دَور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صَنم کدہ ہے جہاں، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

(کلیات اقبال اُردو از ڈاکٹر سر علامہ محمد اقبال صفحہ 527 اقبال اکادمی پاکستان طبع ہشتم 2007ء)

آمدِ مہدی و عیسیٰ ہے قریب اے ناسخ
کہہ دے اب قومِ نصاریٰ کو مسلماں ہووے

(اردو کا کلاسیکی ادب کُلیات ناسخ مرتبہ یونس جاوید صفحہ 370 طبع اوّل اپریل 1987ء ناشر احمد ندیم قاسمی ناظمِ مجلسِ ترقی ادب لاہور)

⌘ ❍ ❖ ❍ ⌘

حضرت قمرالانبیاءؓ کے چند اوصاف

(از مکرم چوہدری ظہور احمدؒ صاحب آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؒ صاحب ایم اے رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ جن کا ہر لمحہ دین کے لئے وقف تھا اور جن کی زندگی ہم سب کے لئے مشعل راہ ہے ۔ انؓ کے سوانح حیات کو ترتیب دینا ایک بہت اہم اور محنت طلب کام ہے ۔ اللہ تعالےٰ کسی کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ جلدی اس کام کو پوری توجہ اور کوشش سے سرانجام دے سکے ۔ میں اس وقت صرف دو واقعات لکھ رہا ہوں جو گو بظاہر بالکل معمولی ہیں لیکن حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کو اللہ تعالےٰ پر جو پختہ ایمان تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے آپؓ کو جو عشق تھا اس کا پتہ ان سے چل جاتا ہے۔

ا:- غالباً 1931ء کا واقعہ ہے کہ میں آپؓ کے پاس انگریزی کا ایک ڈرافٹ درستی کیلئے لے گیا ۔ اس میں لفظ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ''MOHD'' لکھا ہوا تھا ۔ جب آپؓ اس لفظ پر پہنچے تو قلم میز پر رکھ دی اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ: '' محمدؐ، آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام ہے ۔ بعض انگریزی خواں لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ اسے صرف '' MD یا MOHD '' لکھ دیتے ہیں ۔ میں اس معاملہ میں بہت Keer (حساس) ہوں ۔ میں یہ بات ہرگز برداشت نہیں کرسکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ہم مخفف کر کے لکھیں''۔ حضرت موصوفؓ کی اس نصیحت کے بعد اللہ تعالےٰ نے مجھے سینکڑوں نہیں ہزاروں مرتبہ یہ نام لکھنے کی سعادت بخشی لیکن میں نے کبھی اس غلطی کو نہیں دہرایا بلکہ اس نیک تحریک کو متعدد دوستوں

تک پہنچانے کی بھی توفیق پائی۔

۲:- اسی زمانہ کی بات ہے کہ ہندوستان کے ایک مسلم لیڈر فوت ہوگئے۔ جماعت کی طرف سے ان کے ورثاء کو تعزیت کا تار جانا تھا۔ میں نے فوراً ڈرافٹ بنایا اور اس میں Untimely Demise ۔(بے وقت موت) کے الفاظ لکھ دیئے۔ جب میں اسے صاحبزادہ صاحبؓ کے پاس درستی کیلئے لے گیا تو آپؓ نے Untimely Demise کے الفاظ کو اچھی طرح سے کاٹا اور فرمانے لگے کہ:'' ہر انسان کی موت کا وقت معین ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے۔ بعض اوقات وہ اپنے خاص الخاص بندوں کو بھی اس کا علم دے دیتا ہے۔ جب بھی کوئی انسان موت سے ہمکنار ہوتا ہے تو وہ اپنے مقررہ وقت پر ہی مرتا ہے۔ اس لئے کسی کی موت کو بے وقت کہنا درست نہیں۔''

(روزنامہ ''الفضل'' خاص نمبر 29/اکتوبر 1963ء صفحہ 40)

⌘ ❍ ❖ ❍ ⌘

یادداشتیں

(مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب کی یادداشتیں)

حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحبؓ

ہم بچپن سے ہی حضرت مولانا سیّد محمد سرور شاہؓ کو دیکھتے چلے آئے تھے۔ مولانا کے دیگر اوصاف کے علاوہ ان کی ایک وصف بہت ہی نمایاں تھی۔ وہ ہر کام میں انتہائی طور پر باقاعدہ تھے۔ ان کی مساجد میں حاضری کی باقاعدگی تو ضرب المثل تھی۔ مولانا مجلس کارپرداز مصالح قبرستان کے آنریری سیکرٹری تھے اس کام کے لئے اُنہوں نے ظہر کی نماز کے معاً بعد سے لیکر عصر کی نماز کا وقت مقرر کر رکھا تھا۔ اس وقت میں اتنی باقاعدگی کے ساتھ حاضری دیتے اور سارا کام سرانجام دیتے تھے کہ تنخواہ دار کارکن بھی اتنے باقاعدہ نہیں ہوتے۔ آپ کا یہ دستور تھا کہ ہر نماز جنازہ میں ضرور شرکت کرتے چاہے جنازہ بیرون قادیان سے آیا ہو یا قادیان کا ہو۔ حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی غیر حاضری میں نماز جنازہ بھی پڑھاتے اور پھر قبرستان تک میّت کے ساتھ ضرور جاتے۔ صاحب موصوف نے اپنے کھانے کے اوقات بھی مقرر کر رکھے تھے ان کے علاوہ بالکل نہ کھاتے میں نے ایک دو دعوتوں میں دیکھا کہ مولانا دعوت میں تو شریک ہیں لیکن کھانا نہیں کھاتے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ احباب کے زور دینے پر دعا کی غرض سے دعوت میں تو شریک ہو جاتے ہیں مگر اپنے مقررہ اوقات کے علاوہ کچھ نہیں کھاتے۔ مولانا گتکا اور لاٹھی چلانا خوب جانتے تھے۔

ایک دفعہ مدرسہ احمدیہ کے صحن میں کچھ ورزشی مقابلے ہوئے آپ نے بھی اس میں حصہ لیا اور نوجوانوں کو للکارا کہ دو تین آئیں اور ایک ساتھ لاٹھیوں سے مجھ پر حملہ کریں میں ہر ایک کا وار روکنے کے ساتھ ہی وار لوٹاتا جاؤں گا۔ پہلے تو ادب کے پیشِ نظر کوئی نوجوان سامنے نہ آیا لیکن آپ کے زور دینے پر ایک ساتھ تین نوجوانوں نے حملہ کیا اور مولوی صاحب نے نہایت مستعدی کے ساتھ انکے حملوں کو روکا اور اُن پر جوابی حملے کئے۔ آپ کا سارا جسم اس پھرتی اور تیزی سے کام کرتا تھا کہ معلوم ہوتا تھا مشین چل رہی ہے۔ مولانا لمبا عرصہ قادیان میں افسر مساجد رہے جب آپ کی عمر زیادہ ہوگئی تو حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ نے جو اُن دنوں ناظر تعلیم تھے مولانا عبدالرحمٰن صاحب کو آپ کا نائب مقرر کر دیا ۔آپ نے اس بات کو پسند نہ فرمایا اور فرمایا کہ مجھے بوڑھا کیوں سمجھا جاتا ہے میں خدا تعالیٰ کے فضل سے جوانوں سے زیادہ تکلیف برداشت کرسکتا ہوں۔

حضرت شاہ صاحب کے دل میں اپنے آقا کا اس قدر احترام تھا کہ مَیں نے بیسیوں مرتبہ آپ کو حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی مجالس میں دیکھا آپ کبھی حضورؓ کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھتے تھے۔ حضورؓ سے گفتگو کرتے وقت ہمیشہ نظر نیچی رکھتے ۔نماز عصر کے بعد حضورؓ عموماً مسجد میں تشریف فرما ہوتے تھے مولانا نماز میں ہمیشہ حضورؓ کے پیچھے کھڑے ہوتے تھے نماز کے اختتام پر جب حضورؓ مجلس میں بیٹھ جاتے تو حضرت مولانا حضورؓ کے سامنے ہوتے تھے لیکن نظریں نیچی رہتیں ۔حضورؓ سے گفتگو بھی اسی حال میں فرماتے ۔کبھی کبھی اگر کوئی مکھی آجاتی اور حضورؓ کی طرف بڑھنے لگی تو اپنے لمبے چوڑے رومال سے اُسے دور کر دیتے ۔لیکن نظر پھر بھی نیچی ہی رہتی ۔آپ اطاعت واحترام میں بطور نمونہ کے تھے۔

خاکسار راقم الحروف کو حضرت مولوی شیر علی رضی اللہ عنہ سے تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں دو سال یعنی اپریل 1922ء سے مارچ 1924ء تک نویں اور دسویں جماعت

میں انگریزی پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اُس وقت گو حضرت مولوی صاحب سکول کے ٹیچنگ سٹاف کے رکن تو نہ تھے تاہم بات یوں ہوئی کہ حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے ایک دفعہ یہ ہدایت فرمائی کہ تعلیم الاسلام ہائی سکول میں جہاں دینیات کی تعلیم معیاری درجہ پر ہے وہاں اس درسگاہ کے طلباء کی انگریزی بھی اعلیٰ درجہ کی ہونی چاہیئے ۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ حضرت مولوی شیر علی صاحب رضی اللہ عنہ اور حضرت مولوی محمد الدین نویں جماعت کو انگریزی پڑھائیں ۔ اور جب ایک سال کے بعد اس جماعت کے طلباء دسویں جماعت میں ترقی پا جائیں تو یہ ہر دو بزرگ دسویں جماعت کو انگریزی پڑھائیں ۔ حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ اور حضرت مولوی محمد الدین صاحب کے کام کی تقسیم یہ تھی کہ حضرت مولوی شیر علی صاحب گرائمر اور کمپوزیشن پڑھاتے اور حضرت مولوی محمد الدین صاحب

baqi......

حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ ہمیں پڑھانے کے لئے جس روز کلاس میں آئے تو پہلے لمبی دعا ہاتھ اُٹھا کر کی تمام طلباء لمبی دُعا میں شریک ہوئے ۔ دُعا کے بعد طلباء کو انگریزی زبان میں نصائح کیں ۔ ابھی آپ کی تقریر ختم نہ ہوئی تھی کہ وقت ختم ہوگیا ۔ دوسرے اور تیسرے روز بھی یہی عمل جاری رہا اور پھر چوتھے روز مختصر دُعا اور تقریر کے بعد با قاعدہ پڑھائی شروع کردی ۔

حضرت مولوی صاحب کا یہ طریق تھا کہ روزانہ جب کلاس میں تشریف لاتے تو پہلے دُعا کرواتے اس کے بعد انگریزی زبان میں ہی چند نصائح فرماتے آپ کی نصائح کا آخری فقرہ روزانہ ایک ہی ہوا کرتا تھا۔

Try your best and ....the react to God.

ہماری جماعت میں نصف کے قریب غیر مسلم طلباء تھے ۔ جن میں اکثریت سکھوں کی تھی ۔ چند دنوں کے بعد سے اُنہوں نے یہ طریق اختیار کر لیا تھا کہ دُعا کے وقت وہ دونوں ہاتھ

جوڑ کر سینے کے سامنے اُونچے کر کے اور آنکھیں بند کر کے خاموش ہو جاتے اور اپنے رنگ میں یہی دعا کرتے تھے۔

ایک خط کا جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی چوہدری صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۔ آپ کا خط ملا۔ آپ کی بھتیجی کا اصرار ہے کہ میں اس خط کا جواب آپ کو ضرور دوں۔ وہ کہتی ہیں کہ ہوسکتا ہے میرے چچا کو کوئی صراطِ مستقیم سے ہٹانے کے لئے غلط فہمی میں مبتلا کرنے کی کوشش کررہا ہو۔ اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضورؑ کے خلفاء کا عقیدہ جو اس بارہ میں ہے لکھوں اور پھر قرآن عظیم کا وہ فرمان بھی آپ کے سامنے رکھوں جس پر عمل کرکے آپ صحیح مسلک اختیار کرسکیں گے۔

۲۔ ایسا کرنے سے پہلے آپ سے میرے دو سوال ہیں؟

(۱) کیا آپ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو مسیح موعود اور مہدی معہود اور آپ کو اپنے تمام دعاوی میں صادق وراست باز یقین کرتے ہیں؟

(۲) کیا آپ جماعت احمدیہ میں نظام خلافت کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وصیّت کے عین مطابق اور برحق خیال کرتے ہیں اور اسے خلافت حقّہ کا درجہ دیتے ہیں؟

۳۔ اگر ان دونوں سوالات کا جواب ہاں میں ہو تو پھر میں آپ کے علم کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صرف چند حوالہ جات ذیل میں درج کرتا ہوں۔ اس سے آپ کا مسئلہ واضح طور پر حل ہو جائیگا اور آپ کو کسی نئی چیز کی تلاش باقی نہ رہے گی۔

۴۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ”لیکچر لاہور“ میں فرماتے ہیں:۔

(۱)”اسی قانون کے لحاظ سے خدا نے اپنے پاک نبیوں کی معرفت یہ خبر دی ہے کہ جب آدم کے وقت سے چھ ہزار برس قریب الاختتام ہو جائیں گے تو زمین پر بڑی تاریکی پھیل جائے گی اور گناہوں کا سیلاب بڑے زور سے بہنے لگے گا اور خدا کی محبت دلوں میں بہت کم اور کالعدم ہو جائے گی۔تب خدا محض آسمان سے بغیر زمینی اسباب کے آدم کی طرح اپنی طرف سے روحانی طور پر ایک شخص میں سچائی اور محبت اور معرفت کی روح پھونکے گا اور وہ مسیح بھی کہلائے گا کیونکہ خدا اپنے ہاتھ سے اس کی روح پر اپنی ذاتی محبت کا عطر ملے گا۔اور وہ وعدہ کا مسیح جس کو دوسرے لفظوں میں خدا کی کتابوں میں مسیح موعود بھی کہا گیا ہے شیطان کے مقابل پر کھڑا کیا جائے گا اور شیطانی لشکر اور مسیح میں یہ آخری جنگ ہوگا اور شیطان اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ اور تمام ذرّیت کے ساتھ اور تمام تدبیروں کے ساتھ اس دن اس روحانی جنگ کے لئے تیار ہو کر آئے گا۔اور دنیا میں شر اور خیر میں کبھی ایسی لڑائی نہیں ہوئی ہو گی جیسے کہ اس دن ہوگی کیونکہ اس دن شیطان کے مکائد اور شیطانی علوم انتہا تک پہنچ جائیں گے۔اور جن تمام طریقوں سے شیطان گمراہ کر سکتا ہے وہ تمام طریق اس دن مہیا ہو جائیں گے تب سخت لڑائی کے بعد جو ایک روحانی لڑائی ہے خدا کے مسیح کو فتح ہوگی اور شیطانی قوتیں ہلاک ہو جائیں گی اور ایک مدّت تک خدا کا جلال اور عظمت اور پاکیزگی اور توحید زمین پر پھیلتی جائے گی اور وہ مدّت پورا ہزار برس ہے جو ساتواں دن کہلاتا ہے۔بعد اس کے دنیا کا خاتمہ ہو جائیگا۔سو وہ مسیح میں ہوں۔اگر کوئی چاہے تو قبول کرلے“۔

(”لیکچر لاہور، روحانی خزائن جلد 20“صفحہ 32-33)

(۲)”قرآن شریف میں بلکہ اکثر پہلی کتابوں میں بھی یہ نوشتہ موجود ہے کہ وہ آخری مرسل جو آدم کی صورت پر آئے گا اور مسیح کے نام سے پُکارا جائے گا ضرور ہے کہ وہ چھٹے ہزار کے آخر میں پیدا ہو جیسا کہ آدم چھٹے دن کے آخر میں پیدا ہوا“۔

(لیکچر لاہور، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 39-40)

(۳)''اور پھر ساتواں ہزار خدا اور اس کے مسیح کا ایک اور خیر و برکت اور ایمان اور اصلاح اور تقویٰ اور توحید اور خداپرستی اور ہر ایک قسم کی نیکی اور ہدایت کا زمانہ ہے۔اب ہم ساتویں ہزار کے سر پر ہیں اس کے بعد کسی دوسرے مسیح کو قدم رکھنے کی جگہ نہیں''۔

(''لیکچر لاہور، روحانی خزائن جلد 20''صفحہ 40)

(۴)اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام ''لیکچر سیالکوٹ''میں فرماتے ہیں:

''پھر ہزار پنجم کا دور آیا جو ہدایت کا دور تھا یہ وہ ہزار ہے جس میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر توحید کو دوبارہ دنیا میں قائم کیا۔ پس آپ کے منجانب اللہ ہونے پر یہی ایک زبردست دلیل ہے کہ آپ کا ظہور اس ہزار کے اندر ہوا جو روز اوّل سے ہدایت کے لئے......تھا اور یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتا بلکہ خدا تعالیٰ کی تمام کتابوں سے یہی نکلتا ہے اور اسی دلیل سے میرا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا بھی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس تقسیم کی رُو سے ہزار ششم ضلالت کا ہزار ہے اور وہ ہزار ہجرت کی تیسری صدی کے بعد شروع ہوتا ہے اور چودھویں صدی کے سر تک ختم ہوتا ہے، اس ششم ہزار کے لوگوں کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیج اعوج رکھا ہے۔اور ساتواں ہزار ہدایت کا ہے جس میں ہم موجود ہیں۔ چونکہ یہ آخری ہزار اس لئے ضرور تھا کہ امام الزّمان اس کے سر پر پیدا ہو اور اس کے بعد کوئی امام نہیں۔اور نہ کوئی امام نہیں۔اور نہ کوئی مسیح مگر وہ جو اس کے لئے بطور ظّل کے ہو۔ کیونکہ اس ہزار میں اب دنیا کی عمر کا خاتمہ ہے جس پر تمام نبیوں نے شہادت دی ہے۔اور یہ امام جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے مسیح موعود کہلاتا ہے وہ مجدد صدی بھی ہے اور مجدد الف آخر بھی''۔

(لیکچر سیالکوٹ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 7)

''یہی آخری زمانہ اور دنیا کا آخری دور ہے جس کے سر پر مسیح موعود کا ظاہر ہونا کتب الٰہیہ سے ثابت ہوتا ہے''۔ (لیکچر سیالکوٹ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 12)

(۵)''اور وہ حضرت موسیٰ سے ٹھیک ٹھیک چودھویں صدی پر ظاہر ہوا تھا۔ اور اس پر سلسلۂ اسرائیلی نبوّت کا ختم ہوگیا تھا اور وہ اسرائیلی نبوّت کی آخری اینٹ تھی۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانہ میں مسیح ابن مریم کے رنگ اور صفت میں اس راقم کو مبعوث فرمایا''۔

(لیکچر سیالکوٹ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 13)

(۶)''اس آیت میں فقرہ **کَمَا استَخلَفَ الَّذِینَ مِن قَبلِھِم** قابل غور ہے۔ کیونکہ اس سے سمجھا جاتا ہے کہ محمدی خلافت کا سلسلہ موسوی خلافت کے سلسلہ سے مشابہ ہے اور چونکہ موسوی خلافت کا انجام ایسے نبی پر ہوا یعنی حضرت عیسیٰ پر جو حضرت موسیٰ سے چودھویں صدی کے سر پر آیا اور نیز کوئی جنگ اور جہاد نہیں کیا۔ اس لئے ضروری تھا کہ آخری خلیفہ سلسلہ محمدی کا بھی اسی شان کا ہو''۔

(لیکچر سیالکوٹ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ ۱۴-۱۵)

(۷)''پہلا مسیح یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ سے چودھویں صدی پر ظاہر ہوا تھا اور ایسا ہی آخری مسیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چودھویں صدی پر ظاہر ہو ا''۔

(لیکچر سیالکوٹ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 16)

(۸)''غرض موسوی اور محمدی مماثلت کو پورا کرنے کے لئے ایسے مسیح موعود کی ضرورت تھی جو ان تمام لوازم کے ساتھ ظاہر ہوتا جیسا کہ سلسلہ اسلامیہ مثیل موسیٰ سے

شروع ہوا۔ ایسا ہی وہ سلسلہ مثیل عیسیٰ پر ختم ہو جائے تا آخر کو اوّل سے مشابہت ہو‘‘۔

(لیکچر سیالکوٹ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 17)

(۹)’’خدا کا وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں اس کا بروز یعنی اوتار پیدا کرے۔ سو یہ وعدہ میرے ظہور سے پورا ہوا۔‘‘

(لیکچر سیالکوٹ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 34)

(۱۰)’’اس زمانہ میں خدا نے مجھے مامور فرمایا۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کی طبیعتیں نوح کی قوم سے ملتی ہیں۔ کئی سال گزرے کہ میرے لئے آسمان پر دو نشان ظاہر ہوئے تھے کہ جو خاندان نبوّت کی روایت سے ایک پیش گوئی تھی اور وہ یہ کہ جب امام الزّمان دنیا میں ظاہر ہوگا تو اس کے لئے دو نشان ظاہر ہونگے جو کبھی کسی کے لئے ظاہر نہیں ہوئے۔ یعنی یہ کہ آسمان پر رمضان کے مہینہ میں چاند گرہن ہوگا اور وہ گرہن چاند گرہن کی معمولی راتوں میں سے پہلی رات میں ہوگا اور ان دنوں میں رمضان میں ہی سورج گرہن بھی ہوگا۔ اور وہ سورج گرہن گرہن کے معمولی دنوں میں سے بیچ کے دن میں ہوگا۔ اور یہ پیش گوئی سنّیوں اور شیعوں میں متفق علیہ تھی۔ اور لکھا تھا کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے کبھی ایسا ظہور میں نہیں آیا کہ مدعی امّت موجود ہو اور اس کے عہد میں یہ دونوں واقعہ انہی تاریخوں میں ظہور پذیر ہوں۔ لیکن امام آخر الزّمان کے عہد میں ایسا ہی ہوگا۔‘‘

(لیکچر سیالکوٹ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 47-48)

۵۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خلافت احمدیہ کا زمانہ تا قیامت بیان فرماتے ہیں۔ فرمایا:۔

’’سوائے عزیزو۔ جب قدیم سے سنّت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے

۔تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلاوے۔سو اب ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سُنت کو ترک کر دیوے۔اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں۔کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا دیکھنا بھی ضروری ہے۔اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں۔لیکن میں جب جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی۔جیسا کہ خدا کا براہین احمدیہ میں وعدہ ہے اور وہ وعدہ میری ذات کی نسبت نہیں ہے بلکہ تمہاری نسبت وعدہ ہے۔جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ میں اس جماعت کو جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دوں گا۔ضرور ہے کہ تم پر میری جدائی کا دن آوے بعد اس کے وہ دن آوے جو دائمی وعدہ کا دن ہے۔“

(الوصیت، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 5-6)

۶۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

”کیا کسی نیک دل انسان کی ایسی رائے ہوسکتی ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت تو یہ اعتقاد رکھے کہ بلا شبہ ان کی شریعت کی برکت اور خالفت راشدہ کا زمانہ برابر چودہ سو برس تک رہا۔لیکن وہ نبی جو افضل الرسل اور خیر الانبیاء کہلاتا ہے اور جس کی شریعت کا دامن قیامت تک ممتد ہے اس کی برکات گویا اس زمانہ تک محدود ہیں ......اور مِنکُم کے لفظ سے یہ جتانا بھی منظور ہے کہ پہلے بھی وہی لوگ خلیفے مقرر کئے گئے تھے جو ایماندار اور نیکو کار تھے اور تم میں سے بھی ایماندار اور نیکو کار ہی مقرر کئے جائیں گے۔“

(شہادت القرآن روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 34)

۷۔حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلیفہ ثانی تھے فرماتے ہیں

سوال ہوا۔کیا خلیفہ کی موجودگی میں مجدّد آ سکتا ہے!حضور نے یہ جواب ارشاد فرمایا:۔

''خلیفہ تو خود مجدّد سے بڑا ہوتا ہے اور اس کا کام ہی احکام شریعت کو نافذ کرنا ہوتا ہے پھر اس کی موجودگی میں مجدّد کس طرح آ سکتا ہے؟ مجدّد تو اس وقت آیا کرتا ہے جب دین میں بگاڑ پیدا ہو جائے۔''

(الفضل قادیان 8/اپریل 1947ء)

۸۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

(۱)''اور منجملہ قویّہ قطعیہ کے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں جو مسیح موعود اسی اُمّتِ محمدّیہ میں سے ہوگا۔قرآن شریف کی یہ آیت ہے۔

''وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِيْ الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِن قَبْلِهِم.''

یعنی خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے جو ایماندار ہیں اور نیک کام کرتے ہیں یہ وعدہ فرمایا ہے جو ان کو زمین پر اُنہی خلیفوں کی مانند جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں خلیفے مقرر فرمائے گا۔اس آیت میں پہلے خلیفوں سے مراد حضرت موسیٰ کی اُمّت میں سے خلیفے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی شریعت کو قائم کرنے کے لئے پے در پے بھیجا تھا۔اور خاص کر کسی صدی کو ایسے خلیفوں سے جو دین موسوی کے مجدّد تھے خالی نہیں جانے دیا تھا اور قرآن شریف نے ایسے خلیفوں کا شمار کر کے ظاہر فرمایا ہے کہ وہ بارہ ہیں اور تیرھواں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو موسوی شریعت کا مسیح موعود ہے۔اور اس مماثلت کے لحاظ سے جو آیت ممدوحہ میں کَمَا کے لفظ سے مستنبط ہوتی ہے ضروری تھا کہ محمدی خلیفوں کو موسوی

خلیفوں سے مشابہت ومماثلت ہو۔سو اسی مشابہت کے ثابت اور متحقق کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں بارہ موسوی خلیفوں کا ذکر فرمایا جن میں سے ہر ایک حضرت موسیٰ کی قوم میں سے تھا اور تیرھواں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا جو موسیٰ کی قوم کا خاتم الانبیاء تھا۔مگر درحقیقت موسیٰ کی قوم میں سے نہیں تھا۔اور پھر خدا نے محمدی سلسلہ کے خلیفوں کو موسوی سلسلہ کے خلیفوں سے مشابہت دے کر صاف طور پر سمجھا دیا کہ اس سلسلہ کے آخر میں بھی ایک مسیح ہے اور درمیان میں بارہ خلیفے ہیں تا موسوی سلسلہ کے مقابل پر اس جگہ بھی چودہ کا وعدہ پورا ہو۔ایسا ہی سلسلہ محمدی خلافت کے مسیح موعود کو چودھویں صدی کے سر پر پیدا کیا۔کیونکہ موسوی سلسلہ کا مسیح موعود بھی ظاہر نہیں ہوا تھا جب تک کہ سن موسوی کے حساب سے چودھویں صدی نے ظہور نہیں کیا تھا۔ایسا کیا گیا تا دونوں مسیحوں کا مبدء سلسلہ سے فاصلہ باہم مشابہ ہو اور سلسلہ کے آخری خلیفہ مجدّد کو چودھویں صدی کے سر پر ظاہر کرنا تکمیل نور کی طرف اشارہ ہے۔کیونکہ مسیح موعود اسلام کے قمر کا متمم نور ہے اس لئے اس کی تجدید چاند کی چودھویں رات سے مشابہت رکھتی ہے اسی کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں کہ لیظھرہ علی الدین کلّہ کیونکہ اظہار تام اور اتمام نور ایک ہی چیز ہے۔''

(تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد 17 ایڈیشن اوّل صفحہ 123-124)

(۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسی کتاب میں فرماتے ہیں:۔

''پہلی دلیل اس بات پر کہ میں ہی مسیح موعود اور مہدی معہود ہوں یہ ہے کہ میرا یہ دعویٰ مہدی اور مسیح ہونے کا قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے یعنی قرآن شریف اپنے نصوص قطعیہ سے اس بات کو واجب کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقابل پر جو موسوی خلیفوں کے خاتم الانبیاء ہیں اس اُمّت میں سے بھی ایک آخری خلیفہ پیدا ہوگا تا کہ وہ اسی طرح محمدی سلسلۂ خلافت کا خاتم الاولیاء ہو۔اور مجدّدانہ حیثیت اور لوازم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مانند ہو اور اسی پر سلسلۂ خلافت محمدّیہ ختم ہو۔

جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام پر سلسلہ خلافت موسویہ ختم ہو گیا ہے۔

تفصیل اس دلیل کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مثیل ٹھہرایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو مسیح موعود تک سلسلہ خلافت ہے اس سلسلہ کو خلافت موسویہ کے مشابہ قرار دیا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ اِنّا اَرسَلنَا الیکم رَسُولاً شَاهِداً عَلَیکُم کما اَرسَلنَا اِلٰی فِرعُونَ رَسُولاً یعنی ہم نے یہ پیغمبر اُسی پیغمبر کی مانند تمہاری طرف بھیجا ہے کہ جو فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اور یہ اس بات کا گواہ ہے کہ تم کیسی ایک سرکش اور متکبر قوم ہو جیسے کہ فرعون متکبر اور سرکش تھا۔ یہ تو وہ آیت ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مماثلت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ثابت ہوتی ہے لیکن جس آیت سے دونوں سلسلوں یعنی خلافت موسویہ اور سلسلہ خلافت محمدیہ میں مماثلت ثابت ہے یعنی جس سے قطعی اور یقینی طور پر سمجھا جاتا ہے کہ سلسلۂ نبوّتِ محمدّیہ کے خلیفے سلسلۂ نبوّتِ موسویہ کے مشابہ و مماثل ہیں وہ یہ آیت ہے ”وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ آمَنُوا مِنکُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُم فِیْ الْأَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِن قَبْلِهِم۔“ یعنی خدا نے ان ایمانداروں سے جو نیک کام بجالاتے ہیں وعدہ کیا ہے جو اُن میں سے زمین پر خلیفے مقرر کرے گا اُنہی خلیفوں کی مانند جو اُن سے پہلے کئے گئے تھے۔ اب جب ہم مانند کے لفظ کو پیش نظر رکھ کر دیکھتے ہیں جو محمدی خلیفوں کی موسوی خلیفوں سے مماثلت واجب کرتا ہے تو ہمیں ماننا پڑتا ہے جو ان دونوں سلسلوں کے خلیفوں میں مماثلت ضروری ہے اور مماثلت کی پہلی بنیاد ڈالنے والا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے اور مماثلت کا آخری نمونہ ظاہر کرنے کا وہ مسیح خاتم الخلفاء محمدیہ ہے جو سلسلۂ خلافت محمدیہ کا سب سے آخری خلیفہ ہے۔ سب سے پہلا خلیفہ جو جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے وہ حضرت یوشع بن نون کے مقابل اور اُن کا مثیل ہے جس کو خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت کے لئے اختیار کیا۔ اور سب سے زیادہ فراست کی

روح اُس میں پھونکی یہاں تک کہ وہ مشکلات جو عقیدۂ باطلہ حیات مسیح کے مقابلہ میں خاتم الخلفاء کو پیش آنی چاہئیں تھیں ان تمام شبہات کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کمال صفائی سے حل کر دیا اور تمام صحابہ میں سے ایک بھی فرد ایسا نہ رہا جس کا گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی موت پر اعتقاد نہ ہو گیا ہو بلکہ تمام اُمور میں تمام صحابہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ایسی ہی اطاعت اختیار کر لی جیسا کہ حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل نے حضرت یشوع بن نون کی اطاعت کی تھی اور خدا بھی موسیٰ اور یشوع بن نون کے نمونہ پر جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور آپ کا حامی اور مؤید تھا ایسا ہی ابو بکر صدیق کا حامی اور مؤید ہو گیا۔ درحقیقت خدا نے یشوع بن نون کی طرح اس کو ایسا مبارک کیا جو کوئی دشمن اس کا مقابلہ نہ کر سکا۔''

(تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 183-184)

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

''چنانچہ جو شخص اس آیت مندرجہ ذیل کو غور سے پڑھے گا۔ وہ یقین کر لے گا کہ بلاشبہ اس ابتلاء کی خبر قرآن شریف میں پہلے سے دی گئی تھی۔ اور وہ خبر یہ ہے کہ:۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِیْ ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِیْ لا يُشْرِكُونَ بِیْ شَيْئاً وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُون .

یعنی خدا نے مومنو کو جو نیکو کار ہیں وعدہ دے رکھا ہے جو اُن کو خلیفے بنائے گا اُنہی خلیفوں کی مانند جو پہلے بنائے گئے تھے اور اُسی سلسلۂ خلافت کی مانند سلسلہ قائم کرے گا جو حضرت موسیٰ کے بعد قائم کیا تھا۔ اور اُن کے دین کو یعنی اسلام کو جس پر وہ

راضی ہوا زمین پر جمادے گا اور اُس کی جڑ لگا دے گا اور خوف کی حالت کو امن کی حالت کے ساتھ بدل دے گا وہ میری پرستش کریں گے۔کوئی دوسرا میرے ساتھ نہیں لائیں گے۔

دیکھو اس آیت میں صاف طور پر فرما دیا ہے کہ خوف کا زمانہ بھی آئے گا اور جاتا رہے گا مگر خدا اس خوف کے زمانہ کو پھر امن میں بدل دے گا۔سو یہی خوف یشوع بن نون کو بھی پیش آیا تھا اور جیسا کہ اس کو خدا کلام سے تسلّی دی گئی ایسا ہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی خدا کے کلام سے تسلّی دی گئی اور چونکہ ہر ایک سلسلہ میں خدا کا یہ قانون قدرت ہے کہ اس کا کمال تب ظاہر ہوتا ہے کہ جب آخر حصہ سلسلہ کا پہلے حصہ سے مشابہ ہو جائے۔اس لئے ضروری ہوا کہ موسوی اور محمدی سلسلہ کا پہلا خلیفہ موسوی اور محمدی سلسلہ کے آخری خلیفہ سے مشابہ ہو کیونکہ کمال ہر ایک چیز کی استدارت کو چاہتا ہے۔‘‘

(تحفہ گولڑویہ ایڈیشن اوّل صفحہ 60)

نیز حضور فرماتے ہیں:۔

’’اب ہم پھر اپنے اصل مدعا کی طرف رجوع کر کے لکھتے ہیں کہ ہمارے مذکورہ بالا بیان سے یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جو حضرت سیّدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے پہلے خلیفہ تھے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام سے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد اُن کے پہلے خلیفہ ہیں اشدّ مشابہت ہے۔تو پھر اس سے لازم آیا کہ جیسا کہ سلسلہ محمدیہ کی خلافت کا پہلا خلیفہ سلسلہ موسویہ کی خلافت کے پہلے خلیفہ سے مشابہت رکھتا ہے ایسا ہی سلسلہ محمدیہ کی خلافت کا آخری خلیفہ جو مسیح موعود سے موسوم ہے سلسلۂ موسویہ کے آخری خلیفہ سے جو حضرت عیسیٰ بن مریم سے مشابہت رکھے تا دونوں سلسلوں کی مشابہت

تامہ میں جو نص قرآنی سے ثابت ہوتی ہے کچھ نقص نہ رہے کیونکہ جب تک دونوں سلسلے یعنی سلسلۂ موسویہ وسلسلۂ محمدیہ اوّل سے آخر تک باہم مشابہت نہ دکھلائیں تب تک وہ مماثلت جو آیت کما استخلف الذین میں کما کے لفظ سے مستنبط ہوتی ہے ثابت نہیں ہوسکتی۔اور پھر چونکہ ہم ابھی حاشیہ میں اکمل اور اتم طور پر ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسیح موعود سے مشابہت رکھتے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت ابوبکر حضرت یوشع بن نون سے مشابہت رکھتے ہیں۔اور حضرت یوشع بن نون اس قاعدہ کی رُو سے جو دائرہ کا اوّل نقطہ دائرہ کے آخر نقطہ سے اتحاد رکھتا ہے۔جیسا کہ ابھی ہم نے حاشیہ میں لکھا ہے۔حضرت عیسیٰ بن مریم سے مشابہت رکھتے ہیں تو اس سلسلۂ مساوات سے لازم آیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسلام کے مسیح موعود سے جو شریعت اسلامیہ کا آخری خلیفہ ہے مشابہت رکھتے ہیں۔کیونکہ حضرت عیسیٰ حضرت یشوع بن نون سے مشابہ ہیں اور حضرت یشوع بن نون حضرت ابوبکر سے مشابہ ہیں اور پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت ابوبکر اسلام کے آخری خلیفہ یعنی مسیح موعود سے مشابہ ہیں تو اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ اسلام کے آخری خلیفہ سے جو جو مسیح موعود سے مشابہ ہیں۔''

(تحفہ گولڑویہ ایڈیشن اوّل صفحہ۲۲)

() حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ارشاد ہے:۔

''خلیفہ کے معنی جانشین کے ہیں جو تجدید دین کرے۔نبیوں کے زمانہ کے بعد جو تاریکی پھیل جاتی ہے اس کو دور کرنے کے واسطے جو اُن کی جگہ آتے ہیں اُن کو خلیفہ کہتے ہیں۔''

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 383)

() نیز حضور فرماتے ہیں:

''یہ بھی اہل سنّت میں متفق علیہ امر ہے کہ آخری مجدّد اس اُمّت کا مسیح موعود ہے جو آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ اب تنقیح طلب امر یہ ہے کہ یہ آخری زمانہ ہے یا نہیں۔ یہود و نصاریٰ دونوں قومیں اس پر اتفاق رکھتی ہیں کہ یہ آخری زمانہ ہے اور اگر چاہو تو پوچھ کر دیکھ لو۔ مَری پڑ رہی ہے زلزلے آ رہے ہیں۔ ہر ایک قسم کی خارق عادت تباہیاں شروع ہیں۔ پھر کیا یہ آخری زمانہ نہیں۔ اور علماء اسلام نے بھی اس زمانہ کو آخری زمانہ قرار دیا ہے اور چودھویں صدی میں سے تئیس سال گزر گئے ہیں۔ پس یہ قوی دلیل اس بات پر ہے کہ یہی مسیح موعود کے ظہور کا وقت ہے اور میں ہی وہ ایک شخص ہوں جس نے اس صدی کے شروع ہونے سے پہلے دعویٰ کیا اور میں ہی وہ ایک شخص ہوں جس کے دعویٰ پر پچیس برس گزر گئے اور اب تک زندہ موجود ہوں۔ اور میں ہی وہ ایک ہوں جس نے عیسائیوں اور دوسری قوموں کو خدا کے نشانوں کے ساتھ ملزم کیا۔ پس جب تک میرے اس دعویٰ کے مقابل پر اپنی صفات کے ساتھ کوئی دوسرا مدعی پیش نہ کیا جائے تب تک میرا یہ دعویٰ ثابت ہے کہ وہ مسیح موعود جو آخری زمانہ کا مجدّد ہے وہ میں ہی ہوں۔''

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 193-194)

() لیکچر لاہور، لیکچر سیالکوٹ، حقیقۃ الوحی، تحفہ گولڑویہ، الوصیّت، شہادت القرآن، ملفوظات، اور الفضل کے چند حوالے اوپر میں نے درج کر دیئے ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد حوالے اور بھی موجود ہیں۔ ان سے واضح طور پر ثابت ہے:

(ا) مسیح موعود امام الزّمان مہدیٔ معہود جس کے آخری زمانہ میں آنے کی بشارت آنحضرت ﷺ نے دی تھی وہ صرف حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں۔

(ب) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مجدّ دصدی بھی ہیں اور مجدّ دالف آخر بھی۔

(ج) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد ''قدرت ثانیہ'' یعنی خلافت حقّہ کا دور ''تا قیامت اور دائمی'' ہوگا۔

(د) تجدید کے لئے خلفاء اور نیکو کاروں کا قیامت تک ہونا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات سے واضح ہے۔

(ہ) خلیفہ خود تجدید کے لئے مقرر ہوتا ہے اس لئے اس کا مقام مجدّ د سے بڑا ہوتا ہے۔

(و) خلیفہ کی موجودگی میں مجدّ د نہیں آ سکتا۔ مجدّ د اور خلیفہ یعنی دو خلیفے بیک وقت نہیں مانے جا سکتے۔

(ـ) اب آپ یہ ارشاد خداوندی پڑھیئے اللہ تعالیٰ قرآن عظیم میں فرماتا ہے:۔

هُوَ الَّذِىَ أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِىْ قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاء الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاء تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلاَّ اللّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِىْ الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلاَّ أُوْلُواْ الألْبَابِ ○ رَبَّنَا لاَ تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّاب ○

(سورہ آل عمران آیت 8-9)

ترجمہ!۔ وہی ہے جس نے تجھ پر ایک کامل کتاب نازل کی ہے جس کی بعض آیتیں تو محکم آیتیں ہیں جو اس کتاب کی جڑ ہیں اور کچھ اور ہیں جو متشابہ ہیں پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ تو فتنہ کی غرض سے اور اس کتاب کو اس کی حقیقت سے پھیر دینے کے لئے اُن آیات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں جو اس کتاب میں متشابہ ہیں حالانکہ اس کی تاویل اور تفسیر کو سوائے اللہ کے اور علم میں کامل دستگاہ رکھنے والوں کے کہ جو کہتے ہیں کہ ہم اس کلام پر ایمان

رکھتے ہیں اور جو کہتے ہیں کہ یہ سب ہمارے ربّ کی طرف سے ہی ہے کوئی نہیں جانتا اور عقلمندوں کے سوا کوئی بھی نصیحت حاصل نہیں کرتا۔اے ہمارے ربّ تو ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو کج نہ کر اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت کے نشان عطاء کر یقیناً تو ہی بہت عطاء کرنے والا ہے۔

یاد رکھیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات اور ملفوظات میں مطابقت کرنا ضروری ہے۔آپ حضور کی تحریرات سے ان ڈائریوں کو تابع کر کے ان میں خود بھی مطابقت کی کوشش کریں تو نتیجہ ظاہر ہے کہ اب خلافت کی موجودگی میں الگ مجدّد نہ ہوگا۔یہ خط ختم کرنے سے پہلے آپ کو یہ بھی لکھ دوں کہ امام سیوطیؒ کا فرمان ہے:۔ **''وَبَعدَه لَم يَبقَ مِن مُجَدِّد''**

کہ امام مہدی اور مسیح موعود کے بعد کوئی مجدّد نہ ہوگا۔

(حجج الکرامہ صفحہ 138)

اور حدیث کی رو سے خلافت کا نظام بعثت ثانیہ میں نہ اُٹھایا جائے گا۔ (مشکوٰۃ صفحہ 461)

اور یہ حدیث بھی سُن لیں کہ:۔

''اِذَا بُويِعَ لِخَلِيفَتَينِ فَاقتُلُو الآخرَ مِنهُمَا.''

(مشکوٰۃ کتاب الامارات صفحہ 360)

اندریں حالات بیک وقت مجدّد اور خلیفہ دو خلیفے کیونکر مانے جائیں گے؟

پس ملفوظات کے مشاءٗالیہ حوالہ جات میں تجدید کے لئے خلفاء اور ایماندار نیکو کاروں کا قیامت تک ہونا بیان کیا گیا ہے۔وہی مجدّد ہیں۔

ان ارشادات کی روشنی میں اب میں آپ سے یہی کہوں گا کہ آپ محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کے پیچھے نہ پڑیں اور فی قُلُوبِھِم زَیغ'' کے زمرے سے بچیں اور خلافت حقّہ سے

اپنا رشتہ مضبوط کریں۔

والسلام

خاکسار

ربوہ۔(پاکستان)

11/ رمضان 1397ہجری

27/ ظہور 1356ہش

⌘ ❍ ❖ ❍ ⌘

صد سالہ احمدیہ جوبلی فنڈ کے شیریں ثمرات

اور ہماری ذمّہ داریاں

(تقریر بر موقعہ سالانہ اجتماع انصار اللہ مرکزیہ 1981ء مقرر مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب)

یہ وہ موضوع ہے جس پر اس وقت میں نے احباب کے سامنے کچھ بیان کرنا ہے۔ لیکن پیشتر اس کے کہ میں اس عظیم منصوبے (جو تمام بنی نوع انسان کو اُمّت واحدہ بنانے اور اکناف عالم میں غلبۂ اسلام کی مہم کو تیز سے تیز تر کرنے کی خاطر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے موعود نافلہ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب امام جماعت احمدیہ نے جماعت میں جاری فرمایا) کے شیریں ثمرات آپ کے سامنے پیش کروں اس منصوبے کا پس منظر اور اغراض و مقاصد مختصراً بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں جس سے آپ کو یہ اندازہ ہو جائیگا کہ اس منصوبہ کے اجراء کے بعد ہم پر کس قدر عظیم ذمّہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ پر مارچ 1882ء میں یہ امر غیبی بطور پیشگوئی ظاہر کیا گیا کہ آپ اس زمانہ میں اسلام کے غلبہ کے لئے مامور من اللہ ہیں۔ اس سلسلہ میں حضورؑ کو یہ الہام ہوا۔

یَااَحمَدُ بَارَکَ اللّٰهُ فِیکَ مَا رَمَیتَ اِذرَمّیتَ وَلٰکِنِ اللّٰهَ رَمٰی. اَلرَّحمٰنُ عَلَّمَ القُرآنُ. لِتُنذِرَ قَوماًمَّآاُنذِرَ اٰبَآؤُهُم.وَلِتَستَبِینَ سَبِیلُ المُجرِمِینَ. قُل اِنِّی

اُمِرتُ وَ اَنَا اَوَّ لُ المُؤمِنِین.

(براہین احمدیہ حصّہ سوم روحانی خزائن جلد اول صفحہ 338)

اس عربی الہام کا ترجمہ یہ ہے۔

اے احمد خدا نے تُجھ میں برکت رکھ دی ہے۔ جو کچھ تُو نے چلایا وہ تُو نے نہیں چلایا بلکہ میں نے چلایا خدا نے تجھے قرآن سیکھایا تا کہ تُو ان لوگوں کو ڈراوے جن کے باپ دادے ڈرائے نہیں گئے۔ اور تا کہ مجرموں کی راہ کُھل جائے۔ کہہ میں خدا کی طرف سے مامور ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔

(تذکرہ ایڈیشن 1949ء صفحہ 44-43)

1858ء میں آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی الہاماً بتایا گیا کہ آپ اس زمانہ کے مجدّد ہیں۔ حضور فرماتے ہیں:

''مصنف کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ مجدّدِ وقت ہے''

(اشتہار ضمیمہ سُرمہ چشم آریہ، روحانی خزائن جلد دوم)

ان الہامات اور بعض معتمدین کی درخواستوں کے باوجود آپ نے اُس وقت تک بیعت لینے کا سلسلہ شروع نہ کیا جب تک آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا حکم نہ ہو گیا۔ 23 مارچ 1889ء کو وہ مبارک دن تھا جس روز حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے لدھیانہ کے مقام پر پہلی بیعت لی۔ جو احباب جماعت احمدیہ میں بیعت اُولیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ اُس روز چالیس خوش قسمت مخلصین نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کرنے کا شرف پایا اور پھر یہ سلسلۂ بیعت چل پڑا۔ اس طرح بیعت اُولیٰ کے دن سے ہی جماعت احمدیہ کی بُنیاد قائم ہو گئی اور انشاء اللہ بفضلہٖ تعالیٰ 23 مارچ 1989ء کو جماعت احمدیہ کے قیام پر ایک صدی پوری ہو جائیگی۔

آنحضرت ﷺ نے اپنی اُمّت کو ایک بشارت دی تھی:

مَثَلُ اُمَّتِی کَمَثَلِ غَیثٍ لَا یَدرِی آخِرُہٗ خَیراً اَمْ اَوَّلَہٗ (مشکوٰۃ صفحہ 583)
کَیفَ تَھلِکُ اُمَّۃٌ اَنَا اَوَّلُھَاو عِیسَیٰ ابنُ مَریَمَ فِی آخِرُھَا.
(حجج الکرامہ صفحہ 423۔بحوالہ کنز العمال)

ترجمہ:۔''میری اُمّت کی مثال بارش کی طرح ہے نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا اوّل بہتر ہے یا آخر اور میری اُمّت کیونکر ہلاک ہوسکتی ہے جس کے شروع میں مَیں ہوں اور آخر میں مسیح موعود ہے''۔

آنحضرت ﷺ کی بشارت کے مطابق حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی جماعت کو غلبۂ اسلام کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

''خدا اپنے بزرگ نشانوں کے ساتھ اور اپنے نہائت پاک معارف کیساتھ اور نہائت قوی دلائل کے ساتھ دلوں کو اسلام کی طرف پھیر دے گا اور وہی منکر رہ جائیں گے جن کے دل مسخ شُدہ ہیں۔خدا ایک ہوا چلائے گا جس طرح موسم بہار کی ہوا چلتی ہے اور ایک روحانیت آسمان سے نازل ہوگی اور مختلف بلاد اور ممالک میں بہت جلد پھیل جائے گی اور جس طرح بجلی مشرق اور مغرب میں اپنی چمک ظاہر کردیتی ہے ایسا ہی اُس روحانیت کے ظہور کے وقت ہوگا۔تب جو نہیں دیکھتے تھے وہ دیکھیں گے۔جو نہیں سمجھتے تھے وہ سمجھیں گے اور امن اور سلامتی کے ساتھ راستی پھیل جائے گی۔یہی روح اور مغز ان پیشگوئیوں کا ہے جو مسیح موعود کے بارے میں ہیں''۔

(کتاب البرّیہ،روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 370)

جماعت کے 81ویں جلسہ سالانہ کے موقع پر حضرت حافظ مرزا ناصر احمد امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر فیصلہ فرمایا ہے کہ اسلام کی آخری جنگ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے عظیم روحانی فرزند کے ذریعہ جیتی جائے گی۔اسلام کا سورج تمام دُنیا کو

اپنی لپیٹ میں لے لے گا اور پھر ہر مُلک میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا بلند ہوگا دوسرے سب جھنڈے سرنگوں ہو جائیں گے۔ یہ جنگ شروع ہو چکی اس جنگ کو جیتنے کے لئے ہمیں کہا گیا ہے کہ تُم اپنی جانوں اور اپنے مالوں اور اپنی اولادوں کو غرض ہر اُس چیز کو جو تُمہاری طرف منسوب ہوتی ہے اور تُم اپنے آپ کو اس کا مالک سمجھتے ہو خدا کی راہ میں قربان کر دو تا کہ خدا کی توحید اور آنحضرت ﷺ کی عظمت انسانوں کے دل میں بیٹھ جائے''۔

(روزنامہ الفضل ربوہ یکم جنوری 1974ء)

اور پھر اسی جلسہ کے تیسرے روز کی اپنی اختتامی اور روح پرور تقریر میں ایک عظیم منصوبے کا اعلان فرمایا آپ کی یہ تقریر تاریخ احمدیت کا ایک زرّیں باب ہے فرمایا:۔

''حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی یہ خواہش تھی کہ جماعت صد سالہ جشن منائے یعنی وہ لوگ جن کو سوواں سال دیکھنا نصیب ہو وہ صد سالہ جشن منائیں اور میں اپنی بھی اس خواہش کا اظہار کرتا ہوں کہ صد سالہ جشن منایا جائے اس کے لئے میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی اور میں نے بڑی دعاؤں کے بعد اور بڑے غور کے بعد تاریخ احمدیت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اگلے چند سال جو صدی پورا ہونے سے قبل باقی رہ گئے ہیں وہ ہمارے لئے بڑی اہمیت کے مالک ہیں۔اس عرصہ میں ہماری طرف سے اس قدر کوشش اور اللہ کے حضور اس قدر دعائیں ہو جانی چاہئیں کہ اُس کی رحمتیں ہماری تدابیر کو کامیاب کرنے والی بن جائیں ۔اور پھر جب ہم یہ صدی ختم کریں اور صد سالہ جشن منائیں تو اُس وقت دُنیا کے حالات ایسے ہوں جیسا کہ ہماری خواہش ہے کہ ایک صدی گزرنے کے بعد ہونے چاہئیں اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء ہے کہ یہ جماعت اُس کے حضور قربانیاں پیش کر کے غلبہ اسلام کے ایسے سامان پیدا کر دے اُسی کے فضل اور اُسی کی دی ہوئی عقل اور فہم سے اور اُسی کے سمجھائے ہوئے منصوبوں کے نتیجہ میں اور دُنیا کے وہ لوگ بھی جنہیں اس وقت اسلام سے

دلچسپی نہیں ہے وہ بھی یہ سمجھنے لگیں کہ اب اسلام کے آخری اور کامل غلبہ میں کوئی شک باقی نہیں رہ گیا۔ یہ Supreme Effort یعنی انتہائی کوشش جو آج کا دن اور آج کا سال ہم سے مطالبہ کرتا ہے اس آخری کوشش کے لئے ہمیں کچھ سوچنا ہے اور پھر سب نے مل کر بہت کچھ کرنا ہے''۔

(غیر مطبوعہ)

پھر اس بات کی بھی آپ نے وضاحت کر دی کہ 1889ء ہمارے لئے بہت اہم سال ہے۔ بیشک ہم جشن منائیں گے لیکن دوسری صدی کے استقبال کے لئے تیاری کرنا بہت ضروری ہے جو منصوبہ آپ نے جماعت کے سامنے رکھا اُس کا نام ''صد سالہ احمدیہ جوبلی منصوبہ'' رکھا گیا۔ اس کا ماٹو دو الفاظ ہیں یعنی حمد اور عزم۔ اس میں دو اغراض پیش نظر رکھی گئی ہیں۔ فرمایا:۔

''ایک خدا تعالیٰ کی حمد کے ترانے گانے کے لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں سے ہمیں پوری صدی تک نوازتا چلا گیا ہم نے جشن منانا ہے۔ دوسرے ہم نے اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کے ساتھ سر جُھکاتے ہوئے اپنے اس عزم کا اعلان کرنا ہے کہ اے ہمارے ربّ ہم اپنی کمزوریوں کے باوجود تُجھ سے یہ عہد کرتے ہیں کہ جس طرح ہم نے تھوڑے ہوتے ہوئے پورے ایک سو سال تک تیری راہ میں قربانیاں دیں تاکہ تیرا دین غالب آئے اس کا ایک مرحلہ طے ہو گیا۔ اسلام کی جو آخری جنگ ہے اور ساری دُنیا پر اسلام نے قیامت تک کے لئے غالب آنا ہے اسے تاریخ کی ایک کتاب سمجھیں تو اس کا ایک باب اس صدی کے اختتام پر ختم ہوگا۔ اور پھر ایک دوسرا باب کُھلے گا اور ہم نے اپنے ربّ کے حضور اس موقع پر اس عزم کا اظہار کرنا ہے کہ پہلی صدی میں ہم نے بُنیادیں بنائیں کچھ عمارتیں بھی کھڑی کیں لیکن ابھی اسلام کی عمارت اتنی بُلند نہیں ہوئی اور نہ اس میں اتنی وسعت پیدا ہوئی ہے کہ اس میں ساری دُنیا سما سکے''۔

(غیر مطبوعہ)

اس عظیم منصوبے کی اغراض آپ نے بتائیں اُن کا ملّخص یہ ہے:

اوّل۔ اشاعت اسلام اور اصلاح وارشاد اور تعلیم وتربیت اور تبلیغ کے کام کو تیز کرنا۔ دُنیا کے مختلف ممالک میں مساجد کی تعمیر اور مشن ہاؤسز کی اور مراکز کا قیام۔

دوم۔ قرآن مجید معہ تراجم نوع انسانی کے کے ہاتھوں میں پہنچانا یعنی مختلف زبانوں میں ترجمہ کر کے

سوم۔ دُنیا کی ایک سو زبانوں میں اسلامی لٹریچر تیار کر کے اس کی اشاعت کا انتظام۔

چہارم۔ حضرت مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ السلام کا جو ایک بڑا کام بتایا گیا تھا کہ آپ نوع انسانی کو اُمّتِ واحدہ بنا دیں گے ایک کسرِ صلیب سے اور دوسرے ''مسلماں را مسلماں باز کردند'' سے، اس کے لئے ہر قسم کے ذرائع مہیا کرنا''۔

آپ نے فرمایا:

''جو اندرونی فتنے اور کمزوریاں اور خرابیاں تھیں اُن کو دُور کر کے سچّا اور پکّا اور دلیر اور قربانی دینے والا۔ عمل سے اپنے ایمان کو ثابت کرنے والا مسلمان بنانا تھا۔ تیسرے ساری دُنیا کو اور ساری نوع انسانی کو اُمّتِ واحدہ بنا دینا آپ کا اصل مقصد تھا۔ ساری ملّتیں مٹ جائیں گی سوائے ملّت اسلامیہ کے''۔

(غیر مطبوعہ)

ان چاروں اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے آپ نے اپنی جماعت کے سامنے ایک جامع پروگرام رکھا۔ یہاں پوری تفصیل بیان نہیں ہوسکتی تاہم اس اعلیٰ منصوبہ کے جو شیریں ثمرات ہمیں حاصل ہو چکے ہیں اُن سے اس عظیم منصوبے کے پروگرام کا کچھ اندازہ ہو جاتا ہے اور یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ وہ Supreme Effort یعنی انتہائی کوشش جس کا آپ نے اپنی تقریر میں ذکر فرمایا تھا وہ کیا ہے۔ یہ انتہائی کوشش انشاء اللہ جماعت احمدیہ کی

بُنیادوں کو مظبوط تر بنادے گی۔

شیریں ثمرات

اب میں وہ طیّب و شیریں ثمرات پیش کرتا ہوں جو اس مبارک منصوبہ کے تحت ہمیں حاصل ہو رہے ہیں۔ یورپ کے مُلک سویڈن کے مشہور شہر گوٹن برگ کے وسط میں ایک اُونچی پہاڑی پر مسجد کی تعمیر کے لئے قریباً سات ہزار مربع میٹر رقبہ خریدا گیا۔ اور وہاں کی حکومت سے تعمیر مسجد کی منظوری کے بعد حضرت حافظ مرزا ناصر احمد ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بنفس نفیس وہاں تشریف لے گئے اور 27 ستمبر 1975ء کو اپنے دست مبارک سے مسجد، مشن ہاؤس اور متعلقہ عمارات کا سنگ بُنیاد رکھا۔

پھر ایک سال کے قلیل عرصہ کے بعد ان عمارات کی تکمیل کے بعد 20 اگست 1976ء کو اس ''مسجد ناصر'' کا افتتاح جمعۃ المبارک کے خطبہ اور نماز سے فرمایا۔ جُمعہ کی اذان جو اس مُلک کی سب سے پہلے تعمیر ہونے والی مسجد سے بُلند ہوئی اسے ریڈیو پر نشر کیا گیا جسے اُس مُلک کے لاکھوں انسانوں نے سُنا۔ اس پر شاعر لاہور نے کیا خوب لکھا:

مبارک وہ جنہوں نے نعرہ ٔ اللہ اکبر سے
سکینڈے نیوین تہذیب کا ایواں ہلا ڈالا
سلام اُن پر جنہوں نے تج کے ہر آرام و آسائش کو
سویڈن میں محمد کے خدا کا گھر بنا ڈالا

2۔ اس کے ساتھ ہی دوسرا شیریں پھل بھی مسجد کے ساتھ ہی مل گیا اور کئی سعید روحوں کو حضور انور کے دست مبارک پر بیعت کر کے جماعت احمدیہ میں داخل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور وہاں ایک مضبوط جماعت قائم ہوگئی اور اب تک تو سینکڑوں یوگوسلاوین

اور سویڈش حق کو قبول کر چکے ہیں۔

3۔اس منصوبہ کا تیسرا پھل مرکز تثلیث لنڈن میں 31 مئی 1978ء تا 2 جون 1978ء بین الاقوامی ''کسر صلیب کانفرنس'' کے نہایت کامیاب انعقاد کی صورت میں ملا۔حضرت امام جماعت احمدیہ نے خود اس کانفرنس میں شرکت فرمائی اور تمام دُنیا کے عیسائیوں کو مذہب کے متعلق تبادلۂ خیال کی دعوت دی جس سے عیسائی دُنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا۔اور **جَـــآءَ الـحَـقُ وَ ذَهَـقَ البَـاطِل** کا نظّارہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔تمام دُنیا میں اسلام کی تعلیم اور عقائد کی وسیع پیمانہ پر تشہیر ہوئی۔صرف اخبارات و رسائل اور پریس کے ذریعہ (محتاط اندازے کے مطابق) چودہ کروڑ انسانوں تک اسلام کا پیغام پہنچ گیا۔اور تحقیق حق کا سلسلہ شروع گیا۔اگر ہم لاکھوں پاؤنڈ خرچ کر کے بھی اتنے وسیع پیمانہ پر اسلام کی تشہیر کرنا چاہتے تو یہ ممکن نہ ہوتا۔الحمدللہ۔

4۔چوتھا پھل یہ حاصل ہوا کہ محقّقین کی توجہ سرینگر (کشمیر) میں خود جا کر حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر کو دیکھنے کی طرف ہوئی۔ہماری ہندوستان کی جماعت نے اپنے صد سالہ جوبلی فنڈ سے ایک وسیع اور خوشنما مسجد اور مشن ہاؤس تعمیر کر دیا۔اب زائرین ہماری مسجد میں تحقیق حق کے لئے جاتے اور اسلام کے متعلق اور قبر مسیح کے متعلق لٹریچر حاصل کرتے ہیں۔

5۔اس منصوبے کا پانچواں شیریں ثمر وہ انمول لٹریچر ہے جو مختلف زبانوں میں اس منصوبہ کے تحت شائع کیا جارہا ہے۔حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی کُتب کے اقتباسات جو اسلام کے عقائد اور اس کی حقانیت پر مبنی ہیں ان کو بائیس عنوانات کے تحت یکجا کر کے دو ضخیم جلدوں شائع کیا گیا ہے۔اس کا نام Essence Of Islam رکھا گیا ہے۔انگریزی ترجمہ محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے کیا ہے۔اس کتاب کے مطالعہ سے حقیقی اسلام کی تصویر روز روشن کی طرح نظر آجاتی ہے اور کم علمی کی وجہ سے جن لوگوں کو اسلام کے متعلق شکوک ہیں وہ دُور ہو جاتے ہیں۔

حضرت بانی سلسلہ کی ایک اور تصنیف ''اسلامی اُصول کی فلاسفی'' کا مکمل ترجمہ جو محترم چوہدری صاحب نے ہی کیا ہے The Fhilosophy Of The Teachings Of Islam کے نام سے بہت کثرت سے شائع کی گئی ہے۔ اسی طرح حضرت مصلح موعودؓ کے تصنیف کردہ دیباچہ قرآن مجید کا فرانسیسی ترجمہ SAIN CORAN کے نام سے شائع کیا گیا۔ اور بھی کئی کُتب شائع ہو چکی ہیں ان میں حضرت بانی سلسلسہ کی کتاب مسیح ہندوستان میں کا ترجمہ Jesus In India کے نام سے بھی شامل ہے ۔ یہ لٹریچر جو جماعت احمدیہ انگلستان نے شائع کیا ہے دُنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچ کر مقبول ہو رہا ہے۔

6۔ چھٹا پاکیزہ ثمر مُلک ناروے کے دارالخلافہ Oslo میں مسجد اور مشن ہاؤس کی صورت میں ہمیں حاصل ہوا ہے۔ شہر کے بارونق اور صاف ستھرے حصّہ میں دو ہزار مربع میٹر زمین پر ایک سہ منزلہ عالیشان عمارت بارہ لاکھ کرونے (مُلکی سکّہ) میں خرید کی گئی اس پر مزید تین لاکھ کرونے خرچ کر کے اسے وسیع مسجد، میٹنگ ہال، لائبریری، مشن ہاؤس کے دفاتر اور مبلّغین کے لئے دو مکانات میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اس ساری عمارت میں تمام ماڈرن سہولتیں موجود ہیں ایک طرف شاہراہ اور دوسری طرف ذیلی سڑک موجود ہے۔ اس منصوبہ کے بانی حضرت حافظ مرزا ناصر احمد ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے مسجد کا نام ''مسجد نُور'' رکھا اور یکم اگست 1980ء کو خود جمعۃ المبارک کے خطبہ اور اور نماز میں پُر سوز دعاؤں کے ساتھ افتتاح فرمایا۔

یہاں ضمناً یہ بھی ذکر کر دینا غیر ضروری نہ ہوگا کہ عالمگیر جماعت احمدیہ دُنیا کے مختلف مما لک میں اس منصوبہ کے ماتحت جو کام کر رہی ہے اس کے لئے فنڈز متعلقہ مما لک کی جماعتہائے احمدیہ خود مہیا کرتی ہیں اور جہاں جماعتیں خود کفیل نہیں وہاں ایسے مما لک کے'' احمدیہ سینٹری فنڈ'' سے امداد دی جاتی ہے۔ جہاں سے قانون مُلکی کے تحت روپیہ باہر بھجوایا جا سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے انگلستان، امریکہ اور یورپ کے بعض مما لک میں ہماری

مضبوط جماعتیں قائم ہیں جو امداد کر سکتی ہیں وہ اس کار ثواب میں وافر حصّہ لے رہی ہیں۔

7۔ایک بے مثال نہایت طیّب وشیریں پھل جو اللہ تعالیٰ کے اُن فضلوں میں سے ہے جو جماعت احمدیہ پر ہیں ایک بڑا فضل ہے مسجد سپین ہے۔نو سال کی کوشش اور اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزانہ دعاؤں کے نتیجہ میں قُرطبہ سے 24 میل دُور شاہراہ پر ایک قطعہ زمین جو چودہ کنال پر مشتمل ہے مل گیا۔حکومت وقت نے اسے خریدنے اور اس پر مسجد خدائے واحد و یگانہ کا گھر تعمیر کرنے کی اجازت جماعت احمدیہ کو دیدی۔ یہ تاریخ ساز مسجد جو سپین میں مسلمانوں کے زوال کے 744 سال بعد اس مُلک میں تعمیر ہو رہی ہے اس کا سنگ بُنیاد حضور انور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز وہاں تشریف لے جا کر اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزانہ دعاؤں اور صدقات کے بعد 9/ اکتوبر 1980ء کو مختلف مما لک سے آئے ہوئے نمائندگان اور سپین کے باشندوں کی موجودگی میں ثبت فرمایا، یہ مسجد تقریباً مکمل ہو چکی ہے۔ Finishing کا معمولی کام باقی ہے۔انشاء اللہ العزیز اگلے سال حضور انور خود اس کا افتتاح فرمائیں گے۔ ذالک فضل اللہ۔ایں سعادت بزور بازو نیست۔

8۔ایک اور میٹھا پھل بلکہ کہنا چاہئیے پھلوں کا مجموعہ گزشتہ سال انگلستان میں حاصل ہوا۔ حضور انور نے اس منصوبے کے اجراء کے وقت 1973ء میں جو تفصیلی پروگرام جماعت کے سامنے رکھا تھا اُس کی شق اوّل میں حضور نے فرمایا تھا:۔

''انگلستان میں بڑی مضبوط جماعت قائم ہے لیکن کام کا پھیلاؤ زیادہ ہو گیا ہے اس لئے مزید پانچ مبلّغین اور تین سے پانچ تک مزید مراکز ضروری ہیں''۔

اس کی تعمیل میں پانچ نئے مراکز کے لئے بریڈ فورڈ، ہڈرز فورڈ، مانچسٹر، برمنگھم، اور ساؤتھ ہال میں مکان اور ہال خرید لئے گئے ہیں اور گزشتہ سال 1980ء میں حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اپنے دورہ کے دوران ان سب کا افتتاح بھی فرما دیا ہے۔ان مراکز کے اخراجات جماعت انگلستان نے ادا کئے ہیں لیکن یہ اُس عظیم منصوبہ کا حصّہ ہیں۔

9۔نواں پھل کینیڈا میں مشن ہاؤس کے قیام اور مسجد کے لئے زمین کی خرید کی صورت میں ہمیں حاصل ہوا۔حضور پُرنُور نے منصوبہ کے پروگرام میں فرمایا تھا:۔

''کینیڈا میں مرکز کھولنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہاں نہ تو کوئی مرکزی مسجد ہے اور نہ ہی مشن ہاؤس''

اللہ تعالیٰ کے فضل سے کیلگری میں مشن ہاؤس قائم ہو چُکا ہے۔ٹورنٹو میں بھی مشن ہاؤس خریدا گیا ہے۔گذشتہ سال حضورِانور اپنے دورہ میں دونوں جگہ تشریف لے گئے۔اللہ تعالیٰ نے اب معجزانہ رنگ میں ایک وسیع اور مضبوط مرکز کے سامان پیدا کر دیئے ہیں۔کیلگری میں مشن کے لئے جو سامان خریدا گیا وہ چار گُنا قیمت پر بیچ کر اس رقم کے بدلہ چالیس ایکڑ زمین پر پہلے سے بہت بڑا مکان خرید لیا ہے یہ بہت بڑا رقبہ ہے جس پر متعدد عمارتیں تعمیر ہو سکتی ہیں۔

10۔دسواں ثمر وہ عظیم تعلیمی سکیم ہے جو حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اس منصوبے کے ماتحت جاری فرمادی ہے۔حضور انور نے فرمایا تھا:۔

''کسی شخص کی تعلیمی بُنیاد جتنی مضبوط ہوگی اور علمی استعداد جتنی زیادہ وسیع ہوگی اتنا ہی زیادہ وہ قرآنی علوم کو سمجھنے اور اُن سے استفادہ کرنے کے قابل ہوگا''۔

اس سکیم کی تفصیلات میں جانے کا وقت نہیں لیکن اس کی کامیابی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ طالب علموں میں مسابقت کی روح پیدا کرنے کے لئے آپ نے پاکستان کی مختلف یونیورسٹیوں اور بورڈوں میں اوّل، دوم اور سوم آنے والے احمدی طالب علموں اور طالبات کے لئے سونے اور چاندی کے تمغہ جات کا جونہی اعلان فرمایا اُنہوں نے اس کے حصول کے لئے سرتوڑ کوشش شروع کر دی۔ابھی دو سال بھی گزرنے نہیں پائے کہ یہ انعامات حاصل کرنے والے خوش نصیبوں کی تعداد یہ ہے:۔

اوّل انعام (ایک تولہ خالص سونے کا تمغہ) 14 کس
دوم انعام (9ماشہ خالص سونے کا تمغہ) 9 کس
سوم انعام (چار تولہ خالص چاندی کا تمغہ) 5 کس

اس تعلیمی سکیم کا ایک حصّہ ادائیگی حقوق طلباء ہے۔حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا ارشاد ہے کہ جو بچّے Geneaus ہیں جماعت اُن کی ہر قسم کی مدد کرے گی۔اس غرض سے جماعت کے ہر بچّہ کو ایک نظام میں باندھا جا رہا ہے۔مستحقین کو اُن کی ضرورت کے مطابق وظائف دیئے جا رہے ہیں۔حفظان صحت کے تحت کھیلوں کے مقابلوں کا سلسلہ شروع کیا جا چُکا ہے۔

11۔گیارہوں ثمر یہ ہے کہ اس عظیم منصوبہ کے اس حصّہ کے ماتحت کہ ’’تمام بنی نوع انسانی کو اُمّتِ واحدہ بنایا جائے‘‘ اس کی ایک شق یہ بھی تھی ۔ بیرونی ممالک کے اصلی باشندوں میں سے جو احمدیوں کے وفود مرکز میں آتے ہیں اس سلسلہ کو مزید وسعت دی جائے یہ لوگ ایک خاص طرز رہائش کے عادی ہوتے ہیں ان کے مناسب حال گیسٹ ہاؤس تعمیر کئے جائیں۔1974ء میں جب بعض نادان لوگ احمدیوں کو مُلک سے مٹانے کے خواب دیکھ رہے تھے اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے امام ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو اطلاعاً فرمایا:

وَسِّعَ مَكَا نَكَ اِنا كَفَينكَ الْمُستَهزِئين

اس الہام کی تعمیل میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے نہائت قلیل عرصہ میں کئی گیسٹ ہاؤس تعمیر ہو گئے ہیں:

سرائے فضل عمر سرائے محبت نمبر1

سرائے محبت نمبر 2 سرائے انصار اللہ

سرائے خدمت (خدّام الاحمدیہ) سرائے لجنہ اماء اللہ

یہ عمارتیں صد سالہ جوبلی فنڈ منصوبہ کے تحت تعمیر ہوئی ہیں گو ان کے اخراجات تعمیر فضل عمر فاؤنڈیشن، صدر انجمن احمدیہ اور ذیلی انجمنوں نے برداشت کئے ہیں یہ گیسٹ ہاؤس جلسہ سالانہ کے مواقع پر اقوام عالم کے مختلف ممالک سے آئے ہوئے احمدی وفود کی رہائش کے لئے بہت کار آمد ثابت ہوتے ہیں ان میں وہ تمام سہولتیں موجود ہیں جن کے یہ عادی ہوتے ہیں۔ پاکستان، ہندوستان یا بنگلہ دیش سے آئے ہوئے مہمانوں کے لئے جو متعدد رہائش گاہیں تعمیر ہوئیں اور ہو رہی ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔

12۔ بارہواں پھل جو اُمّتِ واحدہ بنانے کی ایک اور کڑی۔ بیرونی ممالک کی جماعتوں کا رابطہ مرکز سے اور مرکز کا بیرونی ممالک کی جماعتوں سے رابطہ رکھنے کے لئے Talex کا انتظام۔ یہ کام شروع ہو چُکا ہے قریباً ایک درجن ممالک میں ٹیلکس کا انتظام ہو چُکا ہے۔ کتنی خوشی کی بات ہے کہ مرکز سلسلہ میں جلسہ ہو رہا ہوتا ہے اور دوسرے دن جاپان، امریکہ، انگلستان، جرمنی، ڈنمارک، سویڈن، مغربی افریقہ، مشرقی افریقہ وغیرھم ممالک کے دوستوں کو علم ہو جاتا ہے کہ جلسہ سالانہ میں کیا کیا تقاریر ہوئی ہیں۔ اسی طرح جلسہ سالانہ کے دیگر کوائف کا علم ہو جاتا ہے گویا ساری دُنیا میں جہاں جہاں ہماری مضبوط جماعتیں قائم ہو چکی ہیں اُن کا مرکز سے اور آپس میں فوری رابطہ پیدا ہو گیا ہے۔

13۔ اس سلسلہ میں تیرہواں ثمر جماعتی تقریبات اور تصاویر اور فلموں کا تبادلہ ہے۔ یہ سلسلہ بھی شروع ہو چُکا ہے۔ ''عالمی کسر صلیب کانفرنس'' اسی طرح حضور کے 1980ء کے دورہ یورپ و افریقہ کی فلمیں آپ احباب اور دوسرے ممالک کے دوست اپنے اپنے ہاں دیکھ کر کس قدر مسرّت محسوس کرتے ہیں۔ مغربی افریقہ کے احباب کی طرف سے والہانہ استقبال کے ایمان افروز نظّارے، خطبۂ جُمعہ اور نماز کے نظّارے یہاں دیکھ اور سُن کر کس

قدر خوشی ہوتی ہے۔اس سے جماعت کی ترقی اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ اکیلے تھے اور اب محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ ایک کروڑ ہو گئے ہیں۔

14۔ چودھواں پھل اس طرح حاصل ہوا کہ مختلف ممالک کے لاکھوں زائرین دوسرے ممالک کی سیاحت کے لئے آتے ہیں۔اسلام سے روشناس کرانے کے لئے اُن کے لئے مختلف زبانوں میں فولڈر تیار ہوں۔ جو زبان کوئی سمجھتا ہو اُسی زبان کا فولڈر اُسے دے دیا جائے۔اُن دنوں وہ فارغ بھی ہوتے ہیں اور جو چیز اُنہیں دی جائے اُسے وہ ضرور پڑھتے ہیں۔حضور انور کا اندازہ تھا کہ اس کے ذریعہ ہمارے اور یوروپیئین لوگوں کے درمیان جو حجاب ہے وہ دُور ہونا شروع ہو جائے گا اور وہ ہماری بات سُننے لگیں گے۔ یہ سلسلہ جاری ہو چُکا ہے اور خاطر خواہ نتائج پیدا ہو رہے ہیں۔

15۔ پندرھواں پھل یہ ہے کہ اس منصوبہ کا ایک پروگرام اٹلی اور جنوبی امریکہ میں تعمیر مساجد کا تھا۔گذشتہ سال مجلس خدّام الاحمدیہ نے اپنے سالانہ اجتماع کے موقع پر حضور انور کو پیشکش کی تھی کہ ان ممالک کی مساجد اور مشن ہاؤسز کو سب خرچ وہ پیش کریں گے چنانچہ مجلس کے نائب صدر صاحبزادہ مرزا فرید احمد صاحب نے یورپ، امریکہ، اور کینیڈا کا تفصیلی دورہ کر کے تین لاکھ پاؤنڈ کے برابر رقم وصول کر کے لنڈن میں جمع کروادی ہے۔ یہ رقم اُنہوں نے صرف خدّام الاحمدیہ کے اراکین سے ہی وصول کی ہے۔الحمدللہ۔

16۔اس عظیم منصوبہ میں جاپان میں مشن قائم کرنے کی بھی شق تھی۔احباب سُن چُکے ہیں کہ جاپان میں اس غرض سے مکان خرید کیا جا چُکا ہے اور کام شروع ہو چُکا ہے۔ Voice Of Islam کے نام سے احمدیہ مُسلم مشن کی طرف سے جو رسالہ انگریزی اور جاپانی زبان میں شائع ہوتا ہے اُس کا تازہ شمارہ کئی دوستوں نے دیکھا ہو گا اس میں شاندار Ahmadiyya Center کی تصویر دی گئی ہے۔

اور بھی کئی پھل تیار ہو رہے ہیں احباب انشاء اللہ العزیز خوشخبریاں سُنتے رہیں گے۔ان ترقیات اور افضال خداوندی کے پیش نظر ہماری ذمّہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ہمیں اپنے پیارے اور قابل صد احترام امام ایدہ اللہ الودود کا یہ فرمان ہر دم یاد رکھنا چاہیئے کہ اپنی مالی قربانیوں کو اُن کے کمال تک پہنچاؤ تا کہ اسلام ساری دُنیا میں غالب آ جائے اور تمام نوع انسانی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے جھنڈے تلے آ جائے اور سب دُنیا میں امن وامان قائم ہو اس کے لئے ہمیں صد سالہ احمدیہ جوبلی فنڈ کو مضبوط سے مضبوط تر بنانا چاہئیے کیونکہ ہر منصوبہ مالی قربانیوں کا بھی تقاضا کرتا ہے۔

ہمارا ایک اور نہائت ضروری فرض یہ ہے کہ حضور انور اس منصوبہ کی کامیابی کے لئے ایک روحانی پروگرام ہمیں دیا ہے جو بار بار بطور یاددہانی شائع ہوتا رہتا ہے اس سے کبھی غافل نہ ہوں۔اللہ تعالیٰ ہمیں ان ذمّہ داریوں کو کماحقہٗ پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین اللھم آمین۔وما توفیقنا اِلَّا باللہ۔

خاکسار طالب دُعا

ظہور احمد

نوٹ! یہ تقریر مجلس انصاراللہ مرکزیہ کے سالانہ اجتماع کے دوسرے روز 31/اکتوبر 1981ء کو پیش کی گئی۔

⌘ ❍ ❖ ❍ ⌘

قیام پاکستان

(از مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب)

مجھے ارشاد ہوا ہے کہ میں قیام پاکستان کے موضوع پر کچھ بیان کروں۔ یہ اتنا وسیع مضمون ہے کہ اس پر اس وقت تک بیسیوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور سینکڑوں مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ پھر آئے دن اخبارات میں آرٹیکل نکلتے رہتے ہیں۔ ابھی پاکستان میں آبادی خاصا حصہ ایسا موجود ہے جن کی آنکھوں کے سامنے پاکستان معرض وجود میں آیا۔ تاہم اس بات کی ضرورت ہے کہ ہمارے اُن نوجوانوں کو جن کی عمریں پاکستان کی عمر سے بھی چھوٹی ہیں اپنی ماضی کی تاریخ سے آگاہ رکھا جائے۔ پاکستان اس طرح معرض وجود میں نہیں آیا کہ رات تو ہم ہندوستانی سوئے ہوں اور صبح اُٹھے ہوں تو پاکستانی بن گئے ہوں بلکہ پاکستان کی عمارت مسلمانوں کے خون اور گوشت کے اُوپر استوار ہوئی ہے۔

(مسلمانان ہند کے امتحان کا وقت صفحہ 17 مطبوعہ 08/12/1927)

یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ 14/اگست 1947ء سے پہلے پاکستان اور ہندوستان ایک ہی بڑا ملک تھا۔ اور اس برّصغیر کو ہندوستان کے نام سے ہی موسوم کیا جاتا تھا۔ ہندوستان کی پچھلی تاریخ کو چھوڑتے ہوئے ہم اس وقت سے شروع کرتے ہیں جبکہ چند انگریز تاجروں کے بھیس میں اس سرزمین پر وارد ہوئے۔ اور اپنی ہوشیاری بلکہ عیّاری کی وجہ سے آہستہ آہستہ سارے کے سارے برّصغیر کے حاکم بن گئے اور پھر 1857ء کے غدّر کے بعد جسے اب ہم تحریک آزادی کے نام سے موسوم کرنے لگے ہیں حالانکہ اسے غدّر رکھنے

میں بھی کوئی شرم کی بات نہیں انگریز بلاشرکت غیرے ہندوستان کے بادشاہ بنے اوراس کے بعد نوّے سال تک خوب ٹھاٹھ اور طمطراق کے ساتھ اس ملک پر حکومت کرتے رہے۔

انیسویں صدی کے آخری حصہ میں ہندوستان کے بعض لوگوں میں یہ تحریک پیدا ہوئی کہ ہمیں اپنے ملکی حقوق کے حصول کے لئے ایک منظّم جماعت بنا کر جدّ وجہد کرنی چاہیئے ۔ چنانچہ 1886ء میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ بظاہر یہ جماعت ہندوستان میں بسنے والے تمام لوگوں کی نمائندہ جماعت تھی اور اس میں ہر مذہب وملّت کے لوگ شامل تھے اس کے باوجود یہ بھی حقیقت ہے کہ ہندو ایک مالدار قوم تھی اور وہ ہندوستان میں تھے بھی اکثریت میں اس لئے کانگریس دراصل ہندوؤں کے قبضہ میں ہی تھی۔لیکن ان تمام باتوں کے باوجود مسلمان کانگرسیوں میں بعض زیرک انسان ان خطرات کو بھانپ رہے تھے جو آگے چل کر مسلمانوں کو پیش آنے والے تھے۔ان میں سے کبھی کبھی کوئی اس خطرہ کی طرف اشارہ بھی کر دیتا تھا لیکن ایک کمزور کی آواز طاقتور کے معاملہ میں ہمیشہ دبا دی جایا کرتی ہے۔قائداعظم محمد علی جناح 1905ء میں کانگریس میں شامل ہوئے اوراس کے کاموں میں خوب دلچسپی لینے لگے اور پھر کانگریس کو اُس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک اُن کو یہ یقین نہیں ہو گیا کہ مسلمانوں کو کانگریس سے اُن کے جائز حقوق دلانے میں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

انگریز خوب جانتا تھا کہ 1857ء کے غدّر کے بانی اور محرّک مسلمان ہی تھے اس لئے اُس کی پالیسی یہ تھی کہ ہندوؤں کو اُبھارا جائے ۔مسلمان تو یہ بھی فیصلہ نہ کر سکے تھے کہ انگریزی تعلیم حلال ہے یا حرام لیکن ہندو مسلمانوں کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ رہے تھے۔سر سیّد مسلمانوں کو تعلیم حاصل کرنے کی تو ترغیب دے رہے تھے۔لیکن اُن کا خیال تھا کہ جب تک مسلمان اپنے پاؤں پر نہ کھڑے ہو جائیں وہ سیاسیات میں حصہ نہ لیں۔

1901ء میں چند مسلمانوں نے مسلمانوں کی ایک علیحدہ سیاسی تنظیم بنائی۔لیکن کانگریس

کے مقابلہ میں اُس انجمن کا پنپنا محال تھا۔ بہر حال کانگریس کے خلاف ناراضگی کی آواز تو اُٹھنی شروع ہوگئی۔ 1905ء میں بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا اعلان وائسرائے ہند لارڈ کرزن نے کر دیا۔ اور مشرقی بنگال جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی علیحدٰہ صوبہ بنا دیا گیا۔ ہندو اس تقسیم کے خلاف تھے۔ اُنہوں نے اتنا شور مچایا کہ حکومت کو یہ تقسیم منسوخ کرنا پڑی۔ اس پر دردمند مسلمانوں نے جن میں نواب صاحب ڈھاکہ پیش پیش تھے 1906ء میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی۔ جو مختلف ادوار سے گزرتی ہوئی آخر کار قیام پاکستان کا ذریعہ بنی۔

حکومت برطانیہ نے مرکزی اور صوبائی مجالس قانون ساز کی بنیاد تو غدّر سے چار سال بعد ہی رکھ دی تھی۔ لیکن اس کے اراکین نامزد ہوا کرتے تھے۔ 1907ء میں جب منٹو مارلے اصلاحات کا نفاذ ہوا تو ان میں چند منتخب ممبران کے لئے بھی گنجائش رکھ لی گئی۔ 1921ء میں مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات جاری ہوئیں۔ 1935ء میں انڈیا ایکٹ منظور ہوا جس میں منتخب نمائندوں کو وزارت بنانے کا حق دیا گیا تھا۔

ہندوستان کے باشندے بجا طور پر اُمید لگائے بیٹھے تھے کہ اُن کو جلد یا بدیر آزادی مل کر رہے گی۔ حکومت بھی اس کا اعلان کر چکی تھی۔ وزیر ہند، ہندوستان آئے اور 20/اگست 1917ء کو اُنہوں نے یہ اعلان کیا کہ حکومت کا منشاء یہ ہے کہ ہندوستانیوں کو نہ صرف یہ کہ انتظام حکومت میں شامل کرلے۔ بلکہ اس کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ ہندوستان کی حکومت ہندوستانیوں کے سپرد کلیۃً کر دی جائے۔ کیونکہ ہندوستانی بھی اور اقوام عالم کی طرح اس امر کے حقدار ہیں کہ ان کے ملک میں انہیں حکومت کا اختیار ہو۔ لیکن چونکہ وہ مختلف اقوام اور مذاہب میں تقسیم ہیں اور تعلیم میں بہت پیچھے ہیں۔ اس لئے خود انہیں پورے اختیارات نہیں دیئے جاسکتے۔

مسلمانوں کی بیداری کے ساتھ ہی ہندوؤں میں نیا جوش پیدا ہوا۔ انہوں نے شدھی کی

تحریک چلائی جس کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو شدھ کر کے ہندو بنا لیا جائے۔ کانگرسی اخبارات کے ایک دو اقتباس ملاحظہ ہوں۔ ایک اخبار نے لکھا:۔

''بلا شدھی ہندو مسلم ایکتا (اتحاد) نہیں ہوسکتی۔ جس وقت سب مسلمان شُدھ ہو کر ہندو ہو جائینگے۔ تو سب ہندو ہی ہندو نظر آئیں گے۔ پھر دنیا کی کوئی طاقت اس کو آزادی سے نہیں روک سکتی۔''

دوسرا اخبار لکھتا ہے:۔

''اگر اس چھری کو جو گئو کی گردن پر چل رہی ہے بند کرنا چاہتے ہو۔ تو اس کا علاج شُدھی ہے۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ اگر آپ ہمیشہ کے لئے کانٹے دار درخت کو مٹانا چاہتے ہیں تو اس کی جڑ نکال دو۔''

جماعت احمدیہ نے قیام پاکستان کے سلسلہ میں جو شاندار کردار ادا کیا ہے۔ اس کا بیان کرنا میرے موضوع سے باہر ہے۔ میں آپ کے سامنے وہ سارے سیاسی حالات بھی بیان نہیں کر رہا جو مختلف اوقات میں ظہور پذیر ہوتے رہے۔ لیکن بعض واقعات کا ذکر اس لئے ضروری ہے کہ آپ کو یہ علم ہو سکے کہ پاکستان کے خدّ و خال ایک عرصہ سے بننے شروع ہو چکے تھے۔

چیمسفورڈ ریفارم سکیم کا ذکر آ چکا ہے اس میں یہ بھی مذکور تھا کہ حالات کا جائزہ لینے اور یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ہندوستان مزید حقوق کے حاصل کرنے قابل ہو گیا ہے یا نہیں۔ ہر دس سال کے بعد ایک کمیشن آیا کرے گا۔ چنانچہ اس کے مطابق سر جان سائمن کی سرکردگی میں ایک کمیشن دسمبر 1927ء میں ہندوستان آیا۔ کانگریس کمیٹی نے اس کمیشن کا بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان کی اس میں یہ چال تھی کہ وہ لوگ جو کچھ کمیشن کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے۔ وہ اُن کے وفود جو انگلستان گاہے گاہے جاتے ہی رہتے تھے۔ حکومت کے ذمّہ دار لوگوں کے سامنے بار بار پیش کر چکے تھے۔ مسلمانوں کو یہ دقّت تھی کہ روپیہ نہ ہونے کی

وجہ سے وہ اپنا کوئی وفد انگلستان نہ بھجوا سکتے تھے۔اگر اب مسلمان کانگریس کی چال میں آجاتے تو اُن کے لئے اپنے مطالبات پیش کرنے کا موقع جاتا رہتا۔اس بارہ میں مسلمانوں میں اختلاف رائے تھا۔لیکن سر میاں محمد شفیع صاحب اور مولانا محمد علی صاحب جوہر اور سر محمد اقبال صاحب ایسے لیڈروں نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے بائیکاٹ کے فیصلہ سے بڑی جرأت سے انکار کیا۔حضورؓ نے مسلمانوں کو کمیشن کے سامنے جو مطالبات پیش کرنے کی تلقین کی تھی وہ دراصل پاکستان کے صحیح خدّوخال تھے۔حضورؓ نے ایک کتاب کے ذریعہ مسلمانوں کو تلقین فرمائی کہ وہ کمیشن کے سامنے یہ یہ مطالبات پیش کریں۔ان میں چوتھا اور پانچواں مطالبہ یہ ہے:۔

''چوتھے پنجاب اور بنگال اور جو آئندہ صوبے بنیں (صوبہ سرحد،صوبہ بلوچستان، اور صوبہ سندھ وغیرہ) جن میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہو۔ان میں مسلمانوں کو اس قدر حقوق دیئے جائیں کہ ان کی کثیر التعداد قلیل التعداد نہ ہو جائے۔اس وقت بنگال کے 56 فیصد مسلمانوں کو چالیس فیصدی حق ملا ہوا ہے اور پنجاب کے 55 فیصد کو قریباً 45 فیصد۔اس کا نتیجہ یہ ہے۔کہ مسلمان کسی صوبہ کو بھی اپنا نہیں کہہ سکتے۔اور آزاد ترقی کے لئے ان کے لئے کوئی راستہ بھی نہیں کھلا۔

پانچویں صوبہ سرحد اور بلوچستان میں اصلاحی طریق حکومت کے لئے کوشش ہونی چاہیئے۔اور سندھ کے متعلق یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ وہ بمبئی سے الگ کیا جا کر ایک مستقل صوبہ قرار دیا جائے۔''

(مسلمانان ہند کے امتحان کا وقت صفحہ 17 مطبوعہ 08/12/1927)

گویا حضرت مصلح موعود کے مطالبات کا خلاصہ یہ تھا کہ صوبہ پنجاب اور صوبہ بنگال کے علاوہ سندھ کا علیحدٰہ صوبہ بنایا جائے۔اور صوبہ سرحد اور بلوچستان کو دوسرے صوبوں کے برابر حقوق دیئے جائیں۔اور ان پانچ صوبوں میں مسلمانوں کی بالا دستی کو تسلیم کیا جائے۔

اب ہر شخص بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ آپ نے صرف اور صرف موجودہ پاکستان کے خدوخال ہی اس وقت پیش فرمائے تھے۔اس کا نام آپ پاکستان رکھیں یا کچھ اور بہر حال یہ مطالبہ پاکستان ہی ہے۔ یہ مطالبات مسلمانوں کی طرف سے بطریق احسن پیش کر دیئے گئے۔

ان ایّام میں کانگریس کے سرکردہ لیڈروں کے کیا خیالات تھے۔اس کے معلوم کرنے کے لئے پنڈت موتی لال نہرو کی کانپور کی ایک تقریر کے الفاظ کافی ہیں۔ پنڈت جی نے فرمایا:۔

''یہ ایجی ٹیشن بالکل بے بنیاد ہے کہ میں ہندو نہیں۔ میں ایسا ہی ہندو ہوں جیسے خود پنڈت مالوی ہیں میں ایک قدم آگے بڑھ کر کہتا ہوں۔ کہ خود کانگریس ہندو جماعت ہے۔ اس میں 1920-21ء تھوڑے مسلمان شامل ہو گئے تھے۔ ورنہ وہ ابتداء ہی سے ہندو جماعت ہے۔''

(شیر پنجاب لاہور 19/09/1926)

مَیں نے ابھی 1926ء اور 1927ء کے واقعات بیان کئے ہیں۔یہی وہ زمانہ تھا جبکہ پاکستان یا مسلمانوں کا علیحدٰہ ملک بنانے کی ضرورت کو خود کانگریس اور ہندو قوم نے بہت اہم بنا دیا تھا۔اور اُن کی طرف سے کچھ اس قسم کے اعلان ہو رہے تھے:۔

''ہندوستان کی ہر ایک مسجد پر ویدک دھرم یا آریہ سماج کا جھنڈا بلند کیا جائیگا۔''

(گورو گھنٹال 10/01/1927)

دوسرے اخبار نے لکھا:۔

''یہ ملک آریوں کا ہے گو آج ہم غیروں کے ماتحت ہیں۔مگر کسی کے دن یکساں نہیں رہتے وقت آئے گا کہ جب یہاں پھر سے آریوں کا راج ہو گا ...... ہندوستان میں آریہ سوارا جیہ کا جھنڈا کوہ ہمالیہ کی سب سے بڑی چوٹی پر لہراتا ایک دنیا دیکھے گی۔''

(آریہ ویر 25/01/1927)

قیام پاکستان کے سلسلہ میں نہرو رپورٹ کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔اس رپورٹ کی شان نزول یہ ہے کہ جب کانگریس نے سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کا اعلان کیا تو گوکمیشن نے اپنی تحقیقات کا سلسلہ اس بائیکاٹ کے اعلان کے باوجود شروع کردیا تھا۔تاہم وزیر ہند مسٹر بروکن ہیڈ نے ایک بیان میں ذکر کیا کہ ہندوستان میں رہنے والے لوگ کوئی متحدہ دستور اساسی نہیں بنا سکتے اگر وہ کمیشن کا بائیکاٹ کرتے ہیں تو سب متحد ہوکر ہندوستان کے لئے دستور کا مسوّدہ تیار کرکے ہمیں پیش کردیں۔

اس کے جواب میں کانگریس نے ایک آل پارٹیز کانفرنس بمبئی میں 19 مئی 1928ء کو بلائی اور دستور مرتب کرنے کے لئے دس افراد پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کی جس میں آٹھ غیر مسلم اور دو مسلم ممبر تھے۔یعنی سرعلی امام اور مسٹر شعیب۔ان میں سے اوّل الذکر بوجہ بیماری صرف ایک اجلاس میں شریک ہوئے اور مسٹر شعیب شریک تو ہوتے رہے لیکن وہ رپورٹ کو مایوس کن دیکھ کر اس پر دستخط کرنے پر رضا مند نہ ہوئے۔ یہ رپورٹ صرف ہندوؤں کی نیابت کرتی تھی ۔اور اس میں ان طے شدہ اُمور کو بھی شامل نہیں کیا گیا تھا جن کا وعدہ کانگریس لیگ سے کرچکی تھی۔

نہرو رپورٹ کے شائع ہونے کے بعد جہاں افضل حق،حبیب الرحمٰن لدھیانوی،عطاء اللہ شاہ بخاری،ابوالکلام آزاد اور مولانا ظفرعلی خان اس کی تائید میں جگہ جگہ دورے کررہے تھے وہاں سرمحمد شفیع مولانا محمد علی جوہر،سرمحمد اقبال،اور مولانا شوکت علی اس کے مخالفین میں سے تھے لیکن وہ اپنے اختلاف کی تائید میں سوائے مایوسی کا اظہار کرنے کے کچھ نہ کر سکے۔اس نازک وقت پر حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اس رپورٹ پر ایک نہایت مفصل اور مدلل تبصرہ فرمایا اور ثابت کیا نہرو کمیٹی ہندوستان کے باشندوں کی ہرگز نمائندہ نہیں ۔اور اس میں مسلمانوں کے اصولی مطالبات کو واضح الفاظ میں بیان کیا۔اور نظریہ

پاکستان کو یعنی یہ کہ مسلم اکثریت والے پانچوں صوبوں میں مسلمانوں کو بالا دستی حاصل ہونی چاہیئے ۔ بڑے زور دار اور غیر مبہم الفاظ میں پیش کیا ۔ اور شفیع لیگ کے جناح لیگ کے مطالبات کی بھی وضاحت فرمائی اور دلائل و براہین قاطعہ سے ثابت کر دیا کہ اس رپورٹ میں مسلمانوں کو مزید حقوق دینے کا تو خیال بھی نہیں کیا جا سکتا جو حقوق اُن کو مل چکے ہیں اُن کو بھی غصب کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ یہ تبصرہ انگریزی اور اُردو دونوں زبانوں میں شائع ہوا ۔ اور تبصرہ کے آخر میں مسلمانوں کو آئندہ اُن کے طریق عمل کی طرف بھی راہنمائی کر دی ۔

نتیجہ یہ ہوا اس تبصرہ کی وسیع پیمانہ پر اشاعت کے نتیجہ میں مسلمان ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے جگہ جگہ تبصرہ کی تائید میں عظیم الشان جلسے ہوئے ۔ آخر گاندھی جی کو ماننا پڑا :۔

''ہم یہ کبھی فراموش نہیں کر سکتے کہ نہرو رپورٹ کو ردّی کے کاغذ کے برابر بھی وقعت نہیں دی گئی ۔''

(سیاست 31/07/1929)

قائداعظم کافی عرصہ رپورٹ کے منظور کئے جانے کے حق میں تھے ۔ صرف کچھ ترمیمات چاہتے تھے کانگریس نے وہ بھی منظور نہ کیں ۔ آخر جناح صاحب کی مسلم لیگ نے بھی دوسری پارٹیوں کی طرح اسے ردّ کر دیا ۔

دسمبر 1930ء میں مسلم لیگ کا ایک اجلاس الہ آباد میں ہوا سر محمد اقبال نے اپنے خطبہ صدارت میں کہا :

''جہاں تک میں نے مسلم افکار کا مطالعہ کیا ہے میں اس بناء پر بلا تامل اعلان کرتا ہوں کہ یہ اصول فرقہ داری کے مستقل فیصلہ کی اساس قرار دیا جائے کہ ہندی مسلمانوں کو پورا پورا حق ہے کہ وہ اپنے علاقوں میں اپنی ثقافت و روایات کو برقرار رکھتے ہوئے پورے طور پر آزاد ترقی کرنے کا مستحق ہے تو مسلمان ہندوستان کی آزادی کی خاطر اپنی عزیز ترین متاع

بھی قربان کرنے کے لئے تیار ہے۔''

جب مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ جب تک وہ ایک علیحدہ قوم کی حیثیت سے اپنا وجود نہ منوا لیں گے وہ خودمختار اور مستقل قوم نہیں کہلا سکتے ۔ 12 مارچ 1940ء کو لاہور کے مقام پر مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا اس میں جو قرارداد منظور ہوئی۔ اور جس کی کئی شقیں تھیں اسے ہی قرارداد پاکستان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

1945ء میں ملک میں انتخابات ہوئے مرکز میں مسلم لیگ نے سو فیصدی مسلم نشستیں حاصل کر لیں گویا یہ ساری قوم کا فیصلہ تھا کہ پاکستان بننا چاہیئے ۔صوبہ جات میں مسلم لیگ کو شاندار کامیابی ہوئی۔ درمیانی باتوں کو چھوڑتے ہوئے اب ہم پاکستان کے قیام کے آخری مرحلے پر پہنچتے ہیں۔ جب جون 1947ء میں وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اس بات کا اعلان کر دیا کہ مسلم لیگ کے تمام قائدین تقسیم ملک کے حق میں ہیں۔ اور کانگریس وحدت ہند کے اُصول پر زیادہ دباؤ نہیں چاہتی ۔اس طرح مسلم اکثریت والے علاقوں کو حد بندی کے ذریعہ علیحدٰہ کر دیا جائے گا۔ غرض تقسیم ہوئی غلط یا صحیح بہر حال پاکستان دنیا کے نقشے پر ایک علیحدہ مملکت کی حیثیت سے نمودار ہو گیا۔ اور آج 14/اگست کو ہم اس کی یاد منا رہے ہیں۔

مَیں نے شروع میں ذکر کیا ہے کہ پاکستان مسلمانوں کو بڑی قربانیوں کے بعد ملا ہے۔ انہیں اس کے حصول کے لئے جان مال اور عزت کی قربانیاں دینی پڑیں۔ اُن دنوں کس صورتحال کا سامنا تھا اُس کی ایک جھلک آپ کو دکھانا چاہتا ہوں ۔3/اکتوبر 1947ء کو پولیس اور ریاستی فوج کی بہت بڑی جمیعت نے ہر قسم کے اسلحہ سے لیس ہو کر قادیان پر بھرپور حملہ کیا۔ سوائے گولیوں اور بموں کی آواز کے کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ مسجد اقصیٰ کے پیچھے غیر احمدی مسلمانوں کا ایک محلّہ تھا وہ لوگ پناہ کے لئے مسجد اقصیٰ کی طرف بھاگے۔ خدّام الاحمدیہ اُن دنوں اپنے محترم صدر کی رہنمائی میں حفاظت کا شاندار کام کر رہی تھی۔ خاکسار

بھی مجلس مرکزیہ کا رکن اور مہتمم تھا۔خدّام اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر غیر احمدی مستورات کو مسجد اقصیٰ کے عقب کے مکانوں میں جمع کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

ہمارے ایک خادم نے اس جگہ شہادت کا درجہ پایا بعض خدّام دوسری جگہ بھی شہید اور زخمی ہوئے۔اب ان کو مسجد اقصیٰ میں پہنچانے کا مشکل مرحلہ آیا سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ جو اُس وقت مجلس خدّام الاحمدیہ کے صدر تھے اس Operation کی خود کمان کر رہے تھے۔مسجد اقصیٰ کی گلی کو تختے رکھ کر ایک پُل سا بنایا گیا۔اُس کے اُوپر سے مستورات کا لانا بڑا مشکل کام تھا لیکن گولیوں کی بارش میں یہ کام جاری تھا۔ابھی چالیس پچاس عورتوں کو محفوظ جگہ لانے میں ہم کامیاب ہوئے تھے کہ مَیں نے دیکھا کہ ایک سکھ کانسٹیبل نے ایک قریبی مکان کی چھت پر سے حضورؒ کی طرف بندوق کی ہے اور نشانہ بنانا چاہتا تھا۔شور کی وجہ سے میری آواز نہ پہنچ سکتی تھی۔مَیں نے بھاگ کر حضورؒ کو بڑے زور سے دھکا دیا حضورؒ لڑکھڑاتے ہوئے آگے نکل گئے اور ساتھ ہی میں بھی اُن پر گرا۔عین اُس وقت اُس سکھ کی گولی اُس جگہ دیوار میں آ کر لگی جہاں چند سیکنڈ پہلے حضورؒ کھڑے خدّام کو ہدایات دے رہے تھے۔یہ بیسیوں واقعات میں سے ایک واقعہ ہے جو مَیں نے بیان کیا۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاکستان کو ہمیشہ اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے محفوظ رکھے۔آمین۔

⌘ ❍ ❖ ❍ ⌘

جماعت احمدیہ کا نیا مرکز……ربوہ

(نوٹ: یہ مضمون مکرم چوہدری صاحب نے 1952ء میں تحریر کیا تھا اور اخبار بدر قادیان 21 جون 1952ء میں شائع ہوا، مرتب)

قیام ربوہ کی غرض سے سب سے پہلا سفر ستمبر 1948ء میں اس بے آب و گیاہ علاقہ میں کیا گیا مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب اس سفر کی مختصر روداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''دعاؤں کے بعد ہم 19 ستمبر 1948ء کو پانچ بجے شام کراؤن بس کی ایک گاڑی پر روانہ ہوئے شیخوپورہ کی سڑک برسات کی وجہ سے خراب ہوچکی تھی اس لئے لائل پور کے راستہ سے ہم رات گیارہ بجے چنیوٹ پہنچے۔ رات سڑک پر گزاری اور صبح ایک چھکڑے پر سامان لاد کر کچھ پیدل اور کچھ ایک ٹانگہ میں بیٹھ کر ساڑھے آٹھ بجے اس خطہ زمین پر پہنچے جسے بہت جلد بڑا اعزاز حاصل ہونے والا تھا۔''

(تاریخ احمدیت جلد 12) اخبار بدر (قادیان) 21 جون 1952/ء ص 1)

(از مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب معاون ناظر بیت المال ربوہ)

ربوہ کی ابتدائی تاریخ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی غرض یہ تھی کہ آپ دُنیا میں اللہ تعالیٰ کے نام کو بُلند کریں اور آنحضرت ﷺ جو پیغام لائے تھے اور جسے دُنیا نے بُھلا دیا تھا اُسے پھر سے اکناف عالم میں پھیلائیں۔ حضورؑ کے وصال کے بعد بھی جماعت احمدیہ کے مرکز قادیان سے یہ کام جاری تھا کہ خدائی نوشتوں کے ماتحت ہمیں ہجرت کرنا پڑی۔ پاکستان

پہنچتے ہی سیّدنا حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو پہلے سے زیادہ زور کے ساتھ اس کام کو جاری رکھنے کی فکر پیدا ہوئی اور حضور نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اس عظیم الشان کام کو جاری رکھنے کے لئے ہمیں پاکستان میں ایک نئے مرکز کی ضرورت ہے جس میں رہ کر ہم اس کام کو سرانجام دے سکیں جہاں صحیح اسلامی تعلیم کے ماتحت مبلّغین اسلام تیار کئے جائیں جن کو دُنیا کے کونے کونے میں پھیلا دیا جائے اور بیرونی ممالک سے جو نومسلمین دینی تعلیم کی غرض سے اس مُلک میں آئیں مرکز سلسلہ میں اُن کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جائے تا وہ صحیح اسلامی ماحول میں رہ کر حقیقی اسلام سے واقف ہوں۔ اس غرض سے ایک خطّہ زمین کی ضرورت تھی۔ بڑی تلاش کے بعد چناب کے پار لائلپور اور سرگودھا کے عین وسط میں ہر دو شہروں سے اٹھائیس اٹھائیس میل کے فاصلہ پر 1034 ایکڑ زمین کا ایک غیر آباد بنجر قطعہ جو صدیوں سے بیکار پڑا تھا جسے حکومت بھی آبادی اور زراعت کے ناقابل قرار دے چکی تھی دیکھا گیا۔ یہ قطعہ زمین قریباً دو اڑھائی (ڈھائی) میل کی لمبائی میں ہے جس پر جابجا خشک پہاڑی ٹیلے ہیں۔ لائلپور سے سرگودھا جانیوالی ریل اور موٹر کی سڑکیں اس زمین میں سے گزرتی ہیں۔ درخت اور جھاڑی کا تو کیا ذکر یہاں کبھی گھاس بھی پیدا نہ ہوئی تھی اور پانی کا تو یہ حال تھا کہ معزّزین سے راقم الحروف نے خود سُنا ہے کہ یہاں ایک کروڑ پتی ہندو بہادر چند نامی نے کوشش کی کہ اس بیکار زمین میں اگر پانی کا انتظام ہو جائے تو اسے قابل زراعت بنا کر فائدہ اُٹھایا جائے۔ اس کام پر اُس نے ہزار ہا روپیہ خرچ کیا لیکن کامیابی کی کوئی کرن نظر نہ آئی، آخر اس صدمہ کی وجہ سے اُس کے دل کی حرکت بند ہوگئی اور مر گیا۔

الغرض یہ زمین کسی لحاظ سے آبادی کے لئے موزوں نظر نہ آتی تھی۔ تاہم چونکہ مرکز کا جلدی بننا ضروری تھا اس لئے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ارشاد پر صدر انجمن احمدیہ نے حکومت سے یہ زمین خرید لی۔ تھل میں اکابرین پنجاب نے جس نرخ پر اس وقت زمین خریدی تھی جبکہ تھل کا منصوبہ تیار ہو چُکا تھا اس سے کئی گُنا زیادہ قیمت جماعت

احمدیہ کو اس بے آب وگیاہ خطّہ کو خریدنے کے لئے دینا پڑی۔

ربوہ کا افتتاح

زمین کی خرید کے بعد 19 ستمبر 1948ء کو سیّدنا المصلح الموعود ایدہ الودود نے اس بننے والے شہر کا نام ربوہ تجویز فرماتے ہوئے صدر انجمن احمدیہ پاکستان کو حکم دیا کہ کارکنان کی ایک پارٹی وہاں مستقل رہائش کے لئے بھجوادی جائے۔ پھر آہستہ آہستہ تمام دفاتر جو لاہور میں تھے جلد وہاں منتقل کرنے کی کوشش کی جائے۔ حضور نے یہ بھی ارشاد فرمایا 30 ستمبر 1948ء بروز دوشنبہ حضور خود اس مقام پر جا کر دعا فرمائیں گے تا کہ اس طرح سے مرکز کا افتتاح دعاؤں کے ساتھ کر دیا جائے۔ صدر انجمن احمدیہ کے 29 کارکنان کا ایک قافلہ تیار کیا گیا خاکسار راقم الحروف بھی اس قافلہ کا ایک فرد تھا۔ خاکسار کو دورانِ سفر میں اس کا انچارج مقرر کیا گیا تھا۔ مکرم مولوی تاج دین صاحب قاضی سلسلہ، مکرم چوہدری عزیز احمد صاحب محاسب صدر انجمن احمدیہ، صوفی محمد رفیق صاحب واقف زندگی، چوہدری عبدالرحیم صاحب ہیڈ کلرک وکالتِ مال اور دوسرے دوست اس قافلہ میں تھے۔ اس قافلہ کی مکمل فہرست انشاء اللہ شائع کر دی جائے گی۔ دعاؤں کے بعد ہم 19 ستمبر 1948ء کو شام پانچ بجے کراؤن بس کی ایک گاڑی پر روانہ ہوئے۔ شیخوپورہ کی سڑک برسات کی وجہ سے خراب ہو چکی تھی اس لئے لائل پور کے راستہ سے ہم رات کے گیارہ بجے چنیوٹ پہنچے۔ رات سڑک پر گزاری اور صبح ایک چھکڑے پر سامان لاد کر کچھ پیدل اور کچھ تانگی میں بیٹھ کر ساڑھے آٹھ بجے اس خطّہ زمین پر پہنچے جسے بہت جلد بڑا اعزاز حاصل ہونے والا تھا۔

یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ ہمارے قافلہ کے روانہ ہونے سے چند گھنٹے قبل مکرم عبدالسلام صاحب اختر ایم اے، مولوی محمد صدیق صاحب خیمہ جات اور سائبان لے کر

روانہ ہو چُکے تھے اور وہ رات کو ہی وہاں ہم سے پہلے پہنچ چُکے تھے ۔صبح ہم سب نے مل کر سائبان لگائے ۔ جہاں حضور نے آ کر نماز پڑھانی تھی کچھ خیمے بھی رہائش کے لئے نصب کئے گئے ۔

حضور 20 ستمبر 1948ء کو صبح لاہور سے روانہ ہو کر ایک بج کر تیس منٹ پر ربوہ تشریف لائے ۔حضور کے ہمراہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے اور بعض دوسرے بزرگان سلسلہ بھی لاہور سے آئے تھے ۔قریب کی جماعتوں سرگودھا، لائل پور، چنیوٹ، احمد نگر کو بھی قبل از وقت حضور کی آمد کی اطلاع ہو چکی تھی چنانچہ حضور نے پہلے وضو فرمایا اور ایک بجکر تیس منٹ پر نماز شروع ہوئی ۔اس نماز میں 250 کے قریب احباب شریک ہوئے ۔ چند ایک احمدی مستورات بھی پہنچی ہوئی تھیں اُن کے لئے قریب ہی پردہ کا انتظام کر دیا گیا ۔نماز کے بعد حاضر دوستوں کی فہرست تیار کی گئی ۔پھر حضور نے ایک درد بھری اور مؤثر تقریر فرمائی تمام حاضرین چشم پُر آب دعاؤں میں مشغول تھے ۔ یہ تقریر مولوی محمد یعقوب صاحب نے جو حضور کے ساتھ لاہور سے تشریف لائے تھے قلمبند کی تھی ۔تقریر کے بعد حضور نے لمبی تقریر فرمائی ۔ پھر برکت کے خیال سے پانچ بکرے ذبح کئے گئے ۔ چاروں بکرے چار کونوں میں اور ایک وسط میں جو حضور نے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کیا ۔اس قربانی کے بعد حضور نے عصر کی نماز پڑھائی ۔ دوپہر کا کھانا کھایا اور حضور واپس تشریف لے گئے ۔عصر کے وقت دوستوں کی تعداد پانچ سو کے قریب تھی ۔

یہ چند سطور بطور تعارف میں نے اس لئے تحریر کر دی ہیں تا کہ ہندوستان کے احباب جنہوں نے یہ نظارہ نہیں دیکھا یا اب تک ربوہ نہیں آ سکے اُن کے ذہن میں ربوہ کی ابتدائی تاریخ کا خاکہ آ جائے ۔ ہمارے سلسلہ کے اہل قلم بزرگ جب ربوہ کی تاریخ لکھیں گے تو اس میں تمام حالات تفصیل سے آ ہی جائیں گے ۔

(ہفت روزہ بدر قادیان 21 جون 1952ء صفحہ نمبر 1)

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ

(تاثرات مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب)

مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب ابن حضرت منشی امام الدین صاحب پٹواری سابق آڈیٹر و ناظر دیوان جنہیں سالہال پہلے قادیان اور پھر ربوہ میں حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف کے ساتھ کام کرنے کی سعادت حاصل ہوئی نے اپنے ذاتی مشاہدات و واقعات تحریر کئے ہیں جس میں بعض تاثرات پیش ہیں:

صائب الرائے

حضرت صاحبزاہ مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ عنہ کے ساتھ نظارت خاص، نظارت تعلیم و تربیت اور ریکروٹمنٹ کے سلسلہ میں کئی سال تک کام کرنے کا موقع خاکسار راقم الحروف کو ملا ہے۔ اس عرصہ میں حضرت صاحبزادہ صاحب نے 11/15 اور 8/15 پنجاب رجمنٹس کی بھرتی کے سلسلہ میں اضلاع گورداسپور، سیالکوٹ، گجرات، لائلپور، سرگودھا، شیخوپورہ اور گوجرانوالہ کے متعدد سفر بھی کئے خاکسار کو ان سفروں میں حضرت صاحبزادہ کے ساتھ رات دن رہنے کا فخر حاصل ہوا۔

میں نے ہمیشہ دیکھا کہ حضرت صاحبزادہ صاحب کی رائے ہر معاملہ میں نہایت صائب ہوتی تھی۔ طبیعت میں تکلف بالکل نہ تھا۔ وہ حاجتمندوں اور مسکینوں کے سچے ہمدرد تھے۔ اپنے ماتحتوں کے حقوق کا پورے طور پر خیال رکھتے اور پھر ان کی درخواست کے بغیر بھی

انہیں ان کے حقوق دلاتے۔ جو بھی بڑا کام درپیش ہوتا۔ اصل مقصد کے حصول کے لئے پہلے منصوبہ بناتے (Planning) کرتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ان کے ماتحت کام کرنے والوں کو کبھی کوئی دقت پیش نہ آتی۔ اور اگر کوئی دقت پیش آ جاتی تو آپ تمام پہلوؤں پر غور کر کے ایسا حل بتاتے کہ بظاہر ناممکن کام آسان سے آسان تر ہوتا جاتا تھا۔ غلطیوں پر بالعموم چشم پوشی کرتے۔ لیکن جہاں سلسلہ کے وقار کا سوال آ جاتا وہاں مضبوطی سے گرفت کرتے۔

میں ذیل میں چند واقعات درج کرتا ہوں جن سے آپ کے ان اوصاف کا پتہ چل جاتا ہے۔ میں صرف وہی واقعات لکھے ہیں۔ جو میرے سامنے پیش آئے۔ اس لئے ان میں میرا اپنا ذکر ناگزیر تھا۔

(1)

ریکروٹمنٹ (Recruitment) (یعنی گشت کر کے فوج میں بھرتی کیلئے جوانوں کا اندراج کرنا) کے سلسلہ میں ہمارا دفتر خرچ کرتا رہتا تھا۔ اور جب گورنمنٹ کی طرف سے اخراجات کے بلوں کی رقم ملتی تو پیشگی واپس کر لی جاتی۔ ایک دفعہ گورنمنٹ کی طرف سے 622 روپے کی رقم آئی۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے متعلقہ کارکن کو فرمایا کہ پوسٹمین سے رقم وصول کر کے آمد میں ڈال لی جائے تا کہ پیشگی کی واپس ہو سکے۔ کلرک متعلقہ نے رقم وصول کر کے بجائے آمد میں اندراج کرنے کے اس کا خرچ میں اندراج کر لیا اور اس طرح آپ کے ذمہ 1244 روپے پیشگی بن گئی۔ کئی ماہ گزر گئے۔ جس کے بعد کلرک متعلقہ نے آپ سے اس رقم سمیت پیشگی کی ساری رقم وصول کر لیں۔ آپ نے رقم تو ادا کر دی لیکن مجھے فرمانے لگے کہ اس کلرک کا حساب درست معلوم نہیں ہوتا۔ میرے ذمہ اتنی رقم بنتی نہ

چاہئے تھی۔ میں نے حسابات کی پڑتال کی 622 روپے کی رقم میری موجودگی میں آئی تھی۔ اور مجھے یہ واقعہ اچھی طرح یاد تھا۔کلرک متعلقہ نے بھی فوراً اپنی غلطی تسلیم کر لی لیکن کہا کہ میں اپنی پنشن کی رقم اور اپنی دوسری ذاتی رقوم بھی سیف میں رکھ لیا کرتا تھا اور ساتھ ساتھ خرچ بھی کرتا رہتا تھا۔اسی وجہ سے مجھے اس غلطی کا احساس نہ ہوا۔اور پھر قسم کھا کر کہا کہ میں نے جان بوجھ کر یہ کارروائی نہیں کی۔ میں نے حضرت صاحبزادہ صاحب سے سارا واقعہ عرض کر دیا۔اس وقت آپ نے مجھے کوئی جواب نہ دیا۔

دوسرے دن تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ تم اسے کیسا شخص خیال کرتے ہو۔ میں نے عرض کیا اس وقت تک تو میں ان کو بزرگ اور اچھا آدمی ہی خیال کرتا تھا۔لیکن اس غلطی سے ہر شخص کو شبہ ہوگا۔ کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اتنی بڑی رقم کا پتہ ہی نہ چلے فرمانے لگے یہ کیش چیک نہیں کرتا رہا اور ذاتی خرچ اور آمد بھی اس میں ڈالتا رہا ہے۔اس لئے خرچ کرتے چلا گیا اور پتہ نہ چلا اب چاہے یہ غلطی بھی ہو اور اس نے بدیانتی نہ بھی کی ہو تو بھی قابل مواخذہ ہے۔تاہم چونکہ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے اس لئے میں اسے معاف کرتا ہوں لیکن آئندہ اسے صدر انجمن کا حساب کبھی رکھنے نہ دیا جائے۔ یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جبکہ حضرت صاحبزادہ صاحب بیدیسر کی حالت نہ تھی۔

ابھی تک پیسوں والا فرشتہ نہیں پہنچا

(2) چونکہ ایک مرحوم دوست کے توکل علی اللہ کا اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے اس لئے ان کا نام لکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ شیخ محمود احمد صاحب عرفانیؓ اپنے والد مرحوم حضرت شیخ یعقوب علی صاحب رضی اللہ عنہ کی طرح بڑے متوکل انسان تھے۔ایک دن میں اپنے مکان واقعہ دارالرحمت قادیان سے شہر کی طرف آ رہا تھا۔الحکم سٹریٹ میں مَیں نے شیخ محمود

احمد صاحب کو دیکھا کہ اپنے مکان کے سامنے کھڑے ہیں۔ میرے بے تکلف دوست تھے۔ میں نے دریافت کیا۔ میاں کیوں کھڑے ہیں۔ فرمانے لگے صبح سے تین دفعہ خادمہ آ گئی ہے کہ آج گھر میں نہ آٹا ہے نہ پیسہ۔ میں اسے یہ جواب دیتا رہا ہوں کہ ابھی انتظام ہو جائے گا۔ لیکن ابھی تک پیسیوں والا فرشتہ نہیں پہنچا۔ اسی کے استقبال کے لئے نکلا ہوں۔ عین اس وقت حضرت صاحبزادہ صاحب بائیسکل پر سوار شہر سے باہر جاتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے ہماری گفتگو نہ سنی تھی۔ ہمارے پاس پہنچ کر بائیسکل سے خود ہی اتر پڑے اور السلام علیکم کے بعد شیخ صاحب سے فرمانے لگے کہ شیخ صاحب آپ اخبار تو بھجواتے ہیں مگر قیمت نہیں مانگتے۔ شیخ صاحب نے جواب دیا کہ میں آپ سے قیمت لے کر اخبار نہیں دے سکتا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے جیب میں سے بٹوا نکالا اور مجھے دے دیا اور فرمایا دیکھو اس میں کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ایک نوٹ (بڑا نوٹ تھا) اور چند آنے ہیں۔ فرمانے لگے آنے تو میرے رہے اور نوٹ شیخ صاحب کا اور مسکرا کر فرمانے لگے کہ شیخ صاحب اسے قیمت نہ سمجھئے۔

دیانتداری کی قدر

(3) ایک نوجوان آیا جسے نہ میں پہلے سے جانتا تھا۔ اور نہ ہی حضرت میاں صاحب جانتے تھے۔ اس نے آ کر عرض کی کہ مجھے باہر کسی شہر میں معقول ملازمت مل گئی ہے لیکن نہ میرے پاس وہاں پہنچنے کے لئے کرایہ ہے اور نہ ہی ایک ماہ کا خرچ کیونکہ مجھے ایک ماہ کے بعد تنخواہ ملے گی اس لئے مجھے پچاس روپے قرض دلائے جائیں۔ میں انشاءاللہ پہلی تنخواہ پر ہی آپ کو بذریعہ منی آرڈر یہ رقم بھجوادوں گا۔ آپ نے روپے دلا دیئے۔ کئی ماہ کے بعد اس کا منی آرڈر آیا فرمانے لگے بڑا دیانتدار آدمی ہے۔ قرض واپس کر دیا ہے کسی

مجبوری کی وجہ سے بروقت واپس نہ کر سکا ہوگا۔

بارش کے بعد محلوں کا دورہ

(4) پہلے قادیان کے بیرونی محلّہ جات کی آبادی بکھری ہوئی تھی۔ جب شدید قسم کی آندھی چلتی اور پھر بارش بھی ساتھ ہوتی تو کئی مکانوں کی پردہ کی دیواریں گر جاتی۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کا دستور تھا کہ بارش کے ختم ہوتے ہی یا بعض اوقات بارش میں بھی بارانی کوٹ پہن کر (دھوپ یا بارش میں چھتری استعمال نہ کیا کرتے تھے) بعض اوقات ننگے پاؤں۔ اور پھر آخری سالوں میں جب صحت خراب رہنے لگی تو ''گم بوٹ'' جو گھٹنوں تک ہوتے ہیں پہن کر باہر نکل پڑتے۔ یعنی نوجوان محبت اور عقیدت کی وجہ سے ساتھ ہو جاتے۔ آپ تمام محلّہ جات کا دورہ کرتے جن لوگوں کو مکانوں کو نقصان پہنچا ہوتا ان سے ہمدردی کا اظہار کرتے اور آئندہ کے لئے نہایت مفید ہدایات دیتے اور بعض ناداروں کی خفیہ مدد بھی کر دیتے۔

غریب پروری

(5) ایک دفعہ قادیان میں خوب بارش ہوئی۔ جب آپ اپنے دستور کے مطابق دورہ کر کے دفتر پہنچے تو مجھے فرمایا کہ ہمارا مددگار کارکن آج نظر نہیں آتا۔ میں نے عرض کی حضرت اس بیچارہ کا مکان بالکل گر گیا ہے۔ اس لئے میں نے اسے واپس بھجوا دیا تھا۔ فرمانے لگے اسے بلاؤ۔ وہ آیا تو فرمایا سنا ہے تمہارا مکان گر گیا ہے۔ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ فرمانے لگے پھر بنا لو مگر اس دفعہ تعمیر میں یہ یہ احتیاط کرنا۔ اس نے عرض کی حضرت اتنے روپے خرچ ہوں گے کہ میں دو سال میں بھی جمع نہیں کر سکتا۔ دفتر میں اپنے

کمرہ میں تشریف لے گئے اور مجھے بلا کر فرمایا اسے اتنی رقم دے دو تا کہ مکان مکمل کر سکے۔

نظام سلسلہ کا مفاد

(6) جہاں نظام اور مفاد سلسلہ کا تعلق ہوتا وہاں بالکل نرمی نہ برتتے تھے۔ ایک درسگاہ میں کسی کے داخلہ کا سوال تھا۔ ایک بہت بڑے عالم اور قابل احترام بزرگ اس میں دلچسپی لے رہے تھے۔ حضرت میاں صاحب ان کا بہت ہی احترام کرتے تھے لیکن سلسلہ کا مفاد اس میں تھا کہ جسے وہ داخل کرانا چاہتے تھے اسے داخل نہ کیا جائے۔ انہوں نے بہتیرا زور لگایا چٹھیاں لکھیں آدمی بھجوائے۔ لیکن حضرت میاں صاحب نہ مانے اور مفاد سلسلہ کو ہی مقدم رکھا۔

ماتحتوں سے حسن سلوک

(7) ایک دفعہ حکومت نے اساتذہ کی تنخواہیں بڑھا دیں آپ اس وقت ناظر تعلیم و تربیت تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ صدر انجمن احمدیہ کو مالی مشکلات کا سامنا تھا۔ اس کے باوجود اپنے ماتحتوں کی ترقی کا معاملہ حضرت صاحب کے حضور پیش کر دیا۔ جب حضور کی ملاقات کے بعد واپس تشریف لائے تو مجھے بتایا کہ حضور نے بڑی سختی سے میری درخواست رد کر دی ہے لیکن بجٹ سب کمیٹی کا اجلاس ظہر کے بعد ہو رہا ہے۔ میرا فرض ہے کہ میں اپنی طرف سے اپنے ماتحتوں کے حقوق کے لئے پوری کوشش کر دوں۔ اس لئے میں نے یہ معاملہ دوبارہ حضور کے سامنے پیش کرنا ہے۔ تم سارا حساب بنا کر اپنے پاس رکھنا اور پرائیویٹ سیکرٹری کے دفتر میں رہنا شاید ضرورت پیش آ جائے۔ اجلاس قصر خلافت میں شروع ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد نیچے تشریف لائے اور مجھ سے حساب لے گئے۔ جب

اجلاس ختم ہوا تو واپس آئے اور مسکرا کر فرمانے لگے کہ حضور نے ہمارا مطالبہ منظور فرما لیا ہے۔ بلکہ جب ناظر بیت المال نے حضور سے مالی حالت کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہا تو حضور نے فرمایا کہ خدا خود روپیہ بھیج دے گا۔

(8) راقم الحروف نظارت تعلیم وتربیت میں ہیڈ کلرک تھا۔ میری ترقی لگا تار آٹھ نو سال بالا گریڈ میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے رکی رہی۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کو اس کا احساس تھا۔ ایک دن فرمانے لگے کہ اگر تم جس دن ناظر بن جاؤ تو میرے خیال میں تمہاری حق رسی ہو جائیگی۔ میں نے عرض کی کہ حضرت آپ کو علم ہے میں نے تو اپنی ترقی کے لئے کہیں درخواست نہیں کرنی۔ فرمانے لگے تمہیں کس نے کہا ہے درخواست کرو۔ اس وقت میرے متعلق حضور کی خدمت میں لکھا۔ یہ رپورٹ نہایت مختصر بہت عمدہ اور جامع تھی۔ چنانچہ آپ کی اس رپورٹ کو (ضروری مراحل طے ہونے کے بعد) حضور نے ذرہ نوازی فرماتے ہوئے منظور فرما لیا۔ اور میرے لئے ترقی کا راستہ کھل گیا۔

تربیتی چارٹ

(9) ایک دفعہ غالباً کسی درسگاہ کا معائنہ کر کے تشریف لائے۔ فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ بچوں اور کم علم کے احمدیوں کو احمدیت کی تعلیم سے واقف کرنے کے لئے ایک خوبصورت چارٹ بنایا جائے۔ اس میں پانچ ارکان اسلام درج ہوں۔ کلمہ طیبہ اور نماز باترجمہ ہو اور احمدیت کے مخصوص عقائد مختصراً آ جائیں۔ ملک محمد عبداللہ صاحب کو فرمایا کہ یہ یہ مواد اکٹھا کر کے دیں۔ چنانچہ حضرت میاں صاحب نے ایک نہایت عمدہ اور دیدہ زیب چارٹ جس کا نام اور احمدیت نماز تیار کروایا۔ اس پر آپ نے کافی محنت کی اور ڈیزائن بھی خود تیار کیا۔ پھر دبیز آرٹ پیپر پر رنگدار چارٹ جماعت میں بہت مقبول ہوا۔ اکثر لوگوں

نے فریم کر کے گھروں میں اور مساجد میں لٹکایا۔ اور فائدہ اٹھایا۔

نماز وقت پر

(10) سفروں میں کئی بار مجھے یہ نصیحت فرمائی کہ سفر میں دو باتوں کا بضرور خیال رکھنا چاہئے۔ اول یہ کہ نماز کا جونہی وقت شروع ہو اس وقت نماز پڑھ لی جائے۔ اگر نمازیں جمع بھی کرنا ہوں تو بھی پہلی نماز کا وقت ہوتے ہی دونوں نمازیں ادا کر لی جائیں۔ یہ سمجھ کر سستی نہ کی جائے کہ ابھی کافی وقت پڑا ہے پھر پڑھ لیں گے۔ دوسرے یہ کہ کھانے کا جب وقت ہو رہا ہو تو جو کھانا اس وقت میسر ہو کھا لیا جائے۔ اس نصیحت پر خود بھی پوری شدت سے عمل کیا کرتے تھے اور میں نے بھی اس سے بہت فائدہ اٹھایا۔

تناول ماحضر

(11) ایک دفعہ ریکروٹمنٹ (Recruitment) کے سلسلہ میں ہم صبح چھ بجے کے قریب گاڑی کے ذریعہ قادیان سے روانہ ہوئے۔ ساڑھے دس بجے کے قریب لاہور پہنچ گئے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب جس ڈبہ میں بیٹھے تھے وہاں سے اتر کر اس ڈبہ میں آ گئے جس میں لیفٹیننٹ ڈاکٹر محمد الدین صاحب اور خاکسار بیٹھے تھے۔ فرمانے لگے میرا خیال ہے کہ کھانا یہیں کھا لیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا کہ حضرت ہم نے عین کھانے کے وقت جس مقام پر پہنچا ہے وہاں کے لوگوں کو ہماری آمد کی اطلاع ہے۔ انہوں نے کھانے کا انتظام ضرور کیا ہوگا۔ اس لئے وقت پر ہی کھانا کھائیں گے آپ نے مذاقاً فرمایا جس جگہ ہم جا رہے ہیں اس جگہ کے متعلق فلاں شاعر نے کہا ہے۔ کہ ذرا ہوشیار ہو کر جانا۔ منیر ڈاکٹر صاحب نہ مانے اور میں نے بھی اپنے سفر کے ساتھی کا اس معاملہ میں ساتھ دیا۔

اس پر فرمانے لگے اچھا بھئی مجھے اجازت دو میں کھالوں۔ چنانچہ آپ کے لئے ریفریشمنٹ روم سے کھانا منگوالیا گیا اور آپ نے کھالیا۔ جب ہم مقام مقصود پر پہنچے تو احباب نے بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا۔ ہم وہاں سات آٹھ گھنٹے رہے لیکن کسی غلط فہمی کی وجہ سے منتظمین دونوں وقت کھانا پیش کرنا بھول گئے۔ جب ہم وہاں سے رات کو آگے روانہ ہوئے تو فرمانے لگے اگر آپ لوگوں نے میری بات مانی ہوتی تو ایک وقت فاقہ کرنا پڑتا اب دووقت کا فاقہ کرنا پڑا ہے اور میں فائدہ میں رہا ہوں اس پر خوب ہنسے اور ہم کو بھی ہنسایا۔

اب سو گئے تو تہجد اور فجر کی نماز ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے

(12) حضرت مرزا شریف احمد صاحب جس جگہ دورہ کے دوران تشریف لے جاتے دوست بڑے اہتمام اور گرمجوشی سے آپ کا استقبال کرتے۔ انتہائی احترام، محبت اور خلوص کا اظہار کرتے۔ ارد گرد دور دور تک کے احباب اس جگہ جمع ہو جاتے جہاں آپ نے تشریف لے جانا ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ سارے علاقہ کی احمدی جماعتوں میں بیداری کی ایک لہر دوڑ جاتی۔ علاقہ کے اکثر غیر احمدی معززین بھی آپ کی ملاقات کے لئے آتے اور بہت متاثر ہو کر جاتے۔ ایک دفعہ گجرات کی جماعت کو اطلاع دی گئی کہ حضرت صاحبزادہ صاحب شام سات بجے بذریعہ موٹر گجرات پہنچ رہے ہیں۔ بعد میں کار میں خرابی پیدا ہو جانے کی وجہ سے یہ پروگرام تبدیل کرنا پڑا۔ اور یہ تار دے دیا گیا کہ رات بارہ بجے بذریعہ ٹرین پہنچیں گے۔

جنگ کا زمانہ تھا۔ تاریں وقت پر نہیں پہنچتی تھیں۔ یہ تار بھی بروقت نہ ملی۔ جماعت کے تمام احباب چھ بجے سے رات کے گیارہ بجے تک شہر کے باہر سڑک پر انتظار کرنے کے بعد فکرمند گھروں کو واپس ہوئے۔ ہم بارہ ایک بجے گجرات پہنچے مکرم چوہدری اعظم علی صاحب

ریٹائرڈ سیشن جج ان دنوں امیر جماعت تھے۔ ہم نے ٹانگہ والا سے دریافت کیا کہ کیا اسے چوہدری صاحب کے مکان کا علم ہے اس نے اثبات میں جواب دیا۔ دراصل اسے اس کا علم نہ تھا۔ یونہی اس نے کہہ دیا تھا۔ ہم اس محلّہ میں تو پہنچ گئے جہاں مکرم چوہدری صاحب رہائش رکھتے تھے۔ لیکن مکان کا پتہ نہ چلا۔ سب لوگ سوئے ہوئے تھے۔ آخر حضرت صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ لیفٹیننٹ ڈاکٹر محمد الدین صاحب سڑک پر ٹانگہ میں ہی بیٹھیں اور آپ خود اور خاکسار راقم الحروف مکان کی تلاش کریں۔ دو تین گلیوں میں چکر لگانے کے بعد ہم کو ایک مکان کے متعلق خیال پیدا ہوا کہ غالبًا یہی مکان ہے۔ اس واقعہ کے پہلے بھی ہم ایک دفعہ وہاں جا چکے تھے۔ دروازہ کھٹکھٹانے کا خیال ہی کر رہے تھے کہ اندر سے آواز آئی سب دعائیں کرو۔ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے۔ حضرت میاں صاحب کے متعلق کوئی اطلاع نہیں آئی۔ یہ آواز چوہدری اعظم علی صاحب کی تھی جو اپنے اہل وعیال کو دعا کرنے کے لئے تاکید کر رہے تھے۔ میں نے زور سے السلام علیکم کہا اور کہا کہ حضرت میاں صاحب خود ہی تشریف لے آئے ہیں۔ چوہدری صاحب نے الحمدللہ، الحمدللہ کہتے ہوئے فوراً دروازہ کھولا اور حضرت میاں صاحب کو دیکھ کر بہت ہی خوش ہوئے۔ صاحبزادہ صاحب نے فرمایا کہ پہلے نوکر کو بھجوائیں ہمارے ڈاکٹر صاحب سڑک پر ٹانگہ پر ہیں۔ انکو بھی لے آئے اور سامان بھی لے آئے۔ رات کے دو بج چکے تھے لیکن مکرم چوہدری اعظم علی صاحب نے اسی وقت کھانا پیش کیا۔ جنہوں نے انتظار میں خود بھی کھانا نہ کھایا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد حضرت میاں صاحب نے فرمایا کہ اب تہجد پڑھ لیتے ہیں۔ اتنے میں نماز فجر کا وقت ہو جائے گا۔ نماز ادا کرنے کے بعد ہی سوئیں گے۔ کیونکہ اگر اب سو گئے تو تہجد اور فجر کی نماز ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

بے تکلفی

(13) ایک دفعہ ہم گورداسپور گئے۔ وہاں کوئی ایسا ہوٹل نہیں تھا۔ جہاں حضرت صاحبزادہ صاحب کوئی بٹھا کر کھانا کھلایا جا سکتا۔ میں کچھ تجویز کرنے لگا۔ فرمانے لگے تم کس مصیبت میں ہو۔ یہاں تنور ہیں وہاں سے گرم گرم روٹیاں لیتے ہیں۔ (ایک کھوکھا یعنی چھوٹی سی دوکان تھی۔ جس پر ایک بوڑھا آدمی مٹی کی ہنڈیا میں بٹیر لگایا کرتا تھا) پھر بابے سے بٹیر لے کر روٹی پر رکھ لیتے ہیں۔ کار ہمارے پاس ہے۔ دس منٹ میں ہم تبڑی (نہروں کا مرکز اور بڑی اچھی سایہ دار جگہ تھی) پہنچ جائیں گے وہاں کھانا کھالیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔

جماعتی پروگرام کو فوقیت

(14) جن دوستوں کے ساتھ محبت کا تعلق ہوتا تھا ان کے ساتھ بے تکلفی کا سلوک بھی کر لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ہم ریکروٹمنٹ (Recruitment) کے سلسلہ میں ضلع سیالکوٹ کا دورہ کر رہے تھے۔ حضرت چوہدری غلام محمد صاحبؓ پوہلہ مہاراں ساتھ تھے۔ ان کا طریق تھا کہ جب حضرت صاحبزادہ ان کے علاقہ میں تشریف لے جاتے تو وہ ہر وقت ساتھ رہتے۔ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ رات بدوملہی قیام کریں گے۔ جب ہم ان کے گاؤں پوہلہ مہاراں کے قریب پہنچے گیں تو دیر ہو جائے گی اس لئے رات ہمارے ہاں قیام فرمائیں۔ حضرت صاحبزادہ نے فرمایا کہ وہاں پہنچنا اس لئے ضروری ہے کہ کل کا پروگرام خراب نہ ہو۔ چوہدری صاحب کے زور دینے پر فرمانے لگے اچھا چوہدری صاحب میں ایسی تجویز کر دیتا ہوں کہ آپ کی بات بھی پوری ہو جائے اور ہمارے پروگرام میں بھی رخنہ نہ آئے۔ چلئے آپ کے گھر چلتے ہیں۔ عشاء کے قریب کا وقت تھا. فرمانے لگے کھانا آپ

کے گھر کھائیں گے اور رات بدوملہی میں رہیں گے۔لیکن شرط یہ ہے کہ کھانا صرف دس منٹ میں مل جائے۔اگر آپ نے تکلف کرنے کی کوشش کی تو میں چل پڑوں گا۔آپ کو صرف اتنی مہلت ہے کہ آٹا گوندھ کر عورتیں تنور میں روٹی پکالیں۔اچار اور شکر کے ساتھ گرم گرم روٹی کھائیں گے۔چوہدری صاحب بڑے خوش ہوئے اور مستورات کو مخاطب ہو کر کہنے لگے۔''کڑیو حضرت صاحب نے روٹی کھانی منظور کرلئی اے آپے کرلو جو سمجھ اوندا اے۔''

مستورات نے واقعی پندرہ منٹ کے اندر اندر نہایت عمدہ کھانا پیش کر دیا۔اور ہم کھانا کھانے کے بعد روانہ ہو گئے۔

دوسرے کے جذبات کا خیال

(15) سفروں میں اس بات کا پورے اہتمام سے خیال رکھتے کہ جب تک آپ کی پارٹی کے تمام افراد دسترخوان پر نہ آ جائیں کھانا شروع نہ فرماتے۔اگر کھانا سامنے بھی رکھ دیا جاتا تو بھی سب ساتھیوں کے آ جانے کے بعد ہی کھانا شروع فرماتے۔ریکروٹمنٹ (Recruitment) کے سلسلہ میں ایک دفعہ سیالکوٹ کا دورہ کر رہے تھے کھانے کے وقت جب دوستوں نے کھانے کے لئے عرض کیا تو مجھے فرمانے لگے کہ چلو کھانا کھالیں۔ میں نے عرض کی کہ آج کام بہت زیادہ ہے۔میں کام تیار کر لیتا ہوں تا کہ جب آپ کھانے سے فارغ ہوں تو نوجوان بھرتی کے لئے پیش ہونے شروع ہو جائیں گے۔ میں بعد میں کھانا کھالوں گا۔میرے اصرار پر مان گئے۔بعد میں بعض لوگوں سے ایسی غلطی ہوئی جو آپ کی ناراضگی کا موجب بنی۔کیونکہ اس میں سلسلہ کے وقار کا سوال تھا۔میں نے یہ کہہ کر کھانے سے انکار کر دیا کہ آپ لوگوں نے حضرت میاں صاحب کو ناراض کر دیا ہے۔ اس لئے میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ہم اس گاؤں سے چل پڑے جب گاؤں سے کافی دور

باہر نکل آئے تو میں نے عرض کیا کہ میں نماز پڑھنی ہے۔ وقت تنگ ہو رہا تھا۔ فوراً بمبوکارٹ (پرانی طرز کا ٹانگہ) جس پر حضور میاں صاحب اور ہم سب سوار تھے روک لیا۔ میں نے نماز ادا کی جب واپس آ کر سوار ہونے لگا تو آپ کے ہاتھ میں پھل کا ڈبہ تھا جو اسی وقت کھولا تھا فرمانے لگے ڈاکٹر صاحب (لیفٹیننٹ ڈاکٹر محمد الدین صاحب) نے بتایا ہے کہ تم نے کھانا نہیں کھایا۔ یہ فوراً کھالو۔ اس وقت تمہاری عمر چھوٹی ہے۔ اگر اب صحت کا خیال نہ رکھو گے تو آخری عمر میں تکلیف ہوگی (حضرت میاں صاحب سفروں میں فروٹ کا ڈبہ یا بسکٹ کا ڈبہ کوئی نہ کوئی چیز کھانے کی ساتھ ضرور رکھا کرتے تھے۔)

جس واقعہ کا میں نے ذکر کیا ہے کہ وہ حضرت میاں صاحب کی ناراضگی کا موجب ہوا اس کی اطلاع حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی بھی مل گئی اور یہ چیز حضور کی ناراضگی کا باعث ہوئی۔ جس کا حضور نے سختی سے اظہار فرمایا۔ اس پر علاوہ کے مخلصین اکٹھے ہوئے اور حضرت میاں صاحب کو دوبارہ بلوایا اور ایسے پُر جوش اور احسن طریق پر تلافی کی کہ حضور کی بھی خوشنودی حاصل کر لی۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

دلجوئی

(16) ایک دفعہ لائلپور میں شام کے قریب بھرتی کا کام ختم کیا۔ مولوی عصمت اللہ صاحب بہلولپور نے بڑے زور سے درخواست کی کہ آج شام میرے گاؤں بہاولپور میں چل کر میرے ہاں کھانا کھائیں۔ میرے والد صاحب حضرت مسیح موعود کے صحابی ہیں ان کو آپ کے تشریف لے جانے سے بہت ہی خوشی ہوگی۔ لگا تار سفر اور سارا دن کام کرنے کی وجہ سے حضرت صاحبزادہ صاحب کو آرام کی ضرورت تھی۔ بہلولپور کا راستہ بھی اس وقت تکلیف دہ تھا۔ فرمانے لگے صرف ایک شرط پر آپ کے گاؤں جا سکتا ہوں کہ بھرتی

دیں۔مولوی عصمت اللہ صاحب نے وعدہ کرلیا۔ہم عشاء کے قریب وہاں پہنچے۔مولوی صاحب موصوف نے بڑی ہمت کر کے حضرت میاں صاحب کے اندازہ سے بھی زائد ریکروٹ پیش کردیئے اور بڑے اخلاص کا ثبوت دیا۔حضرت میاں صاحب بہت خوش ہوئے۔مولوی صاحب کے والد مرحوم چوہدری صاحب کے قبول احمدیت کے حالات دریافت فرماتے رہے۔رات قریباً بیداری میں گزری۔اورصبح وہاں سے قادیان کے لئے روانہ ہوئے۔

(17) ریکروٹمنٹ (Recruitment) کے سلسلہ میں گاڑی اور موٹر کے سفر کے علاوہ ٹانگہ، بمبوکاٹ، گھوڑا اور پیدل ہر رنگ میں سفر کیا۔ بارش کی وجہ سے کیچڑ اور دلدل میں بھی سفر کرنے پڑے۔تمام سفروں میں اپنے ساتھیوں کا ہر طرح سے خیال رکھتے اور انہیں خوش رکھتے۔دیہات میں بعض اوقات کھلے میدان میں سونا پڑتا۔لیکن کبھی تکلیف کا اظہار نہ کیا۔ بلکہ دیہات کی رہائش کا ذکر ہمیشہ اچھے رنگ میں فرماتے۔تمام سفروں میں جہاں بھی تشریف لے جاتے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پرانے صحابہ کرام سے ضرور ملتے اوران سے احمدیت میں داخل ہونے کے حالات دریافت فرماتے۔سفروں میں داخل ہونے کے حالات دریافت فرماتے۔سفروں میں حمائل شریف ساتھ رکھتے۔تلاوت بڑی پُرسوز آواز میں کرتے تھے۔حضرت مسیح پاکؑ کے صحابہ کہا کرتے تھے کہ آپ کی آواز حضور علیہ السلام سے بہت ملتی ہے۔

سارے لاہور کی بھرتی کا اختیار

(18) جب آپ اسسٹنٹ ریکروٹنگ آفیسر لاہور ایریا مقرر ہوئے تو آرمی ہیڈ کواٹر سے یہ خاص منظور آئی کہ آپ کو سارے لاہور ایریا سے (جو تقریباً سارے سابقہ پنجاب پر

مشتمل تھا) بھرتی کرنے کا اختیار ہے۔ یہ اختیار آپ کے درجہ کے باقی افسران کو حاصل نہ تھا۔ وہ اپنے مخصوص حلقوں میں ہی بھرتی کر سکتے تھے۔ میں نے پنجاب کے رؤسا کو دیکھا ہے کہ انگریز کے وقت میں چھوٹے سے چھوٹے انگریز افسر کو دیکھتے ہی ان پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ اور جنگ کے زمانہ میں انعام کے لالچ میں تو وہ انتہائی چاپلوسی سے کام لیتے۔ لیکن آپ بڑے سے بڑے انگریز افسر کو بھی عام انسانوں کی طرح سمجھتے تھے۔ بھرتی کے زمانہ میں قادیان میں بھی کئی انگریز افسر آتے رہے۔ ان کی مہمان نوازی تو فرماتے۔ لیکن ان کی آمد کو کبھی غیر معمولی چیز نہیں سمجھا۔ خاکسار اور مولوی ظہور الحسن صاحب کو جو بھرتی کا کام کرتے تھے۔ ان کے ساتھ کھانے اور چائے میں شریک کرتے اور ہمارا تعارف کرواتے۔ جو افسر بھی یہاں سے ہو کر جاتا وہ آپ کا گرویدہ ہو کر جاتا۔ اور ہمیشہ آپ کا احترام کرتا۔

بغیر معاوضہ کے کام

(19) آپ ریکروٹمنٹ (Recruitment) کا کام بغیر کسی معاوضہ کے کرتے تھے اور افسران کو اس بات کا اچھی طرح سے علم ہو چکا تھا کہ اگر حضرت صاحبزادہ صاحب کو کوئی اعزاز دیا گیا تو وہ اسے قبول نہ فرمائیں گے ورنہ مجھے علم ہے کہ جن لوگوں کی خدمات حضرت صاحبزادہ سے دسواں حصہ بھی نہ تھیں انہوں نے خطاب بھی حاصل کئے اور اراضی بھی حاصل کی۔ ایسے وقت میں جب کہ بڑے بڑے لوگ ایک ایک ریکروٹ کی بھرتی کے سرٹیفکیٹ کی خاطر سینکڑوں روپے بھی خرچ کرتے تھے۔ ایسے تمام ریکروٹوں کی جو حضرت صاحبزادہ صاحب کے ذاتی اثر سے بھرتی ہوتے۔ بھرتی کے سرٹیفکیٹ مجھے دلاتے رہے۔ چنانچہ پینسٹھ ریکروٹوں کی بھرتی کے سرٹیفکیٹ مجھے ملے۔ ریکروٹمنٹ کے دفتر گورداسپور اور

مرکزی دفتر لاہور میں آنرز لسٹ کے بورڈ تھے۔ اس میں میرا تیسرا نمبر تھا۔ لیکن حضرت صاحبزادہ صاحب کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ جب کہ مجھ سے کم بھرتی کرانے والوں کو اراضی ملی میں نے کبھی اس کی خواہش نہ کی۔ ایک دفعہ انگریز ڈپٹی کمشنر بھرتی کے پراپیگنڈا کے سلسلہ میں قادیان آیا۔ حضرت میاں صاحب نے میرا بھی تعارف کروایا۔ اور فرمایا کہ انہوں نے اس قدر بھرتی دی ہے۔ اور اس کے علاوہ میرے بھرتی کے دفتر کے انچارج ہیں اور بلا معاوضہ کام کر رہے ہیں۔ وہ حیران ہو کر کہنے لگا یہ تو مجھے ایک دفعہ بھی نہیں ملے۔ اگر ملتے تو میں ان کے لئے زمین دیئے جانے کی سفارش کرتا۔ حضرت میاں صاحب نے فرمایا ہم یہ کام کسی معاوضہ کی خاطر تو کرتے نہیں۔ اس لئے یہ آپ کو کس طرح مل سکتے تھے۔ اس کے چند دنوں کے بعد مجھے اس انجمن کا جو پنجاب میں قیام امن کی خاطر حکومت نے بنائی ہوئی تھی رکن مقرر کئے جانے کی اطلاع آئی۔ ممکن ہے یہ اسی ملاقات کا نتیجہ ہو۔

ناظر خاص

(20) مجھے یاد نہیں رہا غالباً محولہ بالا موقع پر ہی لیکن بعض مواقع پر حضرت صاحبزادہ صاحب یہ بیان فرماتے تھے کہ لاکھوں ہندوستانی اس وقت محاذ جنگ پر ہیں۔ ان کی زندگیوں کی حفاظت کے لئے یہ ضروری ہے کہ حسب ضرورت اور بھرتی دی جائے۔ دوسرے ہندوستان کی آزادی کے لئے بھی یہی ضروری ہے کہ انگریز جیتیں۔ اگر یہ شکست کھا جائیں تو ہندوستان کی آزادی بہت پیچھے چلی جائے گی۔

(21) احراری پورے زوروں پر تھے۔ حکومت کے بعض افسران کی حمایت ان کو حاصل تھی۔ احمدیوں کو ہر طرح سے تنگ کیا جانے لگا۔ احمدیوں کو بدنام کرنے کے لئے بلکہ مٹانے کے لئے۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی پر قاتلانہ حملے کروانے کے لئے

سکیمیں بنیں۔ اس وقت صدر انجمن نے ایک نظارت خاص بنائی۔ حضرت صاحبزادہ صاحب ناظر خاص مقرر ہوئے۔ خاکسار راقم الحروف کو پرسنل اسسٹنٹ مقرر فرمایا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی ہدایات کے مطابق نہایت عمدگی سے کام کیا دشمن ناکام ونامراد ہوئے اور ہر معاملہ میں ایک شکست ہوتی رہی۔

(22) احراریوں نے حکومت کے بعض افسران کے مشورہ سے جن میں ضلع کا سربراہ پیش پیش تھا۔ یہ طے کیا کہ جماعت احمدیہ کے ایسے افراد کو مقدمات میں گھسیٹا جائے جو کام کرنے والے ہیں۔ اور ہر مقدمہ میں ایک آدھ گمنام شخص کا بھی نام رکھ لیا جایا کرے۔ تاکہ کسی کو شک نہ ہو۔ اور پھر ان مقدمات میں افسران سے مل کر احمدیوں کے خلاف فیصلے حاصل کئے جائیں۔ تاکہ دشمن یہ پراپیگنڈا کرسکیں کہ عدالتیں بھی ان کو ظالم قرار دیتی ہیں۔ اس سلسلہ میں جو سب سے پہلا مقدمہ ہوا۔ وہ حضرت صاحبزادہ صاحب کے خلاف تھا اور اس کے ساتھ خاکسار کو اور بعض دوسرے احمدیوں کو رکھا گیا تھا۔ چونکہ حضرت صاحبزادہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دنیوی وجاہت دی تھی اور مار پیٹ کا جو الزام لگایا گیا تھا اس نے کسی تھانہ نے تسلیم نہ کرنا تھا۔ اس لئے مجسٹریٹ نے پہلی ہی پیشی پر غالباً صوبائی حکومت کی ہدایت پر حضرت صاحبزادہ صاحب کو بلائے بغیر ان کے خلاف مقدمہ خارج کر دیا اور میرے اور میرے دوسرے ساتھیوں کے خلاف کئی ماہ تک مقدمہ چلتا رہا۔ اس مجسٹریٹ کی ترقی ہمیں سزا دینے کے ساتھ وابستہ تھی۔ لیکن بعض حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ وہ مجھے بری کرنے پر مجبور ہو گیا۔

حضرت صاحبزادہ صاحب نے اس مقدمہ میں میری ہر طرح دلجوئی فرمائی۔ اور میری بریت کے لئے کوشش فرمائی۔ اور نہایت دانشمندانہ طریق پر یہ فیصلہ کیا کہ اس مرحلہ پر صرف تمہاری بریت کی کوشش کرنی ہے۔ اگر تم اس عدالت میں بری ہو گئے تو باقی سب اپیل میں

بری ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ کی اس دور اندیشی کا یہ نتیجہ ہوا کہ اپیل کا فیصلہ کرتے ہوئے جج نے ہمارے خلاف پیش ہونے والے گواہوں کو جھوٹے ثابت کیا۔ ایک گواہ کے متعلق جو سب سے اہم گواہ تھا مجھے یاد ہے اس جج نے لکھا تھا He is a liar یہ جج اینگلوانڈین اور انصاف پسند تھا۔ اس لئے بیرونی اثر سے مرعوب نہ ہوا تھا۔ احرار ایجی ٹیشن کے دنوں کی بات ہے جلسہ سالانہ کے موقع پر چونکہ لوگوں کی کثر ہوتی تھی اس لئے معاندین نے اپنے حملوں کے لئے ان تاریخوں کو آسان سمجھ رکھا تھا۔ حفاظت کا تمام کام حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کے سپرد تھا۔ خاکسار اس ڈیوٹی میں آپ کا پرسنل اسسٹنٹ تھا۔ آپ ایسی عمدگی سے انتظام فرماتے کہ کسی کو آخری وقت تک یہ علم نہ ہو سکتا کہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز جلسہ گاہ میں کس راستہ سے تشریف لے جائیں گے۔ جو رضا کار حفاظت کے لئے مقرر ہوتے تھے ان کو بھی اس کا علم نہ ہوتا۔ باہر جانے کے لئے تین راستوں پر ایک ہی وقت میں انتظام ہوتا تھا۔ تین کاریں جایا جاتی تھیں۔

حضور کے ساتھ جانے والوں کو یہ تو علم دے دیا جاتا تھا کہ نمبر 1 کار میں فلاں فلاں نمبر 2 میں فلاں فلاں اور نمبر 3 میں فلاں فلاں بیٹھیں گے۔ لیکن یہ کسی کو معلوم نہ ہوتا تھا کہ کس کار کا کیا نمبر ہوگا۔ اس کا پتہ اس وقت چلتا جب حضور کار میں تشریف رکھتے۔ سٹیج پر بیٹھنے والوں کے ٹکٹوں کے اجراء کا موجودہ نظام بھی اس وقت سے جاری ہے۔

انتظامی امور میں مہارت

(23) گو جلسہ سالانہ پر جانے کے لئے تین راستوں پر انتظام ہوتا تھا لیکن ہمیشہ ایک ہی راستہ استعمال ہوتا اس سے مخالفین نے یہ یقین کر لیا کہ اصل راستہ صرف یہی ہے۔ انہوں نے ایک دفعہ سکھوں سے امداد لی اور عین جلسہ کے دن ان کا کوئی تہوار رکھوا دیا۔ باہر

سے سینکڑوں کی تعداد میں سکھ منگوا لئے گئے اور عین اس وقت جب حضور نے تقریر کے لئے باہر تشریف لے جانا تھا۔ سکھوں نے جلوس نکالا اور گلی کو پورے طور پر اپنے آدمیوں سے بند کر کے شعر وغیرہ پڑھنے شروع کر دیئے۔ حضور کو اس کی اطلاع کر دی گئی۔ مجھے یاد ہے کہ ہمارے بعض مخلصین بھی یہ مشورہ دے رہے تھے کہ آج حضور کو تقریر کے لئے تشریف نہیں لے جانا چاہیئے۔ پولیس عمداً کوئی کارروائی نہ کر رہی تھی۔ الحکم سٹریٹ میں سے کاریں گزارنا تو درکنار کوئی فرد بھی نہ گذر سکتا تھا۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز تشریف لے آئے۔ سب کارکنان حیران تھے کہ راستہ تو ہے نہیں کس راستہ سے جائیں گے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے مجھے فرمایا کہ موٹر میں بیٹھیں نمبر 1 کار کے ڈرائیور کو بتایا کہ دارالانوار کو جانا ہے۔ پھر مکرم چوہدری فتح محمد صاحب مرحوم کے مکان کے پاس سے فلاں راستہ لے کر جلسہ گاہ جانا ہے۔ چنانچہ میں نے تعمیل کی۔ جو کارکنان موٹروں میں تھے انہوں نے بعد میں بتایا کہ انہیں اس وقت تک علم نہ ہوا کہ ہم جلسہ گاہ کو جا رہے ہیں جب تک کہ موٹر میں نور ہسپتال کے پاس نہ پہنچ گئیں۔ مکرم چوہدری اسد اللہ خان صاحب بیرسٹر قائد آل انڈیا نیشنل لیگ کور تھے وہ بھی ساتھ تھے۔ خاکسار قادیان نیشنل لیگ کا جنرل سیکرٹری اور آل انڈیا نیشنل لیگ کی مجلس عاملہ کا رکن تھا۔ حضور نے جلسہ گاہ میں پہنچ کر چوہدری اسد اللہ خان کو ارشاد فرمایا کہ ہم تو پہنچ گئے ہیں لیکن ہمارے دوستوں کا راستہ بند ہے انہیں تکلیف ہو رہی ہے۔ اس لئے آپ اور ظہور احمد جا کر مجسٹریٹ اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کو ملیں جو پولیس کا انچارج ہے اور یہ یہ گر استعمال کریں اس سے وہ انتظام کرنے پر مجبور ہو جائیں گے چوہدری صاحب نے تعمیل کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پولیس جو اس سے پہلے بے بسی کا اظہار کر رہی تھی اس نے پانچ منٹ میں سکھوں سے راستہ صاف کروایا۔

(25) سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے مشہور کیس میں جب حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی گورداسپور میں شہادت ہونی تھی۔ تو مخالفین کے بہت بد ارادے تھے۔

انہوں نے شرارت کی غرض سے لوگوں کو گورداسپور جمع کرنے کی کوشش کی۔اس موقع پر بھی حفاظت کا تمام انتظام حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کے سپرد تھا۔سپیشل ٹرین کا بھی انتظام کیا گیا۔کئی نوجوانوں نے سائیکلوں پر جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔آپ نے انہیں نہایت عمدگی سے منظّم کیا۔تین موٹر تھے درمیانی موٹر میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز تھے حضرت صاحبزادہ صاحب ساتھ تھے۔خاکسار کو بھی حضور کے ہمراہ جانے کا فخر حاصل ہوا۔میں پہلے موٹر میں تھا۔کاروں کے آگے دو دو کی قطاروں میں سائیکلوں میں پچاس ساٹھ باہمت نوجوان تھے اوراسی قدر کاروں کے پیچھے ایسا شاندار جلوس تھا کہ دشمنوں پر ہیبت طاری ہوگئی اور ہمارے سوڈیڑھ سونوجوانوں کوانہوں نے دوہزار سائیکل سوار ظاہر کیا۔گورداسپور کی تاریخ میں ایسا شاندار جلوس پہلے نہ دیکھا تھا۔اس تنظیم کا اس قدر اثر ہوا کہ دشمنوں کی سکیم دھری کی دھری رہ گئی۔

(26) دشمنوں نے جب یہ دیکھا کہ ان کی کوئی چار کارگرنہیں ہوتی بلکہ انہوں نے جو چال چلنے ہوتی تھی۔اس کا علم قبل از وقت جماعت احمدیہ کے ذمہ دار افسران کو ہو جاتا تھا۔اس وقت انہوں نے حضرت مرزا شریف احمد صاحب پر قاتلانہ حملہ کا نہ صرف فیصلہ کیا بلکہ اس پر عمل بھی کر دیا۔اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحم تھا کہ آپ محفوظ رہے۔اور مسیح پاک کا الہام ایک دفعہ پھر پورا ہوا۔

جس واقعہ کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے اس کا ذکر روزنامہ الفضل کے الفاظ میں درج ذیل ہے:۔

صاحبزادہ امۃ الودود کی وفات کا سانحہ

(27) 19 اور 20 جون 40ء کی درمیانی شب چار بجے صبح سے کچھ پہلے حضرت

صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کا خادم محمد سرور مرحوم میرے مکان پر آیا اور کہا کہ حضرت میاں صاحب نے ابھی یاد فرمایا ہے اور اس کے بعد اس نے زور سے رونا رونا شروع کر دیا۔ میں نے وجہ دریافت کی اس نے بتایا کہ صاحبزادی امۃ الودود ابھی پندرہ منٹ ہوئے وفات پا گئی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میں اس رات دس بجے تک حضرت صاحبزادہ صاحب کے پاس موجود تھا۔ کسی قسم کی بیمار یا تشویش کا کوئی ذکر نہ تھا۔ خود حضرت صاحبزادہ صاحب اندرون خانہ سے میرے لئے آئس کریم لائے جو میں نے کھائی اور گھر آ کر سو گیا۔ میرے لئے یہ خبر ماننے کے قابل نہ تھی۔ سخت دکھ ہوا۔ محمد سرور نے بتایا کہ گیارہ بجے کے بعد اچانک صاحبزادی صاحب کو شدید سر درد کی تکلیف ہوئی ڈاکٹروں کو بلوا لیا گیا۔ لیکن تکلیف میں کمی نہ ہوئی۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے دو بجے کے بعد ایک رقعہ دے کر مجھے حضرت صاحب کے حضور بھجوا دیا۔ حضور کو جب رقعہ پہنچا تو مسجد مبارک کی چھت پر تشریف لے آئے اور پہرہ دار کو حکم دیا کہ فوراً ٹانگہ لاؤ۔ اور خود اندر تشریف لے گئے اور بہت جلد تیار ہو کر پھر باہر آ گئے۔ حضور چھت پر بڑی جلدی جلدی ٹہل رہے تھے۔ موٹر حضرت ام المومنین اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کو لے کر لاہور تھا۔ اس لئے حضور نے ٹانگہ منگوانے کو کہا) ٹانگہ آنے پر فوراً روانہ ہو گئے۔ جب ٹانگہ سکول کے اس گیٹ پر پہنچا جو صاحبزادہ صاحب کی کوٹھی کے سامنے ہے تو اسے بند پایا سکول والے ایک لمبی زنجیر دونوں ستونوں کے درمیان لگا کر راستہ بند رکھتے تھے تاکہ عام گذرگاہ نہ سمجھی جائے۔ حضور نے اس کے کھلنے کا بھی انتظار نہ فرمایا ٹانگہ کے اترنے اور قریباً دوڑ کر کوٹھی میں پہنچ گئے۔ حضور کے تشریف لے جانے کے پندرہ بیس منٹ بعد وفات ہوئی۔ میرے دریافت کرنے پر راستے میں محمد سرور مرحوم نے یہ حالات مجھے بتائے۔

میں جب پہنچا تو حضرت صاحبزادہ صاحب برآمدہ میں بڑے سکون سے ٹہل رہے تھے۔ میں السلام علیکم کے بعد ابھی کچھ کہنے بھی نہ پایا تھا کہ آپ نے فرمایا کہ امۃ الودود کی وفات

ہو گئی ہے سب عزیزوں کو تاریں دینی ہیں اور لاہور شیخ بشیر احمد صاحب کو فون کرنا ہے۔ حضرت اماں جان اور حضرت میاں بشیر احمد صاحب وہاں ہیں۔ شیخ صاحب کو یہ کہہ دینا کہ حضرت اماں جان کی طبیعت علیل ہے اس لئے انہیں مناسب طریق سے خبر پہنچائیں۔ پھر مجھے ان عزیزوں کے نام لکھوائے جن کو تاریں دینی تھیں۔ پھر کاغذ پر تار کا مضمون لکھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے مضمون یہ تھا۔ Amatul Wadood passed away janaza after asar prayer........ بعض کے متعلق مجھے زبانی ہدایت دے دی کہ یہ الفاظ اور زائد کر دینا کہ فلاں فلاں عزیز کو بھی اطلاع کر دیں۔

پھر اور ہدایات تجہیز و تکفین کے متعلق مجھے نوٹ کروائیں۔ اسی اثناء میں حضرت صاحب بھی وہاں تشریف لے آئے اور مجھ سے دریافت فرمایا کہ کس کس کو تاریں جارہی ہیں۔ تار کا مضمون بھی دیکھا اور مجھے تاکید کی کہ ساری تاریں روانہ کردی جائیں۔ چنانچہ میں نے تعمیل کی۔

نماز فجر میں تمام مساجد قادیان میں وفات کا اعلان ہو گیا اور لوگ نماز کے بعد دیوانہ وار آنے شروع ہو گئے۔ اس گریہ وزاری کے وقت میں حضرت میاں صاحب بڑے اطمینان اور سکون سے سب دوستوں کو ملتے۔ اور تجہیز و تکفین کے جملہ انتظامات کی نگرانی فرماتے اور کارکنان کو ہدایات دیتے رہے۔ اور اس موقع پر ایسے صبر اور راضی بر رضاء ہونے کا نمونہ پیش کیا جو عام لوگوں کے بس کی بات نہیں۔

(28) 1947ء کا زمانہ تھا ہر طرف فسادات کی آگ بھڑک رہی تھی۔ میں مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ میں بطور مہتمم کارکرتا تھا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔اے (آکسن) مجلس کے صدر تھے۔ انہوں نے میرے سپرد ایک ایسا اہم کام کیا۔ جس کے متعلق میں بہت فکرمند ہوا۔ کیونکہ میرے سپرد جو کام کیا گیا تھا اس کا مجھے زیادہ تجربہ نہ تھا۔ گو مجھے یہ تو یقین تھا کہ صاحبزادہ صاحب جس طرح ہمیشہ اپنی ٹیم کے افراد کی راہنمائی اور امداد

کرتے تھے۔ مجھے جو مشکل پیش آئے گی وہ ضرور حل کریں گے لیکن اس کے باوجود میں اس وجہ سے فکر مند تھا کہ صاحبزادہ صاحب صرف خود بھی ان دنوں سخت مصروف تھے۔ میں تعلیم الاسلام کالج کے سامنے کھڑا تھا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔فرمانے لگے سناؤ کیسے کھڑے ہو۔ میں نے سارا قصہ بتا دیا۔فرمانے لگے ہمارے کام تو اللہ تعالیٰ نے کرنے ہیں۔ پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں کام کا جو حصہ سب سے مشکل تھا اس کے متعلق فرمایا کہ یہ حصہ میں کروں گا۔اس وقت گھر تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد واپس تشریف لائے۔ایک کاغذ پر کچھ نوٹ تھے۔ مجھے فرمایا کہ یہ یہ کام کرو اور جب یہ ہو جائے تو مجھے اطلاع دینا میں نے تعمیل کی۔ پھر حضرت صاحبزادہ صاحب کام میں ایسے مشغول ہو گئے کہ رات شروع ہو گئیں۔ چار پانچ آدمیوں کو اپنے ساتھ کام پر لگایا ہوا تھا۔انہیں فرمایا کہ ساری رات جاگنا پڑے گا۔اس لئے اپنے لئے قہوہ یا چائے کا انتظا کر لیں۔حضرت صاحبزادہ صاحب ساری رات اپنی نگرانی کے ماتحت کام کراتے رہے۔صبح کی اذان کے بعد کام مکمل ہوا اور حضرت صاحبزادہ صاحب تشریف لے گئے۔فرمانے لگے کہ دو تین گھنٹے کے بعد میں پھر آؤں گا تا کہ تسلی ہو جائے کہ کام دوست طور پر مکمل ہوا ہے۔ چنانچہ چند گھنٹوں کے بعد پھر تشریف لائے اور مزید کئی گھنٹے کام کرنے کے بعد جب تسلی ہوگئی کہ کام مکمل ہو گیا ہے۔تو پھر واپس تشریف لے گئے۔

میں یہ ذکر کر چکا ہوں کہ 1934ء میں احرار پورے زوروں پر تھے۔1935ء میں ان کی اشتعال انگیزیاں انتہاء کو پہنچ گئیں۔حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب ناظر خاص تھے۔احرار کو اس کا علم تھا۔اور ان کو یہ بھی یقین تھا کہ ان کی بہت سی چالیں حضرت ممدوح کی بیدار مغزی سے نا کام ہو رہی ہیں۔ چنانچہ جس طرح انہوں نے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی ذات پر قاتلانہ حملہ کی کوشش کیں۔حضرت صاحبزادہ صاحب پر بھی قاتلانہ حملہ کے لئے ایک احراری غنڈہ حنیفا کو تیار کیا۔صاحبزادہ صاحب 8 جولائی 1935ء

کو چھ بجے شام دفتر سے اپنی کوٹھی واقعہ دارالفضل کو سائیکل پر جا رہے تھے۔اس احراری نے جواس وقت ایک احراری ملاں کے مکان پر پہلے سے منتظر بیٹھا تھا۔مضبوط لاٹھ سے جس پر لوہا چڑھا ہوا تھا بھرپور وار سر پر کیا۔مگر سائیکل کچھ آگے نکل گیا اور چوٹ حضرت میاں صاحب کے بائیں کولہے پر لگی آپ بالکل اکیلے تھے۔فوراً سائیکل سے اتر پڑے اس نے دوسرا وار کیا اوراس دفعہ چوٹ کلائی پر لگی۔اب حضرت صاحبزادہ صاحب جواب کے لئے پورے طور پر تیار تھے جس پر وہ احراری فوراً بھاگ گیا۔حضرت صاحبزادہ صاحب سیدھے پولیس اسٹیشن گئے اوراس واقعہ کی رپورٹ درج کرا دی۔اس دن اس واقعہ سے چند گھنٹے پہلے قادیان میں احراریوں نے ایک احمدی کو مار کر زخمی کیا تھا۔حضرت صاحبزادہ صاحب پر قاتلانہ حملہ سے تمام جماعت میں جوش اوراضطراب کی لہر دوڑ گئی ہرطرف کہرام مچ گیا۔ہر شخص نے دکھ محسوس کیا۔مجذوب شاہ حسن رہتاسی نے یہ واقعہ سنا تو فوراً کہا:

ایک ہستی ایسی ہستی ہے جس ہستی کا انداز نہیں
اوراس کے علم سے پوشیدہ کونہیں کوفین میں کوئی راز نہیں
اور لاٹھی والے مت اترا ہاں ڈر جا اس کی لاٹھی سے
وہ لاٹھی ایسی لاٹھی ہے جس لاٹھی میں آواز نہیں

حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب نے ایک نظم میں اپنے رنج والم کا اظہار یوں کیا:

اے دل تو لہو بن کے میری آنکھ سے بہہ جا
اے جان تو کس دن کے لئے ہے یہ بتا دے
حملہ ہو شریف احمد ذی ماہ پہ افسوس
بے وجہ عدو ہم کو غم ہوش ربا دے

جگہ جگہ جلسے ہوئے حکومت کو توجہ دلائی گئی۔دوستوں نے حضرت امیرالمومنین اور خاندان

حضرت مسیح موعود سے اپنے اخلاص اور محبت کا اظہار کیا۔ ہر قربانی کرنے کا عہد کیا۔ جب چاروں طرف شور بپا ہوا تو مقامی پولیس اس بد باطن کو گرفتار کرنے پر مجبور ہوگئی۔ کئی ماہ تک مقدمہ چلتا رہا اور آخر اسے سزا ہوئی اور جیل بھجوا دیا گیا۔

پیراکی

(29) حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ عنہ نوجوانوں کو عموماً تیراکی سیکھنے اور اس کی مشق کرتے رہنے کی تلقین فرماتے رہتے تھے۔ آخر آپ نے بڑی جرات سے ایک ٹینک اس غرض سے تعمیر کرنے کا فیصلہ فرمایا اور اس کو عملی جامہ بھی پہنا دیا۔ میں ان دنوں نظارت تعلیم وتربیت میں آپ کے ساتھ کام کرتا تھا۔ آپ نے اس بارہ میں بہت مشقت برداشت کی۔ گھنٹوں موجود رہ کر تعمیر کا سارا کام اپنی نگرانی میں کرواتے رہے۔ جس کے نتیجہ میں چند ماہ کے اندر ایک نہایت خوبصورت، وسیع اور ماڈرن طرز کا ٹینک تیار ہو گیا۔ اس کے اخراجات کے لئے آپ نے چندہ کے لئے جو تحریک فرمائی اس کے مندرجہ ذیل اقتباس سے اس کے بنانے کی غرض اور ٹینک کی تفصیل آجاتی ہے۔ یہ ٹینک آج تک استعمال میں آرہا ہے۔

''حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ نے اپنے بعض خطبات میں پوری تفصیل کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا تھا اور ایسی کھیلوں کو رواج دینے کی طرف توجہ دلائی تھی۔ ان کھیلوں میں سے ایک تیراکی بھی ہے۔ ایک شخص جو تیرنا جانتا ہو۔ نہ صرف یہ کہ مصیبت کے وقت خود اپنی حفاظت کرسکتا ہے بلکہ ڈوبتے ہوئے کو بھی بچا سکتا ہے۔

چونکہ ہمارے ہاں تیراکی سکھانے کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ اس لئے تعلیم الاسلام ہائی سکول کے کنواں کے پاس ایک تالاب تعمیر کرنے کی تجویز کی گئی۔ تالاب اور اس سے

متعلقہ دیگر ضروریات یعنی موٹر، کپڑے بدلنے کا کمرہ، شاور باتھ، یورنیل اور پھر تالاب کے اردگرد دیوار پر اخراجات کا اندازہ چھ سات ہزار کے درمیان ہے۔''

(الفضل قادیان 25/اگست 1941ء)

baqi(الفضل 28/192 مورخہ 41-8-25)

سیرت وسوانح حضرت مصلح موعودؓ

جب سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے فضل عمر فاؤنڈیشن کے قیام کا اعلان فرمایا تو سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے کارناموں کو سمیٹنے کیلئے کئی منصوبوں کا آغاز کیا گیا جن میں ایک اہم منصوبہ سوانح فضل عمر بھی تھا جس پر اسی وقت آغاز کر دیا گیا اور کئی احباب نے اس سلسلہ میں اپنے اپنے تاثرات ومشاہدات قلمبند کئے جن میں سے بعض ''سوانح فضل عمرؓ'' نامی کتاب میں بھی شامل کئے گئے جس کی اب تک پانچ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔اس وقت ایک سوال نامہ بھی تیار کیا گیا۔ جسے بزرگان سلسلہ کی خدمت میں بھجوایا گیا جس پر انہوں نے اپنے تاثرات قلمبند کئے۔مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب کی خدمت میں حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحبؒ کی طرف جو سوال نامہ ارسال کیا گیا اس کے مطابق آپ نے اپنے مشاہدات رقم کئے جو یہاں پیش کئے جا رہے ہیں۔ مؤلف۔

خط بخدمت محترم چوہدری ظہور احمد صاحب آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بخدمت محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جماعت احمدیہ کے دوسرے امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ سے آپ کے قریبی تعلقات رہے ہیں اور بعض قومی اور سیاسی خدمات میں آپ نے

مل کر بھی کام کیا ہے۔ آپ کے سوانح حیات اور سیرتِ طیبہ کی تدوین کے سلسلہ میں خاکسار آپ سے تعاون کا خواستگار ہے اور اس مقصد کے لئے بشرطِ فرصت آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی بھی کوشش کرے گا۔

خاکسار کو مندرجہ ذیل امور کے متعلق آپ کی معلومات اور آراء برنگ واقعات مطلوب ہیں۔ یہ معلومات جس قدر جلد ممکن ہو سکے بہم پہنچا کر شکریہ کا موقع بخشیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

آپ کے بہترین تعاون کا شکر گزار
ملک سیف الرحمٰن
دارالافتاء ربوہ

سوال نامہ

(۱) حضرت صاحبؒ سے آپ کا تعلق کب سے اور کس نوعیت کا رہا ہے؟ کوئی خاص قابل ذکر واقعہ، آپ کے بچپن کا یا آپ کی تعلیم سے متعلق۔

(۲) حضورؒ کی شخصیت کے متعلق آپ کا تاثر کیا ہے؟ ذاتی معلومات نیز نتیجہ سے متعلق وجوہات بھی تحریر فرمائیں تو شکر گزار ہوں گا۔

(۳) روحانی کمالات، قبولیت دعا سے متعلق نشانات، تاثیر مجلس، مجلس علم و عرفان، حضورؒ کی کوئی خاص خواب جو آپ کو یاد ہو۔

(۴) حضورؒ کے مقام یا کام کے متعلق آپ کو کوئی خاص خواب آئی ہو یا اس کا معین طور پر علم ہو یا کوئی واقعہ۔

(۵) اللہ تعالیٰ، آنحضرت ﷺ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور دوسرے انبیاءؑ،

خلفاء اور اولیاء سے آپ کی محبت اور ان کا دلی احترام۔

(۶) آپ کی علمی خدمات، قرآن کی خدمت، پُر معارف تفسیر، بصیرت، ادبی ذوق، نکتہ رسی، علمی کمالات، علوم جدیدہ سے واقفیت۔

(۷) مذہبی خدمات اور اشاعتِ اسلام سے متعلق آپ کا کام، مشن، کتب، رسائل، اخبارات اور مکتوبات۔

(۸) جماعتی خدمات، تاسیس مجلس مشاورت، تنظیم صدر انجمن احمدیہ، تحریک جدید، وقفِ جدید، انصار اللہ، خدام الاحمدیہ، اطفال الاحمدیہ، لجنہ اماء اللہ، ناصرات الاحمدیہ، دار القضاء، دار الافتاء، تعلیمی ادارے، مالی تنظیم۔

(۹) جماعتی مشکلات میں آپ کی رہنمائی، بیرونی اور اندرونی فتنوں کا مقابلہ، ہجرت، مہاجرین جماعت کی آبادکاری، تاسیسِ مرکز، آبادہ ربوہ۔

(۱۰) عام خدمات۔ سیاسی بصیرت:

(ا) مسلمانوں کی بھلائی اور بہتری کے لئے اقتصادی اور سیاسی خدمات۔

(ب) قوم اور ملک بلکہ ساری انسانیت کی بہتری کے لئے خدمات۔

(ج) ملکانہ تحریک اور تحریک آزادیٔ کشمیر سے متعلق خدمات، احمدیہ کور، فرقان فورس۔

(۱۱) آپ کی تقاریر، انداز، تاثیر۔ اصلاحی تقریر (مواعظ) علمی تقاریر، سیاسی تقاریر، کوئی خاص واقعہ یا اثر۔

(۱۲) تصنیفات۔ اندازِ تصنیف کے بارہ میں آپ کی ذاتی معلومات، قلم برداشتہ لکھنا، نظم و نثر۔

(۱۳) آپ کے سفر۔ کیا کسی سفر میں آپ ساتھ رہے یا بحالتِ سفر حضورؓ سے آپ کی ملاقات ہوئی؟ خاص اہم واقعات جو آپ کے علم میں ہوں مطلوب ہیں۔

(۱۴)حضورؓ کے تعلقات اپنے خاندان سے:۔

(ا)بیٹا ہونے کی حیثیت سے ماں باپ کا احترام،ان سے محبت۔

(ب)بہن بھائیوں سے محبت اور تعلق۔

(ج)ازواج سے تعلقِ محبت،حقوق کی ادائیگی، درگزر اور چشم پوشی۔

(د)اولاد سے محبت،تربیت،لڑکوں اور لڑکیوں سے آپ کا حسنِ سلوک۔

(ھ)دوسرے عزیزوں سے تعلق، پوتوں،نواسوں،بھتیجوں، بھانجوں وغیرہ سے۔

(و)فیملی ہیڈ ہونے کے لحاظ سے ذمہ داریوں کو کس طرح نبایا۔

(۱۵)عام انفرادی تعلقات، دوست احباب کے ذاتی معاملات میں دلچسپی لینا۔افرادِ جماعت سے حضورؓ کا ذاتی ،انفرادی تعلق۔

(۱۶) اخلاق۔صدق، اخلاص، انصاف، محبت، رحم،حلم، ہمدردی، احسان، فیاضی، سخاوت،مردم شناسی،مہمان نوازی، جرأت، دبدبہ،رعب،حوصلہ،شجاعت،شدید مصائب اور سخت مشکلات میں حواس کا قائم رہنا۔صبر،استقامت،اعتدال،نظم وضبط،گرفت،طریق کار،تقسیم اوقات، معاملہ فہمی، تیزفہمی، دوراندیشی، سادگی مزاج،خوش طبعی،عزیزوں بلکہ دشمنوں تک سے حسنِ سلوک۔

(۱۷)حضورؓ کی سیرت سے متعلق ایسے واقعات جن سے انسانی فطرت کے کسی خاص پہلو پر روشنی پڑتی ہو۔

(۱۸) مشاہیر سے تعلقات،علمی، ادبی، اقتصادی، سیاسی۔لیڈر، پروفیسر، جج، وکیل، ادیب،سائنسدان،حکام۔

(۱۹) ملکی انتخابات سے دلچسپی، سیاسی تحریکوں کے بارہ میں رویہ،مسلم مجالس کی مالی امداد،مسلمانوں کے حقوق،ملکی تقسیم اور قیام پاکستان کے سلسلہ میں آپ کی خدمات۔

(۲۰) ماتحتوں سے سلوک اور ان سے کام لینے کا انداز۔ ان کی تربیت، لیاقت اور خدمات کی قدر دانی۔ حقوق کا خیال۔ امراء، ناظران، وکلاء تحریک جدید، پرائیویٹ سیکرٹری اور عملہ دفاتر۔

(۲۱) پرائیویٹ مجالس، بے تکلف دوست، علمی اور ادبی لطائف، ذوق شعر و شاعری، چھوٹوں سے پیار کا انداز، ان سے مذاق، ان کا دل خوش کرنا۔

(۲۲) ذاتی زندگی۔ صفائی، لباس، خوراک، رہن سہن، مغرب کی اچھی باتوں کو اپنانے کے بارہ میں اندازِ فکر۔

(۲۳) عام دلچسپیاں۔ عطر بنانا، طب و علاج، سیر و تفریح، شاہ سواری، تیراکی، شکار اور دوسرے کھیل۔ زمیندارہ، تجارت۔

آپ کے بہترین تعاون کا شکر گزار
ملک سیف الرحمٰن
دارالافتاء ربوہ

جب مکرم چوہدری ظہور احمد صاحب آڈیٹر نے مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب کے استفسار پر خوب لبیک کہا اور اپنے قلبی تاثرات سپردِ قلم کر کے ارسال کر دیئے تو مکرم ملک صاحب موصوف نے مکرم چوہدری صاحب مرحوم کا ان الفاظ میں شکریہ ادا کیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

نمبر 130 تاریخ 12/9/66
دارالافتاء ربوہ

محترم چوہدری صاحب۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضور رضی اللہ عنہ کی سیرت سے متعلق مرقومہ واقعات موصول ہوئے بہت دلچسپ اور مفید معلومات ہیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

آپ اس قسم کے سارے واقعات جو بھی یاد آ سکیں تحریر کر کے ارسال فرماویں۔ آپ کا شکرگزار رہوں گا۔

والسلام

خاکسار

ملک سیف الرحمٰن

ربوہ 12/8/67

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

امیر جماعت ہائے احمدیہ کوئٹہ وقلات ڈویژنز

(مغربی پاکستان)

پتہ: (1)26/7-1 شارع جناح کوئٹہ ٹیلیفون نمبر 2405

نمبر 1460/A تار کا پتہ Medal Beedi

تاریخ 14-11-67

بخدمت مکرم محترم جناب ظہور احمد صاحب آڈیٹر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کی چھٹی محررہ 18-9-67 کی تعمیل میں مطلوبہ واقعہ کی تفصیل ہمرشتہ ھذا آپ کی خدمت میں ارسال ہے۔ آپ کی تحریر بھی لف ہذا ارسال ہے۔

والسلام

خاکسار

برائے امیر جماعت احمدیہ کوئٹہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

۔۔۔۔۔ مارکیٹ کوئٹہ

مکرم جناب ظہور احمد صاحب آڈیٹر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جس واقعہ کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے۔ وہ حضور پر قاتلانہ حملہ سے 15 دن بعد فریقین پیش ہوئے تھے۔ حضور کو پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اسی تکلیف کے پیشِ نظر ہی فریقین نے پیش ہونے سے قبل ہی آپس میں تصفیہ کر لیا تھا کہ حضور کو سماعت سے تکلیف نہ ہو۔ یہ حملہ والے سال اور حملہ سے قریباً 15 دن بعد کی پیشی کا واقعہ ہے۔ میں خود بھی اس مقدمہ میں فریق کی حیثیت سے ربوہ حاضر ہوا تھا اور بوقتِ پیشی بھی موجود تھا۔

والسلام

خاکسار

عبدالاحد

14-11-67

سن کا واقعہ ہے کہ ایک مقام کی انجمن احمدیہ کے مخلص افراد کے دو فریقوں میں ایک بہت بڑے کاروبار کے لین دین کا تنازعہ تھا۔ یہ تنازعہ آخری صورت میں فیصلہ کی غرض سے سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے حضور پیش تھا۔ خاکسار راقم الحروف کو حضور کا یہ ارشاد موصول ہوا کہ فلاں تاریخ کو فلاں کیس حضور کے سامنے فیصلہ کی غرض سے پیش ہوگا۔ اور یہ کہ حضور نے اس کیس کے لئے اپنے ساتھ تین اسیسر مقرر فرمائے ہیں۔ یہ تین اسیسر:۔

۱۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے

۲۔ محترم میر محمد بخش صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعتہائے احمدیہ ضلع گوجرانوالہ

۳۔ اور خاکسار ظہور احمد تھے۔

ہدایت فرمائی گئی تھی کہ ہم تینوں اس مقررہ تاریخ پر حضور کے سامنے پیش ہو کر حضور کے ساتھ رہیں۔ تاریخ مقررہ پر ہم تینوں حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضور نے فرمایا کہ یہ کیس بہت اہم ہے۔ جماعت بھی بڑی مخلص ہے اور دونوں فریق مخلص افراد پر مشتمل ہیں۔ فریقین مجھے وقتاً فوقتاً علیحدہ علیحدہ ملتے رہے ہیں اور اس کیس کے متعلق بھی بیان کرتے رہیں ہیں۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ پہلے سنی ہوئی کوئی بات مقدمہ کے فیصلہ پر اثر انداز نہ ہو۔ اس لئے میں نے آپ تینوں کو اپنے ساتھ رکھا ہے کہ آپ مجھے مشورہ دے سکیں تاکہ مجھے صحیح فیصلہ کرنے میں آسانی رہے۔

فریقین کو بلوایا گیا۔ انہوں نے حاضر ہوتے ہی حضور کے سامنے ایک مشترکہ درخواست

پیش کر دی جس میں درج تھا۔ کہ ہم نے آج صبح آپس میں بات چیت کی ہے۔ اور اپنے آپ کو ملامت بھی کی ہے۔ کہ ہمارے آقا تو بیمار ہوں اور ہم آپس میں جھگڑا کر کے حضور کو تکلیف دیں (حضور پر ان دنوں ایک بد باطن نے قاتلانہ حملہ کیا تھا اور حضور زخموں کی وجہ سے بیمار تھے) اس کے بعد ہم نے ایک فیصلہ بتراضیٔ فریقین کر لیا ہے۔ جو اس درخواست کے ساتھ پیش ہے۔ حضور اسے جاری فرمانے کی ہدایت فرما دیں۔ اور ہمارے لئے دعا فرمائیں۔

حضور اس پر بہت خوش ہوئے اور فریقین کو اپنے مجوزہ انتظام کے متعلق بھی بتایا۔ فریقین حیران رہ گئے کہ حضور نے انصاف کے لئے کس قدر احتیاط برتی۔ اور اپنے ساتھ تین مشیر بھی رکھ لئے۔

کشمیر کی تحریک میں حصہ خادم نوازی

(۱) 24 جون 31ء کو حضرت مصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قادیان سے شملہ تک کا وہ تاریخی سفر کیا تھا جس میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ جبکہ وہ حضور کی شملہ میں قیام گاہ ''منیر ویو'' کوٹھی میں ہندوستان کے تمام قابل ذکر مسلم لیڈر جمع ہوئے اور سر محمد اقبال صاحب کی تجویز اور تمام کے تمام جمع شدہ لیڈران کی تائید اور اتفاق سے حضور اس کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے۔ راقم الحروف کو اس سفر میں حضور کے ہمراہیوں میں (عمر میں پہلی مرتبہ) شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی۔ جس روز ہم شملہ پہنچے تو سفر کی تکان کی وجہ سے مجھے نیند آ گئی۔ ابھی کھانا نہیں کھایا تھا۔ جب کھانے کا وقت ہوا حضور کھانے کے کمرہ میں تشریف لے گئے۔ خاکسار وہاں نہ تھا۔ حضور نے سید محمد یامین صاحب کو (جو حضور کے باورچی تھے) بھجوایا کہ ظہور احمد نہیں اسے ڈھونڈ کر لاؤ۔ وہ آئے مجھے جگایا کہ حضور انتظار فرما

رہے ہیں جلدی چلو۔ میں نے جلدی سے ہاتھ منہ دھویا اور حاضر ہو گیا۔ چھوٹی عمر تھی نا تجربہ کار تھا۔ ڈرتا ہوا گیا کہ حضور ناراض ہوں گے۔ میرے پہنچتے ہی حضور نے مسکراتے ہوئے سید محمد یامین صاحب کو فرمایا۔ سب آ گئے ہیں اب کھانا لے آؤ۔ بعد میں مَیں دیکھا کہ حضور کا یہ طریق تھا کہ سفر میں حضور اپنے تمام ہمراہیوں کے آرام کا چاہے وہ کسی درجہ کے ہوتے ہر طرح سے خیال رکھتے۔ سب کا انتظار کر کے کھانا شروع فرماتے اور اگر کوئی ساتھی باہر کام پر گیا ہوتا تو خادم کو بار بار تاکید فرماتے کہ ان کا کھانا رکھ چھوڑنا تاکہ جب واپس آئیں تو کھا سکیں۔

سادہ خوراک، دوسرے احباب سے بے تکلفی

(۲) آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے کاموں کے سلسلہ میں حضور کو بار بار سفر کرنے پڑتے۔ ایک دفعہ حضور لاہور تشریف فرما تھے لٹن روڈ پر ''الفیض'' نامی ایک کوٹھی میں احمدیہ ہوسٹل ہوا کرتا تھا۔ وہیں حضور اکثر قیام فرماتے۔ حضور کا طریق تھا کہ کھانے کا وقت ہو جاتا تو اس وقت جو بھی ملنے والے آئے ہوتے ان کو بھی کھانا میں شریک فرماتے۔ ایک دفعہ مولانا عبدالمجید سالک صاحب مرحوم اور مولانا غلام رسول صاحب مہر آئے ہوئے تھے۔ کھانے کا وقت ہو گیا حضور نے ان سے فرمایا آیئے کھانا کھا لیں۔ ہم جو حضور کے ہمراہ تھے۔ سب کھانے میں شامل ہوئے۔ کھانا بہت ہی سادہ تھا۔ تنوری روٹیاں اور پتلا شوربہ۔ حضور جس وقت کھانا کھا کر اندر تشریف لے گئے۔ تو سالک صاحب مرحوم نے مولانا عبدالرحیم صاحب درد کو مخاطب کر کے مذاقاً فرمایا ''درد صاحب اس قسم کا کھانا حضرت صاحب کو تو بے شک کھلا دیا کریں۔ ہمیں یہ ہضم نہیں ہوتا۔'' پھر حضور کی تعریف کرنے لگے کہ اتنا سادہ کھانا بھی کس طرح مزے سے کھایا ہے۔ اور ماتھے پر شکن تک نہیں آئی۔

دوسروں کی دعوت کے لئے کھلے دل سے سخاوت

(۳) ایک دفعہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی مجلس عاملہ کا اجلاس لاہور میں بعداز عصر ہونا تھا۔حضور نے مجھے ارشاد فرمایا کہ میں لورنگیس میں جگہ کی ریز رویشن اور آنے والے احباب کی چائے کا انتظام کر کے آؤں۔(لورنیگس مال روڈ پر ایک اعلیٰ درجہ کا ریسٹورنٹ تھا) میں نے واپس آ کر حضور کو اطلاع دی کہ کمرہ بھی ریز رو ہو گیا ہے۔اور چائے کا انتظام بھی ہو گیا ہے۔چائے کا وہ Per head چارج کرتے ہیں۔اور چائے کے ساتھ ناشتہ میں یہ یہ چیز دیتے ہیں۔حضور نے فرمایا کہ اجلاس میں شریک ہونے والے احباب پُرتکلف کھانوں کے عادی ہیں۔اس لئے تم دوبارہ جاؤ اور ناشتہ میں یہ یہ چیز زائد کروادو۔اس کی قیمت ہم علیحدہ دے دیں گے۔میں نے ارشاد کی تعمیل کے بعد حضور کو اطلاع کر دی۔حضور کا یہ طریق تھا کہ جب کسی کے سپرد کوئی کام ہوتا چھوٹا ہو یا بڑا۔اس کی سرانجام دہی کے بعد حضور کو رپورٹ دینا لازمی ہوتا تھا۔

نومسلم سے حسن سلوک، نصائح اور چشم پوشی

(۴) ایک انگریز عیسائی مسٹر ڈیسے Mr Daisey مسلمان ہو گئے۔وہ ایک عرصہ قادیان میں بھی رہے۔پھر لاہور چلے گئے۔عیسائیوں کے لالچ اور دباؤ کی وجہ سے پھر عیسائی ہو گئے۔وہ لورینگس میں اسسٹنٹ مینجر تھے۔قادیان میں میری ان سے اچھی سلام دعا تھی۔میں لورنیگس میں گیا تو وہ مجھے مل گئے میں نے ان سے کہا کہ حضور آج یہاں تشریف لا رہے ہیں۔اگر چاہو تو ملاقات کر لینا۔اس نے جواب دیا کہ حضور کے مجھ پر بہت احسان ہیں میں کس منہ سے حضور کو ملوں۔میں نے حضور سے اس کا ذکر کر دیا۔حضور جب اجلاس کے لئے تشریف لائے تو مسٹر ڈیسے نے ایک طرف ہونا چاہا۔حضور نے اسے

بلایا۔ گردن نیچی کر کے کھڑا ہو گیا۔ بہت شرمندہ تھا۔ حضور نے اس سے اس کی کوتاہیوں کا ذکر تک نہ کیا اور اور باتیں کیں۔ دو تین مرتبہ مجھ سے اس کا ذکر اور حضور کے اعلیٰ اخلاق کی تعریف کی۔

انصاف اور افراد جماعت کی بھلائی کی تمنا

(۵) 1955ء کا واقعہ ہے کہ ایک مقام کی انجمن احمدیہ کے مخلص افراد کے دو فریقوں میں ایک بہت بڑے کاروبار کے لین دین کا تنازعہ تھا۔ یہ تنازعہ آخری صورت میں فیصلہ کی غرض سے سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے حضور پیش تھا۔ خاکسار راقم الحروف کو حضور کا یہ ارشاد موصول ہوا کہ فلاں تاریخ کو فلاں کیس حضور کے سامنے فیصلہ کی غرض سے پیش ہوگا۔ اور یہ کہ حضور نے اس کیس کے لئے اپنے ساتھ تین اسیسر مقرر فرمائے ہیں۔ یہ تین اسیسر:

ا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے

۲۔ محترم میر محمد بخش صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعتہائے احمدیہ ضلع گوجرانوالہ

۳۔ اور خاکسار ظہور احمد تھے۔

ہدایت فرمائی گئی تھی کہ ہم تینوں اس مقررہ تاریخ پر حضور کے سامنے پیش ہو کر حضور کے ساتھ رہیں۔ تاریخ مقررہ پر ہم تینوں حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضور نے فرمایا کہ یہ کیس بہت اہم ہے۔ جماعت بھی بڑی مخلص ہے۔ اور دونوں فریق مخلص افراد پر مشتمل ہیں۔ فریقین مجھے وقتاً فوقتاً علیحدہ علیحدہ ملتے رہے ہیں اور اس کیس کے متعلق بھی بیان کرتے رہیں ہیں۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ پہلے سنی ہوئی کوئی بات مقدمہ کے فیصلہ پر اثر انداز نہ ہو۔ اس لئے میں نے آپ تینوں کو اپنے ساتھ رکھا ہے کہ آپ مجھے مشورہ دے سکیں

تا کہ مجھے صحیح فیصلہ کرنے میں آسانی رہے۔

فریقین کو بلوایا گیا۔ انہوں نے حاضر ہوتے ہی حضور کے سامنے ایک مشترکہ درخواست پیش کر دی جس میں درج تھا۔ کہ ہم نے آج صبح آپس میں بات چیت کی ہے۔ اور اپنے آپ کو ملامت بھی کی ہے۔ کہ ہمارے آقا تو بیمار ہوں اور ہم آپس میں جھگڑا کر کے حضور کو تکلیف دیں (حضور پر ان دنوں ایک بد باطن نے قاتلانہ حملہ کیا تھا اور حضور زخموں کی وجہ سے بیمار تھے) اس کے بعد ہم نے ایک فیصلہ بتراضیٔ فریقین کر لیا ہے۔ جو اس درخواست کے ساتھ پیش ہے۔ حضور اسے جاری فرمانے کی ہدایت فرما دیں۔ اور ہمارے لئے دعا فرمائیں۔

حضور اس پر بہت خوش ہوئے اور فریقین کو مقدمہ کی سماعت کے متعلق اپنے مجوزہ انتظام کے متعلق بھی بتایا۔ فریقین حیران رہ گئے کہ حضور نے انصاف کے لئے کس قدر احتیاط برتی۔ اور اپنے ساتھ تین مشیر بھی رکھ لئے۔

جماعتی ابتلا، صبر و رضا کی تلقین دین کے لئے غیرت

(۶) احراریوں نے حکومت انگریزی کے کارندوں کی شہ پر جب احمدیوں کو ہر طرح دکھ دینے بلکہ مٹانے کی مہم جاری کی تو اس وقت ان کی ایک سکیم یہ بھی تھی کہ مختلف احمدیوں کو جھوٹے مقدمات میں ملوث کیا جائے۔ راقم الحروف کو اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت نصیب فرمائی کہ اس سلسلہ میں دکھی baqi۔۔۔ جو سب سے پہلا مقدمہ دائر کیا گیا اس میں خاکسار کو بھی ملزم بنایا گیا اور پھر اس کے بعد تو مقدمات ہوتے ہی رہے۔ قبرستان کا بڑا مشہور مقدمہ تھا اس میں ہماری بیسیوں پیشیاں ہوئیں۔ مجسٹریٹ علاقہ سخت معاند احمدیت تھا۔ اس نے ہم میں سے بعض کو جرمانہ کی سزائیں دے دیں۔ راقم الحروف اور مولانا

عبدالرحمٰن صاحب جٹ کو بھی سزا ہوئی۔ عدالت سیشن میں اپیل کی گئی۔

جس روز اپیل کی پیشی تھی اس سے پہلی رات (یعنی اتوار اور پیر کی درمیانی رات 13 جون 1937ء کو) سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے مولانا جٹ صاحب اور خاکسار کو عشاء کی نماز سے پہلے مسجد مبارک کی بالائی چھت پر بلا کر حکم دیا کہ جن لوگوں کی کل اپیل ہے۔ ان سب کو عشاء کی نماز کے بعد یہاں میرے پاس لے آؤ۔ ہم نے سب کو اکٹھا کیا اور نماز عشاء ادا کر کے مسجد کی بالائی چھت پر حاضر ہو گئے۔ حضور نے مختصر سی تقریر فرمائی اور فرمایا کہ یہ مقدمہ ناحق اور جھوٹ کی بنا پر بنیاد رکھتے ہوئے آپ لوگوں پر کیا گیا ہے۔ ہم تو مظلوم ہیں لیکن ہمیں ظالم ظاہر کیا جا رہا ہے۔ اپنے ملکیتی قبرستان میں آپ لوگ بہت کو دفن کرنے گئے۔ احرار حملہ آور ہوئے۔ پولیس بجائے اس کے کہ حملہ آوروں کے خلاف مقدمہ کرتی اور انہیں قرار واقعی سزا دلواتی الٹا ہمارے آدمیوں کے خلاف مقدمہ قائم کر دیا اور اب ایک متعصب جج نے جھوٹی شہادتوں پر انحصار رکھتے ہوئے۔ آپ لوگوں کو سزا بھی دے دی ہے۔ اپیل میں بھی اگر آپ لوگوں کے ساتھ ناانصافی ہو تو کیا آپ لوگ بطور احتجاج اور دنیا پر اپنی مظلومیت کو واضح طور پر ظاہر کرنے کے لئے جرمانہ ادا کرنے کی بجائے جیل جانے کو ترجیح دے سکتے ہیں۔

سب نے پورے زور سے اقرار کیا کہ اگر اس غرض سے ہمیں ساری عمر بھی جیل میں کاٹنی پڑے تو ہم اسے سعادت یقین کریں گے۔ حضور نے فرمایا کہ پھر آپ کو اس کی اجازت ہے۔ دوسرے روز 14 جون 37ء کو گورداسپور میں ہماری اپیل پیش ہوئی۔ لیکن بحث سننے کے بعد فیصلہ 16 جون 37ء پر ملتوی کر دیا گیا۔ انگریز سیشن جج تھا۔ اس نے مولانا جٹ صاحب اور ولی محمد قریشی کی سزاء بحال رکھی۔ مجسٹریٹ نے ولی محمد کو تا برخواست عدالت سزا قید دی تھی۔ فیصلہ سنانے کے پندرہ منٹ بعد عدالت برخواست ہو گئی تھی۔ اس لئے ان کی سزا پوری ہو چکی تھی) مولوی عبدالرحمٰن صاحب آگے بڑھے اور سیشن جج سے کہا کہ میں اس

فیصلہ کو غلط سمجھتا ہوں۔حملہ آور ظالم تھے ان کو کچھ نہیں کیا گیا۔ہم جو مظلوم تھے ہمیں سزا دی جا رہی ہے۔میں جرمانہ ہرگز ادا کرنے کے لئے تیار نہیں میں جیل جانے کو ترجیح دیتا ہوں۔

انگریز سیشن جج کے لئے یہ واقعہ انتہائی غیر معمولی تھا کہ ایک معزز انسان ایک سو روپیہ جرمانہ ادا کرنے کی بجائے بڑے فخر کے ساتھ جیل جانے کو تیار ہے۔اس نے ماتھے پر ہاتھ رکھا، اردلی کو پانی لانے کے لئے کہا جس نے پانی کا گلاس لا کر رکھ دیا۔جج نے ایک گھونٹ پانی پیا۔اسے اپنے فیصلہ پر یقیناً افسوس ہوا ہوگا لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔وہ فیصلہ سنا چکا تھا اسے تبدیلی کرنے کا مجاز نہ تھا۔مولوی صاحب کو سمجھانے لگا کہ جرمانہ ادا کر دیں۔جیل نہ جائیں۔پھر یہاں تک کہا کہ آپ کو تین گھنٹے سوچنے کے لئے بھی دیتا ہوں۔یہ وقت گزرنے کے بعد بھی جب مولوی صاحب پھر اس کے سامنے پیش ہوئے اور کوہ وقار سے اپنے پہلے فیصلہ پر قائم رہے۔آخر اس نے کہا کہ انتہائی دکھ کے ساتھ میں آپ کو جیل بھیج رہا ہوں۔ہم سب جیل کے دروازہ تک مولوی صاحب کے ساتھ گئے۔راقم الحروف بعد میں جیل میں جا کر بھی مولوی صاحب سے ملاقات کرتا رہا۔بڑے خوش اور ہشاش بشاش تھے۔جیل میں قیدیوں نے مولوی صاحب کی پیر کی طرح عزت شروع کر دی تھی۔اور ان کی مخلصانہ طریق پر خدمت کرتے رہے۔جیل کا سارا عملہ آپ کا احترام کرتا تھا۔

سلسلہ کے لئے قربانیاں دینے والوں کی قدر

(۷) مقدمہ قبرستان کے سلسلہ میں جب 9 جولائی 1937ء کو جیل سے مولوی عبدالرحمٰن صاحب رہا ہوئے تو ہمیں بذریعہ فون اطلاع ملی۔راقم الحروف ان دنوں گورداسپور ڈسٹریکٹ نیشنل لیگ اور قادیان نیشنل لیگ کا جنرل سیکرٹری تھا۔لیگ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ مولوی صاحب کی آمد پر شاندار استقبال کیا جائے اور پھر جلوس نکالا

جائے گا۔ حضور نے خاکسار کو بلوایا اور فرمایا کہ میں استقبال اور جلوس سے منع نہیں کرتا۔ ضرور ایسا کریں لیکن اس ساری کارروائی میں ہمارے دوستوں کی طرف سے کوئی ایسی حرکت یا بات نہیں ہونی چاہئے جو سلسلہ احمدیہ کے وقار کے خلاف ہو۔ کوئی اشتعال انگیز یا مردہ باد کا نعرہ نہیں ہونا چاہئے۔ ہاں اپنی مظلومیت کے اظہار کے لئے مناسب نعرہ لگایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جلوس میں جو نعرے لگانے منظور ہوئے۔ وہ نعرہ تکبیر، اور زندہ باد کے ضروری نعروں کے علاوہ یہ تھے:

ظلم............برباد

سچ کا............بول بالا

جھوٹ کا............منہ کالا۔

ایک پارٹی پہلا حصہ بولتی تھی اور دوسری دوسرا حصہ لوگوں میں بڑا جوش تھا۔ بوڑھے، بچے، جوان سب شریک ہوئے۔ ہمارے نعرے بڑے نرالے تھے۔ حکومت کے افسران سنتے تھے اور سٹپٹاتے تھے کہ ہمیں ظالم اور جھوٹے کہا بھی جارہا ہے لیکن نہایت احسن طریق پر۔

خادم نوازی

(الف ۷) حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے خدام سے جو محبت تھی اور جس طرح حضور وقتاً فوقتاً ان کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی فرماتے رہتے اس کا ہم آئے دن مشاہدہ کرتے تھے۔ ایک مثال عرض کرتا ہوں۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ جیل سے رہائی کے بعد پانچ بجے شام کی گاڑی سے قادیان پہنچ رہے تھے۔ نیشنل لیگ نے ان کے استقبال اور جلوس کا انتظام کیا تھا۔ ہم سب لوگ سٹیشن پر پہنچ چکے تھے کہ حضور گاڑی آنے

سے چند سیکنڈ پہلے بغیر اطلاع سٹیشن پر تشریف لے آئے۔ گاڑی رکی مولوی صاحب باہر آئے۔ حضور نے نہ صرف مصافحہ فرمایا بلکہ معانقہ کا بھی شرف عطا فرمایا۔ اس کے بعد حضور تشریف لے گئے اور خاکسار کو (نیشنل لیگ کا جنرل سیکرٹری ہونے کی وجہ سے) فرما گئے کہ اب آپ اپنا پروگرام جاری رکھیں۔

11 جولائی 1937ء کو جب مولوی صاحب کے اعزاز میں ہم نے لیگ کی طرف سے وسیع پیمانہ پر دعوت دی حضور نے میری درخواست پر اس میں شمولیت اور تقریر فرمانا منظور فرما لیا۔ خاکسار نے ایڈریس پڑھا مولوی صاحب نے جواب دیا۔ پھر حضور نے نہایت قیمتی اور زریں ہدایات سے نوازا۔ اس تقریر کے نتیجہ میں نوجوانوں کے حوصلے قربانیوں کے لئے بہت بلند ہو گئے۔ حضور اس اجلاس میں غیر معمولی طور پر زیادہ وقت تشریف فرما رہے۔

پیش بینی اور سلسلہ کے لئے آخری وقت تک تدابیر

(۸) مقدمات میں چھوٹی عدالتوں سے تو بعض افراد کو سزائیں بھی ہوئیں لیکن آخر کار سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کا فرمان کہ ''سچ کا بول بالا اور جھوٹ کا منہ کالا ہوتا رہا'' مقدمہ قبرستان میں سیشن جج کے فیصلہ کی اپیل ہائی کورٹ میں دائر کر دی گئی۔ یہ اپیل ایک انگریز جج جسٹس سکیمپ کے سامنے پیش ہوئی جو کسی زمانہ میں گورداسپور میں سیشن جج رہ چکا تھا۔ حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جماعت سے اچھی طرح واقف تھا۔ استغاثہ کی طرف سے ہمارے خلاف بالکل جھوٹی شہادتیں پیش ہوئی تھیں۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت دور بین نظر عطا فرمائی تھی۔ جب ہم قبرستان میں میت کو دفن کرنے جا رہے تھے تو حضور کا ارشاد پہنچا کہ کیمرہ والا آدمی ساتھ لے جاؤ جو مختلف وقتوں کے فوٹو لے لے۔ ارشاد کی تعمیل کی گئی۔ جب پولیس نے حملہ آوروں کو چھوڑ کر الٹا

ہمارے خلاف مقدمہ دائر کر دیا تو وہ فوٹو اسی وقت شامل کر کے ملک کے ایک مشہور بنک میں راقم الحروف کی طرف سے جمع کرا دیئے گئے۔

بعد میں صفائی کے گواہان میں اس بنک کے منیجر کو معہ اس سربمہر لفافہ کے طلب کیا گیا۔ یہ لفافہ میری درخواست پر خود مجسٹریٹ نے کھولا۔ استغاثہ کے ہر گواہ نے یہ شہادت دی تھی کہ عبدالرحمٰن اور ظہور احمد خاکسار وردیوں میں ملبوس تھے۔ نکریں اور پیٹیاں پہنی ہوئی تھیں۔ وسل بجا بجا کر یہ نوجوانوں کو حکم دے رہے تھے کہ احراریوں کو مارو (دراصل یہ شہادتیں، اس سازش کے ماتحت تھیں کہ نیشنل لیگ کو بدنام کر کے اسے خلاف قانون جماعت قرار دینے کی کوشش کی جائے) تصویر میں ہم دونوں عام سفید لباس میں تھے۔ قبر پر مٹی ڈالی جارہی تھی اور احراری حملہ آور وہیں تھا۔

اپیل کے وقت حضور نے فرمایا کہ یہ بہت عمدہ نقطہ ہے اس پر بھی ہائی کورٹ کو توجہ دلائی جائے۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب اور ظہور احمد اسی لباس میں پیشی کے وقت عدالت میں موجود رہیں۔ اس ہدایت کی تعمیل میں محترم شیخ بشیر احمد صاحب جو ہائی کورٹ میں بھی ہمارے وکیل تھے۔ جج کو تصویر دکھائی اور پھر ہم دونوں کو کھڑا کر کے بتایا کہ یہ عبدالرحمٰن اور ظہور احمد ہیں جن کے متعلق ہر گواہِ استغاثہ نے یہ کہا ہے کہ نکریں اور وردیاں پہنے بیلٹ لگائے ہوئے تھے۔ جج تصویر میں ہمیں دیکھ کر خوب ہنسا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ میں کئی سال گورداسپور میں رہا ہوں۔ احمدی بہت اچھے لوگ ہیں اور میں مرزا صاحب (امام جماعت احمدیہ) کو ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ بالآخر اپیل منظور ہوئی۔ مولوی صاحب بری قرار پائے اور ظلم برباد ہوگیا۔

دوسرے معززین کے دلوں میں حضور کا احترام

(۹) حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہندوستان کے مسلمہ لیڈروں کے دلوں میں کیا مقام تھا اس سلسلہ میں ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔ ایک مقدمہ قتل میں ہائی کورٹ کے ججوں نے حضور کے خلاف بلا وجہ کچھ غلط ریمارکس دے دیئے۔ حالانکہ اس کیس میں حضور نہ مدعی تھے نہ مدعا علیہ اور نہ گواہ۔ ہماری طرف سے ان ریمارکس کو فیصلہ کے حذف کرنے کی درخواست ہائی کورٹ میں پیش تھی۔ حضور لاہور میں محترم شیخ بشیر احمد صاحب کے مکان پر مقیم تھے راقم الحروف بھی اس سفر میں حضور کے ہمراہیوں میں شامل تھا۔ میں باہر سے شیخ صاحب کے مکان کی طرف آ رہا تھا۔ ٹمپل روڈ پر جب میں مکان کی طرف بڑا تو سر شیخ عبد القادر صاحب اپنی کوٹھی سے نکلے کتابوں کا ایک اچھا خاصا بنڈل جو سفید کپڑے میں بندھا تھا اٹھائے ہوئے تھے اور پیچھے ان کا خادم خالی ہاتھ آ رہا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ شیخ صاحب حضرت صاحب کے حضور تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں آگے بڑھا اور شیخ صاحب سے کہا یہ کتابیں مجھے دے دیں میں اٹھا لیتا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ خادم میرے ساتھ ہے۔ میں اسے بھی یہ کتابیں اٹھانے کے لئے دے سکتا تھا۔ لیکن میں یہ کتابیں ایک مشورہ عرض کرنے کے لئے حضور صاحب کے پاس لے جا رہا ہوں۔ آپ کے ادب اور محبت کا تقاضا ہے کہ میں ان کو خود اٹھا کر لے جاؤ۔ چنانچہ وہ اسی صورت میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کتابوں کے حوالہ جات نکال کر بتایا کہ ججوں نے غلط کارروائی کی ہے۔ (اس کیس میں قابل اعتراض الفاظ حذف کر دیئے گئے تھے)

⌘ ❍ ❖ ❍ ⌘

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا مخالفین سے احسان کا سلوک

(1)

مسجد شہید گنج ایجی ٹیشن بڑے زوروں پر تھی۔ حکومت نے اس تحریک کے سرکردہ لیڈروں کو گرفتار کر کے مختلف شہروں میں نظر بند کر دیا۔ ایک لیڈر پنجاب کے ایک دور دراز کے ضلع میں نظر بند تھے۔ حضرت امیر المؤمنین ایدّہ اللہ بنصرہ العزیز کو علم ہوا کہ وہ سخت تنگی کی حالت میں ہیں اور اُن کے لاہور سے چلے جانے کے بعد اُن کا کاروبار بند ہو رہا ہے۔ یہ صاحب ہمارے عقائد کے مخالف تھے اور احمدیت کے خلاف متعدد مضامین لکھ چکے تھے۔ حضورؓ نے مجھے بُلا کر ایک بڑی رقم جو غالباً پانچ سو روپیہ تھی اور ایک خط دیا کہ فلاں لیڈر فلاں مقام پر نظر بند ہیں۔ انہیں یہ رقم اور خط احتیاط سے دے آؤ۔ میں اُسی وقت روانہ ہو گیا۔ یہ لیڈر کشمیر ایجی ٹیشن کے زمانہ کے میرے واقف تھے۔ دوسرے دن اُن کے پاس پہنچا اور حضورؓ کا خط اور روپیہ اُن کے سپرد کر دیا۔ وہ بے انتہا خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اگر حضرت کی طرف سے مجھے یہ مدد نہ پہنچتی تو میرا کاروبار جو مجھے بہت عزیز ہے بند ہو جاتا۔ اب آپ یہ روپیہ اور خط لاہور میرے چھوٹے بھائی کے پاس لے جائیں۔ واپسی پر میں لاہور اُن کے بھائی کو ملا وہ اس قدر خوش ہوئے کہ حضرت صاحب کے خط کو چوما اور کہنے لگے کہ ہم ہر طرف سے مایوس ہو گئے تھے اور میں اخبارات میں اپنے کاروبار کے بند کرنے کا اعلان بھجوا رہا تھا حضرت مرزا صاحب نے آڑے وقت میں ہمیں تباہی سے بچا لیا ہے۔

(2)

تقسیم ملک کے بعد مجھے ایک شخص ملا جو نظام سلسلہ کے خلاف ریشہ دوانیوں کی وجہ سے مشہور تھا بہت پریشان تھا ۔ مجھے پریشانی کی وجہ یہ بتائی کہ میری بہن کی شادی ہو رہی ہے رخصتانہ کی تاریخ بھی مقرر ہو چکی ہے میرے پاس روپیہ نہیں کہ اس شادی کے اخراجات برداشت کرسکوں۔مَیں نے اُسے کہا تم تو جو کچھ ہو اس کا تمہیں علم ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایّدہ اللہ بنصرہ العزیز کے حضور امداد کے لئے درخواست کرو یقین ہے کہ حضورؓ تمہاری ضرور مدد کریں گے۔اُسے اپنے کاموں کا پتہ تھا کہنے لگا اُمید تو نہیں مگر خیر کر کے دیکھ لیتا ہوں۔چند دن کے بعد پھر ملا کہنے لگا کہ ہمشیرہ کی شادی خیر و خوبی سے سرانجام پائی ہے۔ مَیں نے حضورؓ کی خدمت میں جتنی رقم کے لئے لکھا تھا اسی قدر رقم اُنہوں نے مجھے بھجوا دی تھی۔

(3)

کشمیر کے لیڈروں میں سے ایک جو کئی بار آزادیٔ کشمیر کی جدّ وجہد میں جیل جا چکے تھے تقسیم ملک کے بعد پاکستان میں پناہ گزیں ہوئے ۔ یہ صاحب جماعت احمدیہ کے عقائد کے ہمیشہ مخالف رہے اُن کی مخالفت کا اس سے پتہ چل جاتا ہے کہ ایک عالم دین جو اُن کے زیر اثر تھے جماعت احمدیہ میں داخل ہو گئے تو اُنہوں نے اِن کی سخت مخالفت کی اور بہت بُرا بھلا کہا۔تقسیم کے بعد اُنہیں یہاں کسی نے نہ پوچھا بڑھاپے اور بیماری کی وجہ سے کسمپرسی کی حالت ہو گئی ۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں امداد کی درخواست کی حضورؓ نے باقاعدہ ماہانہ امداد مقرر فرمائی ۔کافی عرصہ تک لیتے رہے اور جب بھی غیر معمولی ضرورت ہوتی حضورؓ کی خدمت میں لکھ دیتے ۔ ہزاروں روپے کی امداد ہوتی ۔اُن کے کئی خطوط میرے نام بھی آئے جن میں حضورؓ کے احسانات کا بار بار اعتراف کیا۔

(4)

تقسیم برّصغیر سے قبل اسمبلیوں کے انتخابات ہونے والے تھے۔حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صاحب ایم اے کی زیرنگرانی کام ہورہا تھا۔ایک روز حضرت صاحبزادہ صاحب کی طبیعت کی علالت کی وجہ سے گھر کے مردانہ میں ہی مجھے کام کے متعلق ہدایات لکھوارہے تھے کہ صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب آئے اور اطلاع دی کہ فلاں معاند سلسلہ اپنے علاقہ کے فلاں رئیس کیساتھ محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی کوٹھی پر پہنچا ہے۔یہ شخص ہمارے سلسلہ کا سخت دشمن اور بدگو تھا اس لئے یہ خبر حیران کُن تھی۔ابھی صاحبزادہ صاحب یہ بیان کرہی رہے تھے کہ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کا ایک آدمی آیا اور اُس نے حضرت میاں صاحب کو یہ اطلاع دی کہ فلاں شخص چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب اور فلاں رئیس کی معیت میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایّدہ اللہ بنصرہ العزیز سے ملاقات کررہا ہے۔

حضور کی ہدایت کے ماتحت اب وہ آپ کی ملاقات کے لئے حاضر ہونگے۔چند منٹوں کے بعد چوہدری صاحب محترم اُن کو لے آئے۔مَیں اور صاحبزادہ مرزا حمید صاحب ایک پردہ کے پیچھے ہو گئے۔مبادا وہ زیادہ لوگوں میں بات کرنے سے گھبرا جائے۔چوہدری صاحب نے اُن کا تعارف کرایا اور آنے کی غرض بتائی۔وہ الیکشن میں ایک حلقہ سے اُمیدوار تھے جہاں احمدیوں کے بہت بڑی تعداد میں ووٹ تھے۔اُس نے بڑی لجاجت سے باتیں کیں۔جب وہ چلے گئے تو ہم دونوں نے عرض کیا کہ اس کی ہرگز امداد نہیں ہونی چاہیئے۔آپ نے فرمایا امام وقت بہتر فیصلہ کرسکتے ہیں۔اُس کی مدد کا فیصلہ ہوگیا اور مدد ہوئی۔

یہ شخص اتنا شدید مخالف تھا کہ تقسیم ملک کے بعد یہی رئیس جن کا اُوپر ذکر ہے مجھے ملے۔مَیں نے واقعہ یاد دلایا تو فرمانے لگے کہ جب ہم قادیان گئے جُوں جُوں قادیان کا منارۃ نظر

آ تا تھا ان صاحب کا رنگ زیادہ سے زیادہ زرد ہوتا جا رہا تھا۔ بیت الظفر پہنچ کر مجھے اُن کو قریباً گھسیٹ کر اُتارنا پڑا۔ اُس وقت اُنہوں نے کہا کہ کیا چوہدری صاحب مجھے ملنا پسند بھی کریں گے۔ چوہدری صاحب ملے اور ایسے اچھے اخلاق سے پیش آئے کہ اُن کی ڈھارس بندھی۔ پھر حضرت مرزا صاحب سے ملے تو وہ اُن سے بھی زیادہ اعلیٰ اخلاق سے پیش آئے ۔ ہم لوگوں کا دستور ہے کہ جب کوئی دشمن اس حالت میں آتا ہے تو کم از کم اتنا ضرور جتلا دیتے ہیں کہ تم نے ہم سے یہ یہ زیادتیاں کی ہیں ۔ لیکن میں قربان جاؤں حضرت مرزا صاحب کے اخلاق پر کہ اشارۃً بھی کوئی ایسی بات نہ ہوئی۔ جب ہم قادیان سے واپس آرہے تھے تو میرے اُس ساتھی نے جسے میں لیکر قادیان گیا تھا کہا کہ میں سمجھتا تھا کہ مرزا صاحب سختی سے ہمیں قادیان سے نکلوا دیں گے اور ملاقات تو کسی حالت میں بھی نہ کریں گے لیکن جو کچھ ہوا ہے اس کے بعد میں خیال کر رہا ہوں کہ کیا میں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔ مجھے اسی رئیس کو اس واقعہ سنانے کے چند سالوں کے بعد بھی ایک دفعہ پھر ملنے کا اتفاق ہوا تو یہی واقعہ اُنہوں نے پھر دہرایا۔

(5)

سکھ ایک مؤحد قوم ہے ۔سکھ مذہب کے بانی حضرت بابا نانک علیہ الرحمۃ کو ہم مسلمان یقین کرتے ہیں ۔اس کے باوجود بعض لوگ سکھوں کو مسلمانوں کے خلاف آلۂ کار بناتے چلے آئے ہیں ۔قادیان کے قریب موضع بسراں کی زمین میں جو مذبح تعمیر ہوا وہ سکھوں نے ہی گرایا تھا۔اس کے علاوہ کئی دفعہ مسلمانوں کے ساتھ ان کی جھڑپیں ہوتی رہیں ۔اس کے باوجود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سے جب بھی سکھوں نے انفرادی طور پر یا بحیثیت جماعت امداد کی درخواست کی کبھی ناکام نہ گئے ۔کئی گوردواروں کی تعمیر میں حضورؓ ان کی مدد فرماتے رہے۔ ایک دفعہ قادیان کے قریب کے ایک گاؤں کے چند سرکردہ

سکھ آئے میرے واقف تھے۔ آنے کی غرض یہ بتائی کہ گوردوارہ تعمیر کر رہے ہیں رقم بھی پوری نہیں اس کے علاوہ جنگ کا زمانہ ہونے کی وجہ سے تعمیر کا سامان بھی نہیں مل رہا۔ اس لئے حضرت مرزا صاحب سے امداد کی درخواست کرنی ہے۔ چنانچہ درخواست لکھ دی گئی سب نے دستخط کئے اور درخواست حضورؓ کو بھجوادی۔ تھوڑی دیر میں منظوری آ گئی اُن کی منشاء کے مطابق امداد ہوگئی۔ گوردوارہ بننے کے بعد جب بھی احمدی اس گاؤں سے گزرتے تو وہ اُن کو وہاں لے جا کر بتاتے کہ یہ گوردوارہ مرزا صاحب کی مہربانی سے تعمیر ہوا ہے، اور یہ کہ اس میں شرک کی کوئی بات نہیں ہوتی۔

(6)

گو ذیل کا واقعہ قبولیت دعا کا بھی ہے۔ تاہم اس سے غیروں کے ساتھ حسن سلوک کا بھی پتہ چلتا ہے اس لئے اسے یہاں انہیں الفاظ میں درج کرتا ہوں جن میں 1939ء میں جوبلی نمبر الحکم کے لئے مَیں نے لکھا تھا:۔

حضرت امیرالمؤمنین ایّدہ اللہ کی قبولیت دعا کا ایک واقعہ

خلافت ثانیہ کا ابتدائی زمانہ تھا۔ میرے والد مرحوم جناب منشی امام دین صاحب رضی اللہ عنہ اُن دنوں موضع لوہ چُپ میں جو قادیان سے چار میل کے فاصلہ پر جانب غرب واقعہ ہے ملازم تھے۔ پاس ایک گاؤں بھاگی ننگل ہے وہاں ایک شخص پچھمن سنگھ رہتا تھا جو ابھی تک زندہ ہے اُس کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی ایک دن اُس نے کہا کہ میرے لئے اپنے حضرت صاحب سے دعا کروائیں کہ خدا مجھے لڑکا دیدے اگر مرزا صاحب سچے ہوں گے تو میرے ہاں اولاد ہو جائے گی۔

والد صاحب مرحوم و مغفور قادیان آئے حضرت امیرالمؤمنین ایّدہ اللہ بنصرہ العزیز کے

حضور سارا واقعہ عرض کر دیا حضورؓ نے فرمایا میں دعا کروں گا اور انشاء اللہ اُس کے ہاں اولاد ہوگی۔ والد صاحب نے اُسے یہ خوشخبری سُنا دی۔ کچھ عرصہ کے بعد اُس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اُودھم سنگھ ہے یہ لڑکا میٹرک پاس کر چُکا ہے اور اپنے گاؤں میں پہلا نوجوان ہے جس نے اتنی تعلیم حاصل کی ہے۔

جلسہ سالانہ قریب تھا لوگ کثرت سے پیدل اور یکّوں میں قادیان آتے تھے۔ لچھمن سنگھ نے اس خوشی میں بٹالہ سے آنے والی سڑک پر احمدی دوستوں کو جو قادیان آتے تھے گنّوں کا رس پلایا۔ میں اُن دنوں چھوٹا بچّہ تھا لیکن مجھے یاد ہے کہ والد صاحب نے اُسے ایک کاغذ پر یہ واقعہ لکھ کر دیا تھا تا کہ وہ اُسے سڑک پر آویزاں کر دے اور آنے والے دوست اُسے پڑھ سکیں۔ والد صاحب اس واقعہ کا ذکر بعد میں بھی فرمایا کرتے تھے۔

اُس کاغذ پر سارا واقعہ لکھ دیا گیا تھا کہ یہ شخص اس خوشی کا اظہار اس طرح کر رہا ہے کہ جلسہ سالانہ پر آنے والے احباب کو رَس پلائے۔ دوست اس لئے بھی اس کی دعوت کو قبول کریں تا کہ وہ اس واقعہ کے گواہ رہیں۔ گو اس واقعہ کو کافی عرصہ گزر چُکا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ کئی دوست ہماری جماعت میں ایسے ہونگے جنہیں یہ واقعہ یاد ہوگا۔ لچھمن سنگھ زندہ موجود ہے جس کا دل چاہے اُس سے دریافت کر لے وہ اب بھی اس کی تصدیق کرے گا۔

یہ واقعہ لکھنے کے بعد میں نے مناسب سمجھا کہ اُسے بھی پڑھ کر سُنا دیا جائے چنانچہ جب اُس کے لڑکے اُودھم سنگھ نے ہی پڑھ کر سُنایا تو اُس نے اقرار کیا کہ یہ درست ہے۔

(خاکسار ظہور احمد محلّہ دارالرحمت قادیان)

''مَیں موضع بھا گی ننگل کا رہنے والا ہوں۔ لچھمن سنگھ ہمارے گاؤں کا باشندہ ہے۔ مجھے یہ واقعہ خوب یاد ہے جو بالکل درست اور صحیح ہے میرے سامنے ہی اس شخص نے کہا تھا کہ اگر مرزا صاحب سچّے ہیں تو میرے گھر لڑکا پیدا ہوگا۔ اور پھر خدا نے اُسے لڑکا دیا۔''

(خاکسار عبدالرحیم المعروف پوہلا۔ ساکن بھا گی ننگل تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور)

دستخط اُودھم سنگھ

(منقول از الحکم قادیان جوبلی نمبر مؤرخہ 28 دسمبر 1939ء)

(7)

ہندوستان کے ایک مشہور لیڈر تھے۔ ساری عمر ہمارے خلاف محاذ قائم کئے رکھا اپنی ہرزہ سرائی کی وجہ سے بہت شہرت رکھتے تھے۔ ہندوستان کی سنٹرل اسمبلی کے انتخابات ہورہے تھے یہ اُس حلقہ سے اُمیدوار تھے جس میں ضلع گورداسپور بھی شامل تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدّہ اللہ بنصرہ العزیز کے حضور امداد کی درخواست کی۔ اُن کے احباب نے کہا کہ مرزا صاحب کے آپ سخت دشمن ہیں وہ آپ کی کیوں امداد کریں گے۔ کہنے لگے مَیں نے اس یقین کیساتھ امداد مانگی ہے کہ مرزا صاحب جیسا انسان ایک دشمن کو بھی خالی ہاتھ نہیں لوٹائے گا۔ اُنکی مداد کا فیصلہ ہوگیا۔ حضوؓر نے فرمایا کہ یہ شخص کامیاب تو نہیں ہوگا لیکن ضلع گورداسپور سے اسے اس قدر ووٹ ملیں کہ اسے یہ خیال ہی پیدا نہ ہو کہ احمدی اپنے وعدے کا پاس نہیں کرتے۔ ان دنوں ووٹر بہت محدود ہوتے تھے۔ خصوصاً سنٹرل اسمبلی کے۔ غالبًا کُل 300 ووٹ پول ہوئے اُن میں سے 250 اُس لیڈر کو ملے اور صرف پچاس دوسروں کے حصہ میں آئے۔ حضرت صاحب کی بات بھی خدا تعالیٰ نے پوری کر دی کہ یہ ناکام ہوگئے کیونکہ دوسرے حلقوں سے اُن کو کافی ووٹ نہ ملے۔

قادیان کے غالبًا ایک سو چوبیس ووٹر تھے میرا بھی ووٹ تھا ہم سب حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی سرکردگی میں بٹالہ گئے ڈاک بنگلہ میں پولنگ اسٹیشن تھا۔ جب وہاں پہنچے تو اُس لیڈر کے کارکنوں نے ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا۔ مَیں نے اور بعض اور احباب نے پروٹسٹ کیا اور جوش میں کہہ دیا کہ ہم اسے ووٹ نہیں دیں گے۔ حضرت میاں صاحب کو پتہ چلا تو مجھے بُلوایا میرے کندھے پر بڑی شفقت کے ساتھ ہاتھ رکھا اور ایک

طرف لے گئے فرمانے لگے ہم نے اسے دشمن سمجھتے ہوئے امداد کا وعدہ کیا تھا دشمن کے ساتھ بھی بعض اوقات حسن سلوک کرنا ضروری ہوتا ہے اور دشمن کے ساتھ احسان کرنے کا ثواب جبھی زیادہ ملتا ہے کہ اُس کے بُرے سلوک کے مقابل اُس کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کیا جائے۔ آنحضرت ﷺ کا یہی طریق تھا۔ ہمیں شرح صدر حاصل ہو گیا اور ہم نے اُسے ووٹ دیئے۔ پاکستان بننے کے بعد یہ لیڈر کسمپرسی کی حالت میں فوت ہوئے۔ اُن کی آخری بیماری میں جو بہت لمبی تھی حضورؓ نے اُن کے ساتھ بہت ہی احسان کا سلوک کیا۔

⌘ ❍ ❖ ❍ ⌘

نام کتاب حیاتِ ظہور
مؤلفہ: احمد طاہر مرزا
بار: اوّل
اشاعت: 2018ء
ناشران: انور رشید، سویڈن

⌘ ❍ ❖ ❍ ⌘